وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ
(سورہ انفال رکوع ۸)

حالات عرب و عراق و عمان

یعنے

جزیرہ نما عرب کے باشندوں اور وہاں کے سیاسی امور اور جغرافیہ پر پادریانہ
پہلو سے نظر معہ آراستہ پادریان پر اسلام اور عیسائی مشنریوں کی کوشش
کے بیان کے جو وہ اس مہد اسلام میں کر رہے ہیں

مصنفہ

امریکن پادری ایس۔ ایم۔ زویمر فیلو رائل جغرافیکل سوسائٹی

معہ

تقریظ از پادری جیمز ایس [illegible] ڈی ونیٹی

جس کا اردو ترجمہ

کارخانہ وطن لاہور نے مسلمانوں کو مندرجہ لوح حکم ربانی سے
غفلت کرنے کے نتائج سے متنبہ و ہوشیار اور عیسائی پادریوں کی
دلیرانہ مساعی سے جو اب مقدس سرزمین عرب میں بھی شروع
ہو گئی ہیں آگاہ کرنیکے لئے شائع کرایا ہے

مطبع حمید یہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام مولوی محمد انشاء اللہ
شائع ہوا

طبع اول

قیمت فی نسخہ عہ

معاشر المسلمین

لوح سے آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ کتاب ایک پادری کی تصنیف ہے۔ اور یہ بات بھی
مسلمہ امر ہے کہ تمام تاریخی و جغرافی حالات کے ماسوا جہاں کہیں اس نے
اسلام پر دانستہ زنی کرنے کا موقعہ ملا ہوگا۔ اس نے اپنی طرف سے نیش زنی اور
مذہب کی برتری ثابت کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہوگا۔ لیکن یہ خاکسار
اس کا ترجمہ اس غرض سے شائع نہیں کرتا کہ مسلمان عیسائی پادریوں کے مذہبی
اعتراضات اور اسلام کے متعلق ان کے ہفوات معلوم کریں۔ یہ مجادلہ صدیوں سے
چلا آتا ہے۔ اور زویمر اپنے ہم مذہبوں کی سابقہ نکتہ چینیوں پر شاید ہی کچھ اضافہ
کرسکا ہوگا۔ اور نہ ان نکتہ چینیوں اور اعتراضات میں ایک بھی ایسی پائی جاسکتی ہے
جس کے صدہا شافی و وافی جواب علمائے اسلام نہ دے چکے ہوں۔ اس کتاب کے ترجمہ
کو شائع کرنے کی بڑی وجہ تو قوم کو یہ دکھانا ہے۔ کہ ہم مسلمان اب ایسے پست ہمت
غافل اور بے حمیت ہو گئے ہیں۔ کہ اغیار کو کسی اور ملک میں نہیں۔ خاص اس جزیرہ
میں بھی جو سرچشمہ اسلام ہے۔ ہمکو اپنے مذہب سے برگشتہ کرسکنے کی قدرت رکھنے کا
دعوےٰ اور حوصلہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب ان موجبات کو جن سے انہیں ایسا حوصلہ ہوا ہے
بوضاحت ظاہر کر رہی ہے۔ جس افشا سے ہم مسلمانوں کو بشرطیکہ ہم میں کچھ بھی اخلاص
اور دین کی محبت رہ گئی ہو۔ یہ موقعہ ملگیا ہے کہ ہم ان موجبات و اسباب کے دفعیہ و
تدارک میں کوشش کریں۔ اور اپنے دینی حصار اور مذہبی حمیت و اخوت کے حصن میں کوئی
ایسا رخنہ نہ رہنے دیں۔ جس کی راستہ اغیار انہیں داخل ہو کر ابتری برپا کرسکیں۔ ہم جانتے
کہ اس گذشتہ زمانہ میں بھی اگر کسی بات پر فخر رہ گیا تھا تو صرف اسپر کہ کوئی طاقت ہم
سے دین و ایمان اور اسلام کی عاقلانہ یا جاہلانہ محبت کو نہیں چھین سکتی لیکن
پادری زویمر اور اس کے رفقاء کا تجربہ بتا رہا ہے۔ کہ ہمارا یہ خیال بھی غلط ہوتا جاتا
اور جہالت و نفس پرستی کی زنگ نے اور تو اور لین خادمان اسلام کی اولاد کے دل بھی
ایسا بوسیدہ بنا دیا ہے۔ کہ اغیار اب انکو بھی اپنا شکار بنا لینا کوئی مشکل امر نہیں تصور کرتے

تاریخ ۱

تمہیدی نوٹ

اس پر نصیحت کتاب کا مصنف اُن لایق اور قابل مشنریوں میں سے
جو اسلامی دنیا میں مقرر ہیں۔ وہ رائے منڈلل - ہنفری مارٹن
ہین فالکنز اور تیئیب فرینچ کا مقلد ہے۔ اور اس وقت دس سال کی
محنت اور قابل قدر خدمت کے بعد اپنے دوست اور رفیق [illegible]
کے ریفارمڈ چرچ (اصلاح یافتہ چرچ یا فرقہ مذہبی) نے ایک عربی
قائم کی جس کے بہت سے دلیر اور با حوصلہ مرد اور عورتیں عرب
[illegible] منزل پر کھڑے ہیں۔ اور خدا کی راہ تک رہی ہیں۔ اور خداوند
[illegible]ع مسیح نے جو فرض اُن کے سپرد کیا ہے۔ اس کے پورا کرنے
[illegible] ہوئے ہیں۔

یہ دس سال خاموشی۔ دعا۔ مشاہدہ۔ مطالعہ اور فرائض کی انجام
[illegible] صرف کیئے گئے۔ اور ساتھ ہی [illegible]
غالب آنے۔ صداقت کا بیج بونے۔ اور [illegible] کی حال
کی کوشش کی گئی۔ صورت حال کو سمجھنے اور [illegible] سے متعلق جو
جہد اور کوششیں کی گئی اُسکا ثمرہ (Cradle of Islam
"عرب اسلام کا جھولا" کی صورت)
ہمارے سامنے موجود ہے۔

دنیا کے متعلق ہماری معلومات کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے یہ
کتاب مشنری رنگ میں حوالہ قلم کیگئی ہے مصنف اپنے مضمون کے لٹریچر

بیٹیاں ان کے ساتھ خلیج فارس کے ساحل پر آ پڑا ہے۔ دوسرے ان کے نقش قدم پر پہنچ رہی ہیں یہاں تک کہ

سے بخوبی آگاہ ہے۔ انگریز جرمن۔ فرنچ اور ڈچ عالموں کی تحریرات اس کے قبضہ میں ہیں۔ عرب مصنف جس تک کہ رسائی مشکل ہے۔ اس کے پہونچ میں ہیں۔ اور اس نے ان رازسربستہ باتوں میں سے مصالح جمع کرکے ایک ایسا چمن ہمارے سامنے لگایا ہے جس کی خوشبو سے دماغ معطر ہوتا ہے اور جس کی سیرابی و شادابی کے لئے زمانہ وسطی کے اصلی چشمہ ... پانی حاصل کیا گیا ہے۔ مذہبی۔ جغرافی۔ تجارتی اور ملکی حالات وواقعات کو ... طرز سے قلمبند کیا ہے کہ کتاب کو از بس مفید و کارآمد بنادیا ہے۔ یقیناً یہ کتاب موجودہ زمانہ کے مذہبی اور انٹرنیشنل مسایل میں گہرا انٹرسٹ پیدا کردے گی۔

اس نے اسلام کا مطالعہ مشنری ہونے کی حیثیت میں کیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے اسلام کو یک رخہ ہوکر پرکھا ہے اور تاریخی واقعات کا خیال ہی نہیں کیا۔ ایک غیر مذہب کی سمجھ ہی میں نہ آسکتا ہے۔ کہ اسکا سائنٹیفک طریقہ پر مطالعہ کیا جائے۔ اسطرح مذہب ... کی چھان بین ہونے کے بعد وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس کو دنیا کے مذاہب کے تاریخی کتب خانہ کی الماری میں رکھا جائے۔ اس طرح جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کی عمدگی میں کوئی شخص چون وچرا نہیں کرسکتا ہے۔ تاہم ایک مذہب کو پرکھنے اور اس کے متعلق قطعی رائے قایم کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں۔

کسی ایک مذہب کا مطالعہ مقابلتاً ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے ایک حد مقرر کرنی چاہیئے۔ اس کو اس کی اصلی صورت میں دکھانا چاہیئے اور ان مذہبی قوانین سے ٹکرانا چاہیئے جنہوں نے اب تک بنی نوع انسان کی ترقی میں امداد دی ہے۔

ایک مشنری اپنی قطعی رائے قایم کرنے کے لئے اس مذہب کا جسکو وہ مطالعہ کرتا ہے۔ اس مذہب سے مقابلہ کرتا ہے جس کی وہ منادی کرتا ہے۔ وہ یہ کام مخالفانہ سپرٹ میں نہیں کرتا بلکہ اسکی بڑی خواہش یہ

ن ہے کہ جسطرح ہو اُس صداقت کا اظہار کرے۔ جو خدا وند یسوع مسیح
نے اسکو دکھی ہے۔ وہ مقامی مجبوریوں کا خیال کر لیتا ہے۔ اور تاریخی
سپرٹ میں اس مذہب کے انقلاب کا پتہ لگاتا ہے۔ اُس میں جو چیز اچھی
ہوتی ہے۔ اُسکا ادب کرتا ہے۔ اور اُن اشخاص کی بھی تعظیم و تکریم کرتا ہے
بدلی کا ائمہ مذہب کے ماننے والے کرتے ہیں۔ تاہم وہ اپنی رائے پر
وطی سے قائم رہتا ہے۔ اور با آواز بلند اسبات کی منادی کرتا ہے
مذہب عیسوی سچا ہے۔ اسلام سچا نہیں۔ بدھ سچا نہیں۔ ہندو مذہب
نہیں۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے۔ وہ پیچھے سے نہیں ہٹتا اُسکا
و ند بڑا رحیم اور عادل ہے۔ اُس نے اس کی صداقت کی شہادت
لی ہے۔

اس کتاب کے مصنف نے اسلام کے متعلق ایسے سپرٹ میں لکھا ہے
منصفانہ ہے۔ مگر وہ اپنی قطعی رائے قائم کرنے سے نہیں ڈرا۔ مصنف
کے ساحل پر انگریزی اقتدار اور رسوخ کو بڑھتا دیکھکر کمال مسرت
ظاہر کرتا ہے۔ اُس کی خوشی کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں۔ جو مشرق
ہو آئے ہیں۔ اور مسلمان حکومت کا مزہ چکھ آئے ہیں۔

اس کتاب سے ہماری خیالات میں بلند پروازی اور معلومات میں وسعت
ہو گی۔ اور اس مضمون میں جو ہر سوچنے والے کے دل و دماغ پر چھا
جائے گا۔ ہمارے انٹرسٹ میں ترقی ہو گی۔

جیمز۔ ایس۔ ڈینس

دیباچہ

اس بات کے آثار ہویدا ہیں کہ عرب اسی نشینجا نہ خواب میں نہیں
رہے گا۔ کیونکہ اس کے آئندہ آثار ہو رہا ہیں۔ بالعکس۔ تہذیب
اور نیشنلیشن جزیرہ نما میں پہونچنی شروع ہوگئی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے۔
اور ملک یا کم از کم اس کے کچھ حصص، گورے آدمی کے بوجھ میں لی
کرنے والے ہیں۔ خلیج فارس میں جدوجہد شروع ہوگئی ہے۔ اور یمر
سرسبز صوبہ ہے۔ اس حالت میں نہیں رہیگا۔ عرب کا روحانی بوجھ تحمیل
ہے۔ اور اسلام کے پھل دیکھنے کے لئے عرب ایک بہترین موقع ہے۔ یہ
یہ ثابت کرتے ہوئے کہ اسلام مذہب یہود۔ سبائین اور مذہب عیس
سے اخذ کیا گیا ہے۔ عرب کی روحانی نیز اسکی طبیعی و جغرافی حال
بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس کتاب کی بڑی غرض یہ ہے کہ عرب کیطرف توجہ مبذول ک
جائے۔ اور عربوں میں مشنری کام رائج کرنے کی ضرورت جتائی جائے
اور اسلام کے متعلق کتابوں کی کمی نہیں۔ مگر عرب سے متعلق بہت
پرانی۔ یا عام ناظرین کی پہونچ سے باہر ہیں۔ اور بعض بہترین کتابیں
اوٹ آف پرنٹ ہیں (یعنی شائع نہیں ہوتیں) انگریزی زبان میں
جو جزیرہ نما پر روشنی ڈالتی ہے مسٹر ڈیلر کی [illegible]
سیاحت عرب ہے جرمن زبان میں اس کے متعلق [illegible]
عالمانہ کتاب البریخت زپرنگر کی [illegible]

[illegible]

ہے۔ یہ کتاب واقعات پر مبنی ہے۔ مگر اس میں بڑا نقص یہ ہے کہ نہ کوئی تصویر ہے۔ نہ کوئی نقشہ مشنری پہلو کے لحاظ سوائے کیتھ فالکنر کے انب فرنچ۔ کامل عبدالمسیح کی سوانح عمریوں کے اور کوئی کتاب عرب کے متعلق موجود نہیں ہے۔ اس بات نے اور مصنف کے دوستوں نے اسکو مجبور کیا۔ کہ بھولے بسرے جزیرہ نما کے حالات یعنی وہاں کے لوگوں۔ مذہب اور مضمون پر ایک کتاب قلمبند کیجائے۔ ہم نے یہ کتاب مشنری اغراض کو مدِ نظر رکھکر حوالہ قلم کی ہے۔ پس اس کتاب میں زیادہ باتیں ایسی ہیں۔ جو ان کیلئے بھی موجب دلچسپی ہیں۔ جو مشنری کاموں میں انٹرسٹ رکھتے ہیں لیکن اب مشنری کام اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ دنیا دی تاریخ کا طالب علم اسکے حالات سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اس کتاب کے بعض باب دیگر سیاحوں کی کتابوں سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کتاب پر اعتراض کرے۔ تو ہم اسکو جواب میں یہ کہیں گے۔ کہ اس میں ہم نے آٹھ سو اکسٹھ اشخاص کے تین ہزار تین سو تراسی اقوال اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ ان کا مصالح عرب کی نو سالہ اقامت میں جمع کیا گیا ہے۔ کتاب کی موجودہ صورت ۱۸۹۹ء کے موسم گرما میں بمقام بحرین دیگئی۔

پی ڈبلیو۔ اے بجین اسکوائر سائن لندن کے انہوں نے اس کتاب کے ترتیب میں مدد دی۔ اور اپنی دوست مسٹر ڈی۔ ایل۔ پیرسن کا جنہوں نے اسکی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا۔ از بس ممنون و متشکر ہوں۔

عربی ناموں کی ہجے قریباً وہی کئے گئے ہیں جو رائل جیوگرافیکل سوسائٹی نے کئے ہیں۔ اس کے متعلق تین باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔

(۱) وہ الفاظ جو عام استعمال کی وجہ سے مروّج ہو گئے ہیں۔ بدستور رہنے دیئے گئے ہیں۔ (۲) زیر زبر ضم اطالی زبان کا اور حروف انگریزی ان کا خیال رکھا گیا ہے۔ (۳) زائد حروف نہیں لکھے گئے۔ اور وہ جو لکھے گئے ہیں۔ ان کی آواز حذف نہیں کیگئی۔

ہم امید کرتے ہیں۔ یہ کتاب اُن والنٹیر سٹوڈنٹوں کے دلوں پر جو ممالک غیر کی مشنوں پر جاتے ہیں۔ اور جن کے نام پر یہ کتاب ڈیڈیکیٹ کی گئی ہے۔ عمدہ اثر پیدا کرے گی۔ نیز ہماری دلی دُعا ہے کہ اُن لوگوں پر تعداد میں جو عربوں سے محبت رکھتے۔ اور ان کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ ترقی ہو۔

الیس۔ ایم۔ زویمر
بحرین۔ عرب

(اس دریدہ دہن نے جہاں جہاں پاک مذہب اسلام پر حملے کئے ہیں وہاں اُن کی تردید کر دی گئی ہے۔ مترجم)

بھولا سبزہ جزیرہ نما

یہ جزیرہ نما ایک طرف تو صحرائی اور پہاڑی سلسلوں سے معمور ایسا
نظارہ پیش کرتا ہے۔ جو سخت خطرناک ہے۔ مگر دوسری طرف ایسا دلکش
رخوشنما منظر پیش کرتا ہے۔ کہ بڑے بڑے زرخیز اور شاداب ممالک کو
پس پشت ڈالتا ہے۔ اس کی پوزیشن ایسی ہے کہ یہ ایک ہی دفعہ گرم اور
معتدل آب و ہوا کے لطف اٹھاتا ہے۔ اور دیار ممالک کی پیداوار زمین
ن میں پیدا ہوتی ہے۔

یونان اور اطالی مورخوں نے عرب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے
ثابت ہوتا ہے کہ وہ عرب کے حالات سے بالکل بے خبر تھے۔ عرب میں سفر
کرنے کی بابت جن خطرات اور مشکلات کا چرچا ہو رہا ہے۔ آن میں موجودہ
نسل کے لوگ بھی مغالطے میں ہیں "

ایم۔ نیبور ۱۷۹۲ء

یروشلم اور فلسطین کی جو وقعت عیسائی دُنیا میں ہے۔ وہی بلکہ اس سے
بڑھ کر مکہ اور عرب کی اسلامی دُنیا میں ہے۔ یہ ملک ان کے مذہب کا منبع
ہوا۔ اور یہ شہر ان کے نبی کی طرف تو در گاہ اور صدیوں سے ان کی زبان
۔ آن کا قبلہ و کعبہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی روایتوں کے مطابق بہشت
سے خارج ہونے کے بعد حضرت آدم کا ٹھکانہ اور قدیم پیغمبروں کا گھر عرب
ہی ہوا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت آدم اور حوا جب بہشت سے
نکالے گئے۔ تو حضرت آدم جزیرہ سیلون میں ایک پہاڑ پر اور حضرت

حوّا عرب کے مغربی ساحل پر جدہ میں آکر ٹھہریں۔ ایک سو سال ادھر اُدھر بھٹک کر وہ مکہ میں ایک دوسرے سے ملے۔ اور یہاں اللہ نے ٹھیک اُسی جگہ جہاں کعبہ ہے۔ ایک عارضی مکان بنایا۔ اس کے مکان کی بنیاد میں ایک پتھر رکھا گیا۔ جو پہلے برف سے بھی زیادہ سفید تھا۔ مگر اب حاجیوں کے گناہوں سے سیاہ ہو گیا ہے۔ اس روایت کو ثابت کرنے کے لیے سیاحوں کو مکہ میں سنگ اسود اور جدہ کے نزدیک حضرت حوّا کا مزار دکھایا جاتا ہے۔ ایک اور معتبر روایت یہ ہے کہ مکہ ٹھیک عرش اعلےٰ کے نیچے ہی

ان فضول روایتوں کی تعبیر میں جن کو مسلمان مورخوں نے ٹھیک مانا ہے۔ عرب ایک جغرافیہ داں اور مورخ کے لئے دائمی دلچسپی کا ملک ہے جس کے بعد کئی جانباز سیاح ساحل کا دورہ کر کے ملک کے اندرونی حصص میں گھستے ہیں۔ مگر انکا یہ الزام کہ ہم اس وسیع جزیرہ نما کے اصلی کیرکٹر سے بالکل ناواقف ہیں۔ ابھی تک جہاں تک کہ جنوبی اور جنوب مشرقی اضلاع کا تعلق ہے بالکل ٹھیک ہے۔ ابھی تک کوئی سیاح حضرموت کی شمالی حد تک نہیں گذرا۔ اور صحرا دہنہ جس کو ربع الخالی کہتے ہیں داخل نہیں ہوا۔ وہ وسیع ملک جو جزیرہ نما قطار اور عمان کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے بالکل تاریکی کی حالت میں پڑا ہے۔ اور نقشہ میں اُسکی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ اگر جزیرہ نما کے اس حصہ میں کوئی قابل ذکر نقشہ بنا ہوا ہے۔ تو وہ صرف کوئلی کا ہے۔ اس نقشہ کو سپرنگر نے اپنے اٹلس عرب میں درج کیا ہے۔

سوائے شمال کے عرب کی حدود اچھی طرح واضح ہیں۔ مشرق کی طرف خلیج فارس۔ ابنائے ہرمز اور خلیج عمان ہے۔ جنوب میں باب المندب بحر ہند ہے۔ مغرب کی طرف بحرہ قلزم اور خلیج عقبہ ہے۔ شمال کی طرف لق و دق صحرا ہے۔ اور اس میں بعض جگہ لمبے ریگستان ہیں کہ سراب دیکھ کر وسیع سمندروں کا جلوہ دکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب خود اپنے ملک کو جزیرۃ العرب کر کے پکارتے ہیں۔ ور معلوم ہوتا ہے۔ شمالی حدود

کبھی بھی واضح طور پر مقرر نہ ہوں گی۔ یہ شامی صحرا جو ۳۵ ویں درجہ تک جاتا ہے۔ اسکو اگر صحرا عرب کہا جائے تو بجا ہے۔ کیونکہ اسکی ساری کیفیت اور ہیئت شام اور عراق و عرب کی نسبت جزیرہ نما عرب سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ لہذا ایک خالص عربی شہر ہے۔ اور شمال کے عربوں کے لئے یہ شہر ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ جنوب مغرب کے عربوں کے لئے عدن۔ عرب کی شمالی حد اس علاقہ تک قرار دینی چاہیئے۔ جہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں۔ مگر چونکہ یہ حد مستقل نہیں رہ سکتی۔ آسانی کی غرض سے اس کی شمالی حد اس خط تک ہونی چاہیئے۔ جو ۳۴ ویں درجہ تک بحرہ روم سے بصرہ تک کھینچا جائے۔

اس مندرجہ بالا حساب سے عرب کا ساحل سویز سے لیکر فرات کے ڈیلٹا تک ۴۰۰۰ میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا ہے۔ اس ساحل پر سوائے خلیج فارس کے بہت کم جزائر آباد ہیں۔ بحرہ قلزم پر بے شمار ٹاپو ہیں۔ جو جہازرانی کے حق میں سخت مضر ہیں۔ مگر عدن سے لے کر مسقط تک کنارا بلند ہے اور اس پر چند عمدہ بندرگاہ واقعہ ہیں۔ مشرقی عرب کا ساحل نیچا اور پہاڑی ہے اور کہیں کہیں آتش فشانی کی علامات بھی پائی جاتی ہیں۔ ساحل سے بہت فاصلہ پر فرسان۔ جو عربوں کے جہازات غلامان کا مرکز ہے۔ پیرم۔ جہاں انگریزی باٹریاں بحرہ قلزم کے دروازہ پر جادی ہیں۔ بحر ہند میں کوریا موریا جزائر کا مجمع اور خلیج فارس میں مجمع الجزائر بحرین۔ بس یہ کل جزیرے ہیں۔ جزیرہ سقوطرہ میں اگرچہ عرب آباد ہیں۔ اور تاریخی لحاظ سے بھی وہ عربوں کا ہے۔ مگر جغرافیہ دان اس کو افریقہ کا جزیرہ سمجھتے ہیں۔ یہ جزیرہ گورنمنٹ ہند کے زیر نگیں ہے کبھی اس کی آبادی عیسائی تھی۔ مگر اب ساری مسلمان ہے۔ جزیرہ نمائی زیادہ سے زیادہ لمبائی ۱۰۰۰ میل اور اوسطاً چوڑائی ۶۰۰ میل ہے۔ اور کل رقبہ لقدر ۱۰۰۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ گویا کہ یہ فرانس سے چوگنا۔ اور اضلاع متحدہ امریکہ سے [illegible] ہے۔

یعنی کہ عرب ریگی صحراؤں کا مجموعہ ہے

سیاحوں نے اس خیال کو بالکل غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور ملک کے جو حصے ابھی تک ریگستان سمجھے جاتے ہیں۔ اُن کی تا ہنوز دیکھ بھال ہی نہیں ہوئی پالگریو اپنی کتاب سنٹرل عرب (وسط عرب) میں سارے جزیرہ نما کی عجیب کیفیت درج کرتا ہے۔ اس کی سیاحت کے بعد حضر موت کے کسی قدر حصہ کی دیکھ بھال ہو چکی ہے۔ اور اس سے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ "عرب کی طبعی حالت اس مرتفع ملک کے مشابہ ہے جس کے جنوب مغرب اور مشرق میں صحرا اور شمال میں سلسلہ کوہ نے احاطہ کیا ہو۔ یہ احاطہ پھر خود پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جس کی بلندی کم اور ویسے خشک ہیں۔ مگر یمن اور عمان میں جا کر آسمان کو چھونے لگتے ہیں۔ اور اپنی سرسبزی سے آنکھوں کو طراوت بخشتے ہیں۔ ان پہاڑوں کے پرے کچھ فاصلہ پر سمندر ہے۔ اس کے علاقہ رقبہ میں سارے ملک کے نصف رقبہ سے کسی قدر کم ہے۔ اس کے حدود واضح طور پر نمایاں ہیں۔ نہیں بلکہ نفود کے طوفان اور جھکڑ اس کے حدود کو خاص طور پر ظاہر کر دیتے ہیں۔ اگر ان وسطی علاقوں یا نجد کو اس کے وسیع معنوں میں لیا جاوے تو ماننا پڑے گا۔ سارے عرب کی دو تہائی زمین مزروعہ یا قابل کاشت ہے۔ باقی ایک تہائی خاصکر جنوب کیطرف بنجر اور نا قابل کاشت ہے"

اس بیان سے ظاہر ہے کہ عرب کا ساحل چنداں قابل التفات نہیں۔ ساحل کی وجہ سے ہی عرب کی بابت ایسی بری رائے قایم ہو گئی تھی۔

ان کپتانوں کی زبانی جو بحیرہ قلزم یا خلیج فارس دیکھ آئے تھے معلوم ہوا تھا کہ عرب کی آب و ہوا اور اس کی پیداوار بہت بری ہے یہ بات نہایت ہی تعجب انگیز ہے کہ جب ہم عدن کے خشک قطعات کو پہاڑی دروں میں سے گذر کر یمن میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں اوسط بہار پکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ دوزخ سے جنت میں آن پہونچے [illegible] سبزہ گاہ اشجار و سبزی - جدید لفظ

ہوا ہے کہ مردہ جانوں میں زندگی کی روح پھونکتی ہے۔ عرب کا ملک عربوں
کی طرح بظاہر تو ایسا ویسا ہے۔ مگر جس طرح عرب کا باطن بڑا مہمان نواز اور
متواضع ہے اسی طرح عرب کا اندرونی حصہ باغ و بہار کا دلکش نمونہ ہے۔
نجد کی متواضع زمین سے جو سطح سمندر ۳۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ جنوب
کی طرف زمین بلند ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یمن اور عمان کے پہاڑ
۸۰۰۰ اور ۱۰۰۰۰ فیٹ کی بلندی کو جا پہونچتے ہیں۔ یہ کم و بیش بلندی
آب و ہوا میں کم و بیش اختلاف پیدا کرتی ہے۔ عام طور پر سخت گرم
ہوتی ہے۔ اور آب و ہوا خشک ہے۔ اور جولائی کے مہینہ میں تو سارا عرب
تنور کا نمونہ بنجاتا ہے۔ ساحل پر گرمی سخت شدت کی پڑتی ہے۔ ۱۹۲۶ء
کے جون جولائی۔ اور اگست کے مہینوں میں بصرہ میں زیادہ سے زیادہ گرمی
۱۰۰ ½ ۱۱۳ اور ۱۰۲ درجہ تھی۔ اور کم از کم ۸۴ ½ ۸۹ درجہ تھی۔ نجد کی
آب و ہوا صحت بخش ہے۔ یمن اور عمان کی بلندیوں پر تو ماہ جولائی میں بھی
۸۵ درجے سے اوپر پارہ نہیں چڑھتا۔ ۱۹۲۶ء کے ماہ جولائی میں ایک
دن میں نے حدیدہ کے ساحل سے سایہ میں ۱۱۰ درجہ کی گرمی میں پہاڑی
مقام منخہ تک جہاں پارہ ۵۵ درجہ پر تھا سفر کیا۔ صنعا میں تین ماہ ٹھنڈ
پڑتی ہے۔ اور عرب کے شمال میں جبل توبیق تمام موسم سرما میں برف
سے ڈھنپا رہتا ہے۔ شمالی عرب میں موسم سرما میں اکثر بارش ہوتی ہے
اور ٹھنڈ پڑتی ہے۔

جزیرہ نما کی جیالوجی (طبقات الارض کے حالات) میں سہل
اور آسان ہے۔ ڈوٹی کے بقول عرب کی سطح زمین کے نیچے آتش فشاں
پہاڑ ہیں۔ جس پر ریگی پتھر اور ان پر چونا ہے۔ عقاب سے سینا تک جاتے
ہوئے ہم نے اس کے برعکس حالت دیکھی۔

آتشیں مادہ (جس کو عرب حرت کہتے ہیں) مدینہ اور خیبر کے
علاقوں میں اکثر ہوتا ہے۔ بحرہ قلزم سے براہ راست بصرہ جاتے ہوئے
ہم نے حرت الجنوب میں ایسے پتھر دیکھے جن پر آتشیں مادہ پڑا تھا

آگے وادی غدیر اور جبل شیبر میں ایسے ہی پتھر نظر آتے ہیں۔ نفود القاسم سے ریگی پتھر شروع ہوتے اور جبل تو وتق تک چلے گئے۔ جبل تو وتق سے چونے کے پتھر شروع ہوتے ہیں۔ ان کے آگے خرات تک بالو اور ریت کے سوا کچھ نہیں۔

عرب میں کوئی دریا یا پہاڑی ندی نالہ ایسا نہیں۔ جو سمندر تک پہنچتا ہو۔ مگر انکم سطح پر سے گذر کر تو کوئی دریا یا سمندر بھی نہیں ملتا مگر زمین کے اندر کئی روشنیں بہ رہی ہیں۔ جو سمندر سے ملتی ہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ مجمع الجزائر بحرین تازہ پانی کے چشموں کا اصلی گھر عرب میں ہے۔ مسقط میں بھی سطح زمین سے دس سے لیکر تیس فیٹ نیچے پانی بہکر سمندر میں گرتا ہے۔ یہ پانی کنووں کے حق میں ابر رحمت ہے جسا کے سارے علاقہ میں زمین کے نیچے پانی جاری ہے۔ موسم برسات میں یمن میں کئی نالے جاری ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو وہ ایسے زور میں آتے ہیں۔ کہ ہر چیز کو بہا کر لیجاتے ہیں۔ ان نالوں کو سیال کہتے ہیں۔ عرب اپنے عارضی ندی نالوں کے لئے بڑا مشہور ہے۔ موسم سرما میں یہ نالے پانی سے لبالب لبریز ہوتے ہیں۔ مگر موسم گرما میں بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ اور وہ سال میں نو یا دس ماہ خشک پڑے رہتے ہیں۔ اس اثنا میں لوگ اُن کنوؤں سے پانی حاصل کرتے ہیں۔ جو ان نالوں میں کھودے ہوتے ہیں۔ نالہ سترہان حوران کی بلندیوں سے نکل کر جنوب مشرقی رخ اختیار کرکے ضلع جوف کیطرف بہتا ہے۔ اس کو ایک چھوٹے نالہ وادی الرجال سے بڑی مدد ملتی ہے۔

وادی دوسرچہ نجران کے پانی کو اپنے میں ملا لیتا ہے۔ عسیر اور حجاز کی بلندیوں سے پانی لیتا ہوا ایک چھوٹی سی جھیل بحر سلمہ میں جا گرتا ہے عرب میں بس صرف یہی ایک جھیل ہے۔ عفنان ایک بڑا نالہ ہے نجد کے کنارے کنارے اپنا راستہ نکالتا ہوا خلیج فارس سے جا ملتا ہے بعض نقشوں میں اس نالہ کو دریا کرکے لکھا گیا ہے۔ یہ سال میں دو ماہ

بہتا ہے۔ آجکل یہ نالہ موجود نہیں ہے۔ عرب میں سب سے زیادہ مشہور نالہ وادی آلرومہ ہے۔ اس کا کسی قدر حصہ معلوم ہوا ہے۔ یہ حجاز کیطرف سے آتا ہے۔ اور ۶۰۰ میل کی لمبائی طے کرکے دریائے فرات میں جا گرتا ہے۔ عرب میں اگر زیادہ بارش ہوجائے تو یہ نالہ مسقط العرب تک پہونچ سکتا ہے۔ عرب کے قافلے بوجوہات چند ان نالوں کے کنارے سفر کرتے ہیں۔

عرب میں پہاڑ بھی بہت ہیں۔ ایک سلسلہ کوہ بحر قلزم سے شروع ہوکر تین دن کی مسافت تک چلا گیا ہے۔ مکہ کے جنوب میں ۸۰۰۰ فیٹ بلند پہاڑیاں ہیں۔ ان کے پرے ایک سلسلہ شروع ہوکر یمن کی انتہا تک پہنچتا ہے۔ جنوبی ساحل کے پہاڑ بے قاعدہ اور ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ مگر راس المدا اور راس مسندم کے درمیان عمان میں جاکر کشادہ ہوجاتے ہیں۔ طلیج کے ساحل پر در اصل کوئی پہاڑ نہیں۔ جبل دخان اور جبل ضنم چھوٹی چھوٹی آتش فشاں پہاڑیاں ہیں۔ اول الذکر بحرین میں اور موخر الذکر زبیر کے نزدیک واقع ہے۔

نجد کے پیچھے پیچھے شرقاً غرباً ایک سلسلہ کوہ بنام جبل شمار چلا گیا ہے اس کی بلندی ۶۰۰۰ فیٹ کے قریب ہے۔ جبل شمار کے جنوب میں جبل مناقب۔ جبل عارد۔ جبل تودیق۔ اور جبل الحقل۔ دوسرے پہاڑ ہیں۔ یہ بھی قریباً اسی سمت جنوب مغرب اور شمال مشرق کے رخ ہیں۔ جزیرہ نما سینا میں بھی سلسلہ کوہ ہے جو خاص سینا کے پاس بہت بلند ہوجاتا ہے۔

نالوں اور پہاڑوں سے اتر کر عرب حسرت یا آتش فشاں پہاڑوں کے لئے مشہور ہے۔ یہ سیاہ دھندلے اور بنجر آباد قطعات اندازے سے زیادہ شمال عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ حسرت خیبر ہے۔ یہ مدینہ کے شمال میں واقع ہے۔ اور محمد حضرت سرورکائنات کے زمانہ میں یہ یہودیوں کا بڑا مرکز تھا۔ یہ طول میں ۱۰۰ میل اور بعض

جگہہ عرض میں تیس میل ہے۔ اس پہاڑ پر جابجا آتشیں مادہ بہہ [illegible]
مادہ نکلنے کے شگاف نمودار ہیں۔ بعض جگہہ مادہ چھ سو فیٹ گہرا ہے۔ ابھی
تک خیبر میں آتشیں حرکات پائے جاتے ہیں۔ جبل انخلستان سے اکثر
دھواں نکلتا رہتا ہے۔ سنہ ۱۲۵۶ء میں مدینہ میں آتش فشاں پہاڑ پھٹے
تھے۔ اور حسا اور حضرموت میں گرم پانی اور گندھک کے جو چشمے ہیں۔ وہ
ظاہر کرتے ہیں۔ کہ آتشیں مادہ اپنا کام برابر کر رہا ہے۔

عرب کے ریگستانی قطعات کو عرب نفود کہتے ہیں۔ یہ صحرا اس سفید
چادر کے مانند ہے جس پر کہیں کہیں جھاڑیوں کے بیل بوٹے کھینچے ہوں۔
بعض مقاموں میں جو صحرا ہیں جھاڑیاں ہوتی ہیں۔ وہ اونٹوں اور بھیڑوں
کے کام آتی ہیں۔ مگر بعض مقاموں کی جھاڑیاں کسی کام کی نہیں۔ بارش
کے دنوں میں بعض نفود میں گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اور اسوقت صحرا
نخلستان کی بہار دکھا جاتا ہے۔ بعض نفود میں بالکل بارش نہیں ہوتی
اور وہ سونے کے سونے پڑے رہتے ہیں۔ پالگریو کہتا ہے۔ بعض نفود
میں ریت کی گہرائی چھ سو فیٹ ہے۔ یہ نفود نجد کے ان جنوبی علاقوں میں
جو ابھی تک دیکھنے میں نہیں آئے۔ اور حضرموت کے شمال میں بکثرت موجود
ہیں۔ ان نفود میں بالکل ویرانی اور سنسانی چھائی ہوئی ہے
مگر شمالی نفود چراگاہ کا کام دیتے ہیں۔ اور ہزاروں گھوڑوں اور بھیڑوں
ان سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا باب

عرب کی جغرافی تقسیم

عرب کی صوبہ وار تقسیم ہمیشہ طبعی جغرافیہ کے لحاظ سے ہوئی

آئی ہے۔ پولیٹیکل جغرافیہ سے بہت کم کام لیا گیا ہے۔ جزیرہ نما کی سب سے پہلی اور بعض لحاظ سے سب سے ٹھیک تقسیم وہ تھی۔ جو یونانی اور رومن مورخوں نے کی تھی۔ یعنی صحرائی عرب اور آباد عرب یہ آخری اصطلاح غالباً الیمن کا غلط ترجمہ ہے۔ الیمن کے لغوی معنی وہ ملک جو دائیں ہاتھ پر ہو گئے ہیں۔ یعنی وہ ملک جو مکہ کے جنوب میں ہے۔ یہ نام الشام کے مقابلہ میں رکھا گیا تھا۔ الشام میں وہ ملک جو بائیں ہاتھ کو ہو گئے ہیں۔ ٹولمی نے عرب کا ایک تیسرا حصہ بھی مقرر کر کے اسکا نام کوہی عرب رکھا تھا۔ اور کوہی عرب اس کی مراد قبلہ سینا سے ہے۔ وہ صحرائی عرب کو انتہائی شمالی صحرا شمار کرتا ہے۔ لہذا اس کا نقشہ آباد عرب کے نام سے موسوم ہے۔ اس نے عرب کے ہر حصّہ کا نام اس قبیلہ کے نام پر رکھا ہے۔ جو زمین میں آباد ہے۔

جغرافیہ بنانے والے عرب کے ان تین حصّوں یعنی ریگستانی عرب آباد عرب۔ اور کوہی عرب سے بالکل نا آشنا ہیں۔ وہ جزیرہ العرب کو پانچ صوبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا الیمن جس میں حضرموت۔ مہرا۔ عمان۔ شہر اور نجران شامل ہیں۔ دوسرا الحجاز۔ یہ مغربی ساحل پر واقع ہے اور چونکہ یہ تہامہ۔ اور نجد کی حد ہے۔ اسکو یہ نام دیا گیا ہے۔ یہ صوبہ اس صوبہ کے مطابق ہے جس کو ہم حجاز کہتے ہیں۔ تیسرا تہامہ یہ یمن اور حجاز کے درمیان واقع ہے۔ چوتھا نجد۔ اس نام کو سارے وسطی ملک پر غلطی سے محمول کیا گیا ہے۔ پانچواں یمامہ۔ چونکہ صوبہ یمن اور نجد کے درمیان وسیع رقبہ پر پھیلا ہے۔ اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

موجودہ تقسیم کے مطابق عرب ساتوں صوبوں میں منقسم ہے۔ حجاز۔ یمن۔ حضرموت۔ عمان۔ حسا۔ عراق اور نجد یہ تقسیم اگرچہ بالکل ٹھیک نہیں۔ مگر ہے پولیٹیکل جغرافیہ کے مطابق ہے۔ حجاز میں جو عرب کا مقدس صوبہ ہے۔ مکہ اور مدینہ واقع ہے۔ یمن کی شمالی حدود خطہ ہے۔ جو سرسبزی کا نمونہ ہے۔ اور مشرق کی حد عسیر کے علاقہ کے پرے ختم ہوتی ہے۔ حضرموت

کی حدود مقرر نہیں ہیں۔ اور یہہ شمال کیطرف بے تحاشا بڑھ گیا ہے۔ عمان خلیج عمان کے جنوبی ساحل اور بحر سندھ کے درمیان واقع ہے۔ حسا القطر (بعض نقشوں میں البحرین کر کے لکھا ہے۔) کی شمالی حد پہ چھایا ہوا ہے۔ عراق عرب یا عراق اُس ملک کے شمال میں ہے۔ جس کو ٹرکش عرب کہتے ہیں۔ عرب کی پولیٹکل تقسیم سے متعلق یہاں یہ بتا دینا کافی ہے۔ کہ جزیرہ نما سینا اور خلیج عقبہ کے بجانب جنوب و سو میل لمبا ساحل مصر کے زیر نگیں ہے حجاز یمن اور حسا برائے نام ٹرکی کے ماتحت ہیں۔ مگر ان کی پولیٹکل حدود غیر منفض ہیں۔ (یہ صوبے کلی طور پر ٹرکی کے ماتحت ہیں۔ بلکہ اب کویت البحرین نجد وغیرہ بھی ٹرکی عملداری میں شمار ہوتے ہیں۔ مترجم)

آجکل کا شریف مکہ اکثر باب عالی کو اطلاع دیتا رہتا ہے کہ حجاز کے بدو قبائل نہ تو سلطان کی حکومت تسلیم کرتے ہیں اور نہ میری اور جب تک انکو بہت سا روپیہ نہ دیا جائے گا وہ حجاج کے قافلے لوٹنے سے باز نہیں رہیں گے ۱۸۷۳ء سے جب سے ترکوں نے صنعا فتح کر کے اپنی ظالمانہ حکومت کا جوا اہل یمن کی گردنوں پر رکھا ہے۔ اسوقت سے وہ برابر ترکوں کے جور کو اُٹھانے کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ ۱۸۹۲ء میں اُنہوں نے علم بغاوت بلند کیا اور پھر اس سال (۱۸۹۵ء) سارے یمن میں ترکوں کے برخلاف آتش بغاوت مشتعل ہے۔ اب کی بغاوت میں ایک عجیب بات یہ ہوئی ہے کہ بعض عربوں نے انگریزی جھنڈے کا استعمال کیا ہے۔ تاکہ انگریزی کی ہمدردی حاصل کریں (اجی حضرت وہ صرف انگریزی جھنڈے ہی کا نہیں۔ بلکہ انگریزی ہتھیاروں کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور ایسا کیوں ہوتا ہے۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے۔ مترجم)

صوبہ حسا میں اصل ٹرکی عملداری صرف تین چار قصبوں میں ہے باقی تو برائے نام اس کی ماتحت ہے۔ عرب کا اگر دراصل کوئی حصہ ٹرکی کے زیر نگیں ہے تو وہ عراق ہے۔ اس سے ٹرکی کو معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں کے عرب بھی اکثر بغاوتیں کرتے رہتے ہیں۔ تاہم

ٹرکی عرب کے جنوبی حصہ پر جو انسب زرخیز و زرریز ہے۔ اس کے مغربی حصہ پر جو مذہبی مرکز ہے۔ اور سارے زرخیز شمالی عرب پر یعنی کل عرب کے ایک پانچویں پر مسلط ہے۔

باقی عرب ٹرکی سے آزاد ہے۔ چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے جو اپنے آپ کو سلطان۔ امیر یا امام کہتے ہیں۔ اسکو صدیوں سے آپس میں بانٹ کر رکھا ہے۔ عمان اور نجد کی ریاستیں کسی قدر زبردست ہیں۔ مگر جب سے اوّل الذکر ریاست کا صدر مقام زنجبار میں تبدیل کیا گیا ہے۔ اوس کی وقعت کم ہوگئی ہے۔ نجد پر آج کل عبد العزیز بن متعب مرحوم محمد بن رشید کا بھانجہ حکمراں ہے۔ محمد بن رشید عرب کا رچرڈ تھا۔ اُس نے سترہ دعویداروں کو ہلاک کرنے کے بعد تخت و تاج پر قبضہ کیا تھا۔ (آجکل امیر نجد ٹرکی کا زیر حمایت ہے۔) اس ریاست کے جنوب میں زبید اور وہابیوں کا علاقہ ہے۔ دائیں طرف امیر کی حکومت نفود کے پار تک تسلیم کی جاتی ہے۔ دائیں طرف کاف اور عنیزہ کے نخلستانوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور مشرق میں جبل مرداد تک۔ ان نخلستانوں کے لوگوں نے امیر کو فی قریہ چار پونڈ سالانہ دینا کر کے اوسکی حمایت منظور کر لی ضلع جاف کے لوگوں نے بھی امیر عبد العزیز کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ یہ امیر اس راستہ پر بھی مسلط ہے۔ جو حاجیوں کے لئے ابھی مقرر ہوا ہے۔ اب وہابیوں کی گرمجوشی سرد پڑ گئی ہے۔ اور انکی پولیٹیکل طاقت ملیا میٹ ہوگئی ہے۔ مگر ویسی ان کا مذہبی اثر عرب کی حدود سے باہر بھی ہے۔

ٹرکی کے علاوہ اور اس سے دوسرے درجہ پر عرب میں انگلستان کا اقتدار ہے۔ ۱۸۳۸ء میں عدن پر انگریزی تسلط ہوا۔ اس کے بعد سے انگریزوں نے عرب میں خوب ہاتھ پاؤں چلائے۔ چنانچہ اسوقت ان کے پاس ایک ضلع ۶۰ میل لمبا ۴۰ میل چوڑا جس کی آبادی ۱۳۰۰۰۰ ہے۔

ابنائے باب المندب میں جزیرہ پیرم۔ جنوبی ساحل پر جزائر کوریا
ماریا اور جزیرہ سقوطرہ بھی انگریزوں کے زیر نگیں ہیں۔ عدن سے لے کر
مسقط تک اور مسقط سے لے کر بحرین تک کے تمام آزاد قبائل نے برطانیہ
اعظم سے معاہدے کئے ہیں۔ اور اب سالانہ وظائف لیتے ہیں۔ اور انگریزوں
کے زیر حمایت ہیں۔ مسقط اور بحرین تو دراصل انگریزوں کی ماتحت ریاستیں
ہیں کیونکہ انگلستان نے یہ پالیسی قرار دے لی ہے کہ خلیج فارس میں اس کا
اقتدار سب سے بڑھ کر ہونا چاہیئے۔ انگلستان نے ہر جگہ ایجنٹیاں اور قونصل
خانے مقرر کئے ہوئے ہیں۔ خلیج فارس کا پوسٹل سسٹم انگریزی ہے۔ انگریزی
روپیہ نے منڈیوں سے پیاستروں کو خارج کر دیا ہے۔ اور چونکہ خلیج فارس کی
تجارت کا ۸۵ فیصدی حصہ [illegible] ہاتھ میں ہے۔ لہذا خلیج فارس

عرب میں ریل بالکل نہیں۔ مگر قافلے ہر طرف آتے جاتے ہیں۔ (اب
ریلوے زیر تعمیر ہے۔ اور دوسری طرف بغداد ریلوے بھی کویت تک پہنچے
گی۔ مترجم) ٹرکی گورنمنٹ نے مکہ اور جدہ کے درمیان خسفا۔ حدیدہ اور
تائز کے درمیان اور بغداد اور بصرہ کے درمیان سلسلہ تار قائم کیا ہوا
ہے۔ یہ سلسلہ فاو میں ملتا ہے۔ اور وہاں سے بوشہر اور ہندوستان کی
زیر آب تار سے ملتا ہے۔

عرب کی نباتات کے متعلق ہم یہاں لمبا چوڑا ذکر نہیں کریں گے۔ عرب
کی کھجوروں کی ایک سو اقسام ہیں۔ اور ان کا پھل عربوں کو علاوہ غذا کا کام
دیتا ہے۔ قہوہ اور کئی دیگر بوٹیاں بافراط پیدا ہوتی ہیں۔ یمن کے پھل
مشہور ہیں۔ نجد میں ایک درخت پندرہ فیٹ بلند ہوتا ہے۔ یہ
ایندھن کے کام آتا ہے۔

پہلے پہل عرب میں شیر ببر اور چیتے بہت ہوتے تھے۔ مگر اب بہت
کم ہیں۔ بھیڑیئے۔ جنگلی سور۔ گیدڑ۔ لومڑ۔ غزال۔ بندر۔ جنگلی گائیں
ہرن۔ بارہ سنگے۔ سانپ بچھو۔ کیڑے۔ مکوڑے اور باز بھی پائے جاتے

ہیں۔ جنوب مغربی عرب میں ابھی تک شترمرغ ہوتے ہیں۔ مگر اب زیادہ تعداد میں نہیں ہوتی۔ عام پالتو جانور گدھا۔ خچر۔ بھیڑ۔ بکری ہیں۔ مگر سب سے افضل اونٹ اور گھوڑا ہے۔ ابھی ملک کی آبادی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا۔ جہاں کہ مردم شماری نہ ہوتی ہو اور عورتیں اور بچے کسی شمار میں نہ ہوں از بس مشکل ہے۔ عثمانیہ گورنمنٹ اپنے صوبوں کی آبادی بہت بڑھا چڑھا کر بتلاتی ہے۔ اور سیّاح مختلف اندازے لگاتے ہیں۔ بعض موجودہ سیّاحوں نے عراق کو چھوڑ کر عرب کی کل آبادی ۵۰۰۰۰۰۰ بتائی ہے۔ (بالکل غلط اور فضول اندازہ ہے۔ اور معمولی عقل کا آدمی بھی اس کو باور نہیں کر سکتا۔ اہل یورپ تعصب میں کچھ ایسے منہمک ہوتے ہیں۔ کہ اسلامی ممالک کی آبادی کو بھی اصل کو کہیں گھٹا کر بتاتے ہیں۔ مترجم) اے۔ ایچ کین الف آر۔ جی۔ ایس نے مندرجہ ذیل اندازہ لگایا ہے۔

ترکی صوبجات حجاز۔ ۳۵۰۰۰۰۰ } آزاد عرب { عمان۔ ۱۵۰۰۰۰۰ }
یمن۔ ۲۵۰۰۰۰۰ } { شمر بحرین وغیرہ۔ ۳۵۰۰۰۰۰ }

ٹوٹل ۱۱۰۰۰۰۰۰

امیر حسیب زیہم نے بھی اپنی کتاب متعلقہ عرب میں اس کے قریب قریب اندازہ لگایا ہے۔

یمن اور عسیر۔ ۲۲۵۰۰۰۰۔ حضرموت ۱۵۵۰۰۰۰۔ عمان اور مسقط ۱۳۵۰۰۰۰۔ بحرین۔ قاطف۔ نجد۔ ۲۳۵۰۰۰۰۔ حجاز۔ عنیزہ قاسم اور جبل شمار ۳۲۵۰۰۰۰ = ۱۰۷۵۲۰۰۰

کوئی شک نہیں آبادی کے یہ اندازے اور خاص کر حجاز اور یمن کی آبادی کا اندازہ جو ترکی گورنمنٹ کی سند پر لگایا گیا ہے۔ اصل سے بہت زیادہ ہے۔ سارے جزیرہ نمائی کی بڑی سے بڑی آبادی ۸۰۰۰۰۰۰ نفوس ہوگی دلیس رجب تک جنوب مشرقی عرب اور حضرموت کا شمالی حصّہ ربع الخالی ہے۔ آبادی کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اس کے متعلق میں ہیوسٹون کے الفاظ بالکل برمحل معلوم ہوتے ہیں۔ کہ "جغرافی حد وجہ

کا اختتام مشنری کشش و کوشش کا آغاز ہوتا ہے۔

باب سوئم

عرب کا بیت المقدس (مکہ)

مشرقی دُنیا نہایت دھیمی رفتار سے چلتی ہے۔ پندرہ سال ہوئے کہ جدہ میں پہلے پہل شیمر جاری ہوئے۔ اب سُنا جاتا ہے کہ جدہ سے مکہ تک ایک ریلوے بنانے کی تجویز زیر غور ہے۔ ریلوے کے تمام حصہ داران مسلمان ہی ہونگے۔ یروشلم کی مثال دیکھکر ہم یہ رائے قایم کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ اس صدی گذرنے سے پہلے مکہ کا سفر برلن کے سفر سے زیادہ دشوار نہیں رہیگا۔ برٹن (۱۸۵۵ء)

ہمارے اونٹ آہستہ آہستہ چلے جارہے تھے لیکن جب مکہ کے سوداگر نے سُنا کہ جو اجنبی ساربانوں کے ساتھ ہے۔ وہ نصرانی ہے۔ تو وہ چلایا "واغضب۔ ان علاقوں میں نصرانی آگیا" اور اُس نے مذہبی جوش میں آکر پکارا "اس کے باپ پر لعنت کرے" اور اُس نے میری طرف ایسی صورت بناکر ٹکٹکی باندھی جو قرآن کے مقابل تھی۔ ڈوٹی (۱۸۸۸ء) قرآن میں لکھا ہے۔ اور بہت سی حدیثوں سے اسکی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ ملک جو پیغمبر صلعم کی تولدگاہ اور آنجناب کی مزار پاک کے ارد گرد ہے کافروں کے لئے ممنوع ہے۔ "اے ایمان والو۔ صرف وہ لوگ ناپاک ہیں جو خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک گردانتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کو اس سال کے بعد بیت الحرام کے پاس نہ پھٹکنے دو" (سورہ توبہ ۲۷) یہاں اتنا ہی بتادینا کافی ہے کہ بیت الحرام کو رسول صلعم کی تولدگاہ۔ یا آنجناب کے مزار پاک سے کوئی تعلق نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں!

محمدؐ (حضرت سرور کائنات نے) مکہ کی بابت فرمایا وہ تو کیسا مقدس شہر ہے۔ اگر میرے ہی قبیلہ کے لوگ مجھکو تجھ سے خارج نہ کرتے۔ تو میں سوائے تیرے کہیں بھی سکونت اختیار نہ کرتا۔ انسان نے نہیں۔ خود خدا نے مکہ کو مقدس بنایا ہے۔ اور جب تک میری اُمت کے لوگ مکہ کی حُرمت کرینگے وہ اس اور اگلے جہان میں محفوظ رہیں گے"۔ (مشکواۃ کتاب ۱۹۔ باب ۱۵) چونکہ مکہ ہی کعبہ ہے لہذا اس کو مقدس کہا گیا ہے۔ (مترجم) مکہ اور مدینہ کی مقدس حدود نہ صرف کافروں کے لئے بند ہیں۔ بلکہ ایمان والوں کو بھی حکم ہے کہ ان کے نفوس کا خیال رکھیں۔ شرع کے بموجب حرمین کے اندر یا اُس کے پاس لڑنا گھاس وغیرہ کاٹنا اور کوئی شکار مارنا ممنوع ہے۔ بعض فقیہ کہتے ہیں کہ یہ قانون مدینہ پر عاید نہیں ہوتا۔ مگر دوسرے فقیہ اُس مقام کو جہاں آں جناب کا مزار پاک ہے۔ ایسا ہی مقدس بتاتے ہیں۔ جیسا کہ اُس شہر کو جس میں آں حضرت سرور کائنات تولد ہوئے۔ اس مقدس علاقہ کے حدود بھی غیر معین ہیں۔ عبدالحق کہتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کعبہ کی از سر نو تعمیر کرتے وقت سنگ اسود رکھا تو اُس کے مشرقی۔ مغربی۔ شمالی۔ اور جنوبی کنارے روشن ہو گئے۔ اور جہاں تک روشنی پہونچی وہاں تک کی زمین پاک ہوگئی۔ ان حدود پر اب ستون استادہ ہیں۔ مگر جدہ اور جنیبر تا کی سڑک پر کوئی نہیں۔ اسی لئے حد سے متعلق ابھی تک اختلاف ہے۔

مدینہ کا مقدس علاقہ جبل عیر سے لے کر بساور تک طول میں دس بارہ میل ہے۔ ان دو مرکزوں کے باہر حجاز کا تمام صوبہ کافروں کے لئے کھلا ہے۔ مگر صدیوں کے جہالانہ تعصب نے مکہ اور مدینہ کے گرد و نواح کے علاقہ کو کافروں پر بند کر رکھا ہے۔ اس میں صرف مسلمان ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ جدہ میں عیسائی رہتے ہیں۔ مگر اگر مکہ کے مُلا نے وہاں رسوخ حاصل کر لیں تو کوئی عیسائی سوداگر یا کونسل وہاں ایک دن کے لئے بھی نہ ٹھہر سکے۔

سالانہ حج بیت اللہ اور اسلامی دنیا کے مقدس ترین مقامات کے دیکھنے کے متعلق جو قیود کافروں پر لگی ہوئی ہیں۔ اون کے باوجود بیسیوں جانباز سیاح اون مقامات میں داخل ہوتے ہیں۔ اور جاہلوں کے تعاقب سے صاف بچ کر نکل آتے ہیں۔ اور اونہوں نے اپنی سیاحت کی سرگذشت سنائی ہے۔ چند سیاحوں نے اس کوشش میں پچھلے سالوں میں بھی ہیں اپنی جانیں گنوائی ہیں۔ ڈوٹی کہتا ہے ۱۸۷۸ء کے موسم میں ترک سپاہیوں نے ایک عیسائی کو جو مدینہ کی حدود میں دیکھا گیا۔ تلوار کی گھاٹ اوتار دیا۔ ایک دفعہ برٹن بصد مشکل قتل ہونے سے بچا۔ لوگوں نے اُس پر شک کیا کہ یہ کافر ہے۔

جدہ جو مکہ کا بندرگاہ ہے۔ اس مقدس شہر سے بفاصلہ ۶۵ میل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر حاجی یہیں اُترتے اور یہیں چڑھتے ہیں۔ سمندر سے اس کا نظارہ نہایت دلفریب ہو۔ مکانات سفید رنگ کے ہیں۔ اور چار منزلہ ہیں۔ شہر کے گرد ایک فصیل ہے۔ اور فصیل کے پاس چھ ہوائی چکیاں ڈچ نمونہ کی بنی ہوئی ہیں۔ تاہم شہر کی گلیاں تنگ اور سخت گندی ہیں۔ وہ نظارہ جو سمندر سے ایسا دلفریب تھا۔ ساحل پر آکر بالکل فراموش ہو جاتا ہے۔ اس شہر کی صفائی کا انتظام ازبس خراب ہے۔ بدبو سے ناک میں دم آتا ہے۔ پانی کی بہم رسانی کا انتظام بہت ہی بُرا ہے۔ اور بارش کے بعد اکثر بخار نمودار ہو جاتا ہے۔ شہر کی آبادی ۲۰۰۰۰ سے زیادہ نہیں۔ یہ شہر کبھی تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ مگر اب تو تجارت کا بُرا حال ہے۔ نہر سویز کے کھل جانے سے جدہ اور بحیرہ قلزم کے دیگر بندرگاہوں کی تجارت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اہل مکہ کی طرح جدہ کے لوگوں کا بھی زیادہ تر گذارہ حاجیوں پر ہے۔ وہ بھٹیاروں۔ باجہ نوازوں۔ راہبروں۔ ساہوکاروں۔ تجاران۔ علماؤں اور حاجیوں کو براہ خشکی لیجانے کا کام کرتے ہیں۔

۱۸۹۳ء میں جو حاجی براہ سمندر جدہ پہونچے۔ ان کی تعداد ۹۲۶۲۵ تھی۔ ۱۸۸۰ء میں مسٹر بلنٹ نے کل حاجیوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔ اور اُس نے تحقیقات کرنے کے بعد معلوم کیا تھا کہ براہ خشکی آنے والے قافلے دن بدن کم ہو رہے ہیں۔

جدہ میں داخل ہونے سے پہلے حاجیوں کو کامراں میں دس دن کے لئے قرنطینہ میں رہنا پڑتا ہے۔ کامراں عرب کے مغربی ساحل پر ایک جزیرہ ہے۔ اور حاجیوں کا پہلا دشمن ہے۔ حاجی جدہ میں چند روز رہ کر اپنے مطوف کے ساتھ مکہ کیطرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

۱۸۸۰ء کی حاجیوں کی فہرست

(منقول از فیوچر آف اسلام مصنفہ مسٹر بلنٹ)

حاجیوں کی قومیت عثمانی رعایا (عرب کے بغیر)	براہ سمندر پہونچنے والوں کی تعداد	براہ خشکی پہونچنے والوں کی تعداد	کل تعداد اُس ملک کے مسلمانوں کی جہاں سے حاجی آئے
مصری رعایا۔	۸۵۰۰	۱۰۰۰	۲۲۰۰۰۰۰۰
بربر	۵۰۰۰	۱۰۰۰	۵۰۰۰۰۰۰
یمن کے عرب	۶۰۰۰	۰	۱۸۰۰۰۰۰۰
عمان اور حضرموت	۳۰۰۰	۰	۲۵۰۰۰۰۰
حجاز بمعہ مکہ	۳۰۰۰	۲۳۰۰۰	۸۰۰۰۰۰۰
نجد	۰	۵۰۰۰	۳۰۰۰۰۰۰
سوڈان	۰	۰	۴۰۰۰۰۰۰
زنجبار	۲۰۰۰	۰	۱۰۰۰۰۰۰۰
راس امید	۱۰۰۰	۰	۱۵۰۰۰۰۰
ایران	۱۵۰	۰	۰
ہندوستان	۶۰۰۰	۴۵۰۰	۸۰۰۰۰۰۰
ملایا اور جاوا	۱۲۰۰۰	۰	۴۰۰۰۰۰۰۰

چین۔	۱۲۰۰۰	۰	۳۰۰۰۰۰۰۰
منگولیا۔	۱۰۰	۰	۱۵۰۰۰۰۰۰
روسی تاتار وغیرہ۔	۰	۰	۹۰۰۰۰۰۰
افغانستان بلوچستان۔	۰	۰	۵۰۰۰۰۰۰
			۳۰۰۰۰۰۰
	۶۱۷۵۰	۳۱۵۰۰	
	۹۳۲۵۰		۱۷۵۰۰۰۰۰۰

جدہ اور مکّہ کے درمیان سڑک ویران اور سخت بدمزہ ہے۔ نصف راستہ پر الحدہ ہے۔ جہاں سڑک تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک شاخ طائف کی طرف جو بڑا سرسبز ہے جاتی ہے۔ دوسری مکہ کیطرف جس کا پرانا نام بکہ تھا جو کچھ مسلمان مورخ مکہ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ اگر اس کا نصف حصہ بھی درست مان لیا جاوے۔ تو مکہ بجائے خود ایک علوم و ہنر کا مرکز اور دنیاوی خوشی کا مسکن و مامن ہے۔ شہر کا محل وقوع اچھا نہیں۔ یہ ایک ایسی ریگستانی وادی میں آباد ہے۔ جہاں سبزی کا نام تک نہیں۔ اور چاروں طرف خشک پہاڑ حائل ہیں۔ جنہیں درخت یا جھاڑی کا پتہ نہیں ملتا۔ یہ وادی ۳۰۰ فیٹ چوڑی اور ۴۰۰ فیٹ لمبی ہے۔ کعبہ یا بیت اللہ وادی کے درمیان واقعہ ہے۔ اور اس کے ارد گرد تمام مکانات بنے ہوئے ہیں۔ مکانات سیاہ پتھر کے ہیں۔ اور بہت بلند ہیں۔ گلیوں پر فرش نہیں کیا ہوا ہے۔ گرمی میں گرد و غبار اور بارش میں سیاہ کیچڑ سخت تکلیف دیتا ہے۔ یہ بات بڑی تعجب خیز ہے کہ اگرچہ شہر اور کعبہ چند دفعہ طغیانی کے باعث خطرہ میں رہے ہیں۔ مگر پھر بھی شہر میں پانی کی قلت ہے۔ بارش کا پانی جمع کرنے کے لئے کافی حوض موجود نہیں ہیں۔ اور کنوؤں کا پانی نمکین ہے۔ مشہور آفاق چاہ زمزم میں ویسے تو پانی کی کثرت ہے۔ مگر اس کا پانی پینے کے قابل نہیں۔ (کچھ عرصہ ہوا بعض عیسائی ڈاکٹروں نے یہ فتوے دیدیا تھا۔ مگر اُن کے ہم مذہب بھی زیادہ تر قابل اعلاق ڈاکٹرو

نے پانی کا امتحان کر کے نہ صرف اُن ڈاکٹروں کی تردید کی۔ بلکہ کہا کہ اس پانی سے کئی بیماریاں رفع ہوسکتی ہیں۔ بیت شیم) ارغاتستکے پاس سے ایک نہر آتی ہے۔ اس کا پانی اچھا ہوتا ہے۔ مگر بڑی گراں قیمت پر بکتا ہے اس پانی کے فروخت سے شریف مکہ کے خزانے مال و دولت سے معمور ہو جاتے ہیں۔ شریف مکہ اکثر برائے نام مگر بعض موقعوں پر ملک کا اصلی گورنر ہوتا ہے۔

شریف حجاز کے سیدوں میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ یا وہ شخص قوت سے لیتا ہے جس کے بازو میں زور ہو۔ اس عہدے کی تقرری کی منظوری سلطان روم سے لیجاتی ہے۔ شہر کے نزدیک قلعہ پر سلطانی فوج فابض ہے مسجد الحرام جس میں کعبہ یا بیت اللہ ہے اسلامی دنیا کا قبلہ ہے۔ اور اس کے لئے ہر سال ہزارہا حاجی آتے ہیں۔ مسلمان مورخوں کے قول کے مطابق دنیا کی پیدائش سے ۲۰۰۰ سال قبل یہ عمارت عرش پر بنائی گئی تھی آدم جو سب سے پہلا آدمی ہے۔ اُس نے عرش کے نمونہ پر زمین پر ٹھیک اُسی جگہہ جہاں کہ اب یہ ہے۔ کعبہ بنایا۔ ۷۰۰۰۰ ہزار فرشتے جو اس خانہ خدا کی حفاظت پر مقرر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ بڑے کام چور ہیں۔ کہ اتنی دفعہ حادثات زمانہ اور انسانوں نے اُسے نقصان پہنچایا۔ مگر انہوں نے اُس کو ذرا بھی نہ بچایا۔

اس کو طغیانی نے گرا دیا۔ اور اسمعیل اور ابراہیم نے پھر اس کو بنایا۔ اس کی تعمیر اور تاریخ کے متعلق بے شمار روایتیں ہیں۔ کعبہ کے معنی مکعب کے ہیں۔ مگر یہ عمارت نام کے مطابق نہیں بنی ہوئی ہے۔ مگر چونکہ اس پر سیاہ جامہ چڑھا رہتا ہے۔ ننگی آنکھ سے یہ نقائص معلوم نہیں ہو سکتے۔ کعبہ خاص ایک مستطیل میدان پر ۲۵۰ قدم لمبا اور ۲۰۰ قدم چوڑا ہے واقع ہے۔ اس خالی میدان کے اردگرد طالب علموں اور حاجیوں کے آرام کے لئے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان کمروں کے گرد ایک پرانی دیوار جس میں ۱۹ پھاٹک لگے ہیں۔ اور چھ مینارے بنے ہیں۔ مسجد کعبہ سے بہت

ویر لعبد بنی ہے۔ کعبہ تو محمدؐ (حضرت سرور کائنات) کے زمانہ سے بہت پہلے بت کدہ بنا ہوا تھا۔ مسجد الحرام اور کعبہ کے متعلق قیمتی چیزیں یہ ہیں۔ سنگ اسود۔ چاہ زمزم۔ منبر۔ زینہ۔ مقام ابراہیم۔ مصلیٰ، ... اور قطبین۔ یہ صائب اور عباس کی دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں۔ باقی میدان پر فرش کیا ہوا ہے۔ اور چار فرقوں کے آدمی اس پر نماز پڑھتے ہیں۔

کوئی شک نہیں سنگ اسود مکہ کا سب سے قدیمی خزانہ ہے۔ قدیم زمانہ میں عرب کے لوگ پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جزیرہ نما کے بعض حصص میں اب تک بھی یہ رسم پائی جاتی ہے۔ دوسری صدی مسیح میں میکسیمس ٹائریس نے لکھا "میں نہیں جانتا۔ عرب کے لوگ چوکونہ پتھر کی تعظیم کس دیوتا کے نام پر کرتے ہیں"۔ قدیم ایرانیوں کے قول کے مطابق یہ پتھر عرش اعلیٰ سے برف کی طرح سفید نازل ہوا تھا۔ ایک روایت کے مطابق تو یہ ہے۔ کہ ایک گناہ گار عورت نے اسکو ہاتھ لگایا۔ اور یہ سیاہ ہو گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہزار ہا مومنوں کے بوسہ دینے سے یہ سیاہ ہو گیا۔ اس پتھر کی بڑی شہرت اس واسطے ہے کہ اسکو آسمان سے نازل ہوا خیال کیا جاتا ہے۔ مسلمان مورخ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ قبل از اسلام اس پتھر کی پوجا ہوتی تھی۔ مگر اس پتھر کے متعلق اپنے نبی کا رجحان دیکھ کر انہوں نے یہ بات گھڑی ہے کہ آدم سے لے کر آنحضرتؐ تک ہر ایک پیغمبر کا اس پتھر سے تعلق رہا ہے (عجیب کوڑ مغز آدمی ہے۔ کہ ڈوائیٹن تھا تھا کر آفتاب رسالتمآب پہ چوٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چاند کا تھوکا ہمیشہ منہ پر پڑتا ہے۔ مترجم)

یہ پتھر آتش فشاں پہاڑ کے پتھر کی طرف سیاہ ہے اور اور کھردرا ہے۔ مگر صدیوں کے چھونے سے صاف ہو گیا ہے۔ یہ پتھر زنجیر سے جکڑا ہوا ہے۔ اور کعبہ کے جنوبی کونہ میں زمین سے

پانچ فیٹ بلند رکھا ہوا ہے۔ یہ بات عام طور پر معلوم نہیں کہ ایک اور پتھر بھی کعبہ میں رکھا ہوا ہے۔ اسکو رکن الیمن کہتے ہیں۔ حاجی لوگ اس کو بھی بوسہ دیتے ہیں۔ مگر حکم یہ ہے کہ صاف دائیں ہاتھ سے اس کو چھودیں۔

چاہ زمزم مقام حنبلی کے نزدیک واقع ہے۔ اس کنوئیں پر جو عمارت ہے وہ سنہ ۱۰۷۳ء میں تیار کیگئی تھی۔ اور اس کے اندر سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ چاہ زمزم کی بدولت اہل مکہ کو بڑی معقول آمدنی ہو جاتی ہے پانی کو مٹی کے کوزوں میں بند کرکے گلیوں اور مسجد میں فروخت کرتے ہیں۔ حج کے دنوں میں لوگ انبوہ در انبوہ اس کنوئیں کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ اور اہل مکہ کی چاندی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کنوئیں میں سے سوائے ان کے اور کوئی پانی نہیں نکال سکتا۔

مکہ کا حج ماہ ذوالحجہ میں کیا جاتا ہے۔ ہر ایک مسلمان پر اگر وہ مفلس یا بیمار نہ ہو۔ یا کوئی اور معقول عذر نہ رکھتا ہو۔ حج فرض ہے۔ محمدؐ (آنجناب سرور کائنات) نے حج کو اپنے مذہب کا پانچواں رکن قرار دیا ہے۔ اور کوئی شک نہیں۔ اس کے ذریعہ دنیا کے مسلمانوں میں اتفاق واخوت کی روح پھونکی گئی ہے۔ حج بیت اللہ کے متعلق قرآن کا حکم یہ ہے "اور لوگوں میں حج کے لئے پکارو۔ کہ لوگ تمہاری طرف دوڑے چلے آئیں گے (کچھ) پیادے۔ اور (کچھ) ہر (طرح کی) دبلی دبلی سواریوں پر جو ہر راہ دور و دراز سے آتے ہوں گے۔ (سورہ ۲۲-۲۶) کوہ صفا اور کوہ مروہ خدا کے مقرر کئے ہوئے ادب گاہوں میں سے ہیں۔ تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر ان دونوں کے درمیان طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں ہے" (سورہ نمبر ۲-۱۵۳) حج کے خاص مہینے ہیں جو سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص ان مہینوں میں حج کی ٹھان لے۔ تو حج کے دنوں میں نہ عورتوں سے مباشرت کرے اور نہ گناہوں کی کوئی بات کرے۔ اور نہ کسی سے جھگڑے۔ × × × × × اگر تم (حج کے مشغول

میں) اپنے پروردگار کا فضل (مثلاً تجارت سے کوئی مالی فائدہ) حاصل کرنا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام میں ٹھہر کر خدا کی یاد کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور گنتی کے ان چند دنوں میں خدا کی یاد کرتے رہو۔ پھر جو شخص جلدی کرے اور دو دن میں چل کھڑا ہو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں" (سورہ ۲۰۲)

صرف قرآن سے فرائض حج کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا (اجی حضرت قرآن کو غور سے پڑھیئے تو یہ اعتراض کرنا تو درکنار نہ مدت کے مشرف بہ اسلام ہوئے ہوتے۔ مترجم) مگر خوش قسمتی سے مسلمانوں کے پاس رسول صلعم کی مثال موجود ہے۔ جو حدیثوں کے ذریعہ اون تک پہونچی ہے۔ اور جن میں حج سے متعلق ذری ذری سی باتیں بھی درج ہیں حج کا عام طریقہ یہ ہے۔ جب حاجی خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں۔ مکہ کے نزدیک پہونچتے ہی اپنا لباس اوتار کر حاجیوں کا جامہ پہنتے ہیں۔ یہ جامہ دو سفید چادروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک چادر کمر کے گرد باندھی جاتی ہے اور دوسری پشت پر پھینکی جاتی ہے۔ حاجی کھڑاویں پہن سکتے ہیں۔ مگر جوتا پہننے کی اجازت نہیں۔ سر ننگا رکھنے کا حکم ہے۔ (بت پرستی کے زمانہ میں کعبہ کا طواف کرتے وقت عرب کوئی کپڑا نہیں پہنتے تھے۔) مکہ کی طرف منہ کر کے حاجی تلبیہ پڑھتے ہیں۔ "اے اللہ میں یہاں ہوں۔ میں تیرے در پر کھڑا ہوں۔ میں یہاں ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیرے در پر کھڑا ہوں۔ سب حمد و ثنا تجھ کو ہی سزاوار ہے۔ تو ہی مالک کون و مکان ہے۔ اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں میں تیرے در پر کھڑا ہوں"

وضو کرنے کے بعد حاجی باب السلام کے راستے مسجد الحرام میں داخل ہوتے ہیں۔ اور کعبہ کے سات دفعہ دوڑتے ہوئے طواف کرنے کے بعد سنگ اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ (بت پرستی کے زمانہ میں ستاروں کی گردش کے خیال سے عرب ایسا کرتے تھے۔) پھر نماز ادا کی جاتی ہے۔

اور حاجی مقدم ابراہیم کیطرف جاتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم وہاں کھڑے ہوئے تھے۔

حاجی دعا مانگتے ہوئے اُسطرف بڑھتے ہیں۔ اس سے فارغ ہوکر چاہ زمزم کا پانی پیتے ہیں۔ اور پھر ایک دفعہ اور سنگ اسود کا بوسہ دیتے ہیں۔ پھر کوہ صفا اور کوہ مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں۔ باب الصفا کے راستہ مسجد سے نکلکر سورہ بقر کی ایک سو اٹھانویں آیت پڑھتے ہوئے پہاڑ پر چڑھتے ہیں۔ (کوہ صفا اور کوہ مروہ خدا کے مقرر کئے ہوئے آداب گاہوں میں سے ہیں) پہاڑ کی چوٹی پر پہونچکر کعبہ کیطرف مُنہ کرکے تین دفعہ پڑھتے ہیں۔ سوائے ایک خدا کے کوئی خدا نہیں۔ خدا بزرگ ہے۔ سوائے ایک خدا کے کوئی خدا نہیں۔ اُسنے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اُسنے اپنے بندہ کی مدد کی۔ اور کافروں کو بھگا دیا۔"

پھر وہ کوہ صفا کی چوٹی سے کوہ مروہ کی چوٹی تک سات دفعہ یہی کلمات پڑھتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ یہ بات چھٹے روز کیجاتی ہے۔ اُسی دن کی شام کو پھر حاجی کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اگلے دن خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ آٹھویں روز حاجی تین میل کے فاصلہ پر منےٰ کیطرف جاتے ہیں۔ جہاں آدم نے بہشت سے خارج ہونے کے بعد عبادت کی تھی رات بھر وہ وہیں ٹھیرتے ہیں۔ اگلے دن وہ کوہ عرفات کیطرف آتے ہیں۔ دوسرا خطبہ سنتے ہیں۔ اور رات ہونے سے پہلے مزدلفہ کو لوٹ آتے ہیں۔ یہ مقام منےٰ اور عرفات کے ٹھیک درمیان واقع ہے۔

اگلا دن حج کا بڑا دن ہوتا ہے۔ اُس دن تمام اسلامی دُنیا میں قربانی کی جاتی ہے۔ (یہ ایک عجیب بات ہے کہ جو مذہب مسیح کے کفارہ ہو جانے پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ خود کفارہ گناہ کے لئے قربانی کا حکم دیتا ہے۔ (افسوس مصنف کتاب اسلامی قربانی کی فلاسفی سے بالکل نابلد ہے مترجم) صبح کے وقت حاجی منےٰ کیطرف جہاں تین برج ہیں جاتے ہیں۔ اور اُن برجوں پر سات کنکریاں پھینکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اللہ

کے نام پر جو بڑا صاحب قدرت ہے۔ ہم شیطان اور اُس کے افعال سے نفرت کرنے کے اظہار میں ایسا کرتے ہیں۔"

پھر حاجی اپنی اپنی توفیق کے مطابق۔ بھیڑ۔ بکری۔ گائے۔ یا اونٹ کی قربانی کرتے ہیں۔ جانور کا منہ کعبہ کیطرف رکھا جاتا ہے۔ اور اللہ اکبر کہہ کر اُس کے حلق پر چھری چلائی جاتی ہے۔ اس رسم پر حج کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پھر بال اور ناخن کٹائے جاتے ہیں۔ اور احرام کی بجائے اپنے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ بعض اوقات گیارھواں۔ بارھواں اور تیرھواں دن بھی ایام حج میں شمار ہو جاتا ہے۔ ان دنوں کو ایام التشریق کہتے ہیں۔ کیونکہ ان دنوں میں گوشت کے ٹکڑے کر کے اسکو دھوپ میں خشک کیا جاتا ہے۔ تاکہ واپسی سفر میں کھانے کے کام آئے۔

مکہ کے حج سے فارغ ہو کر کئی مسلمان مدینہ کیطرف پیغمبر صلعم کے مزار پاک کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔ تاہم وہابی اسبات کو شرک سمجھتے ہیں۔ مگر دوسرے مسلمان آں جناب سرور کائنات کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ "وہ جو حج کو آیا اور میری زیارت نہ کی۔ اُس نے میری عزت نہ کی" اہل مکہ اپنے آپ کو خدا کے ہمسائے اور اہل مدینہ اپنے آپ کو رسول کے ہمسائے کہتے ہیں۔ ان دونوں شہروں میں مدت سے رقابت چلی آتی ہے۔ اِس رقابت سے کبھی کبھی نوبت بہ جنگ پہنچ جاتی ہے۔

جب ایک حاجی سب فرائض حج ادا کر چکتا ہے۔ تو وہ امیران حج کے پاس جاتا ہے۔ اور ایک سرٹیفکیٹ اِس غرض سے لیتا ہے کہ اپنے ہم ملکوں پر ثابت کر سکے کہ وہ حاجی ہے۔ بعض وقت ایک دوسرے آدمی کے لئے جو فوت ہو چکا ہے۔ یا امیر کبیر ہے اور بستر بیماری پر پڑا ہے۔ سرٹیفکیٹ لیا جاتا ہے۔ وہ شخص جو حج کرتا ہے۔ اُس کے حج کا ثواب اوس شخص کو ملتا ہے۔ جس نے اُس کے اخراجات حج ادا کئے ہیں۔ اور اُس نے سرٹیفکیٹ لیا ہے۔ سرٹیفکیٹ مختلف طرز

کے ہوتے ہیں۔ اون پر مقدس مقامات کی لباس کی تصویریں ہی ہوتی ہیں اور جابجا قرآنی آئتیں لکھی ہوتی ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ یہ سرٹفکیٹ قیمت پر ملتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہیں سوائے ہوا کے ہر چیز کی قیمت ہے۔ کسی دیانت دار مسلمان نے کبھی بھی اہل مکہ کی تعریف نہیں کی۔ علی بے وہاں کے مردوں کو شریر اور عورتوں کو بدچلن بتاتا ہے۔ ہرگرانج نہایت دلیری سے ان برائیوں پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ جو مقدس مقامات پر پائی جاتی ہیں۔ اور لکھتا ہے کہ کعبہ سے ایک پتھر کی سیٹک کے فاصلہ پر ہی غلاموں کی منڈی ہے۔ جو عربوں کی جہالت کا ثبوت دیتی ہے۔ برٹن اہل مکہ کے لئے لکھتا ہے کہ وہ مذہب کے نام پر روپیہ کماتے ہیں۔ اور دوسروں کے روپیہ پر اینٹھتے ہیں۔

اہل مکہ پرلے درجہ کے فضول خرچ ہیں۔ جس سہولت سے روپیہ کماتے ہیں اسی طرح بیدریغ خرچ کرتے ہیں۔ تنخواہ۔ وظیفہ۔ تحفہ و انعام واکرام نے اہل مکہ کو اہل مدینہ کی طرح حرام ہڈ بنا دیا ہے۔ اسراف انکی گھٹی ہیں داخل ہو گیا ہے۔ شادی۔ مذہبی مراسم اور خانگی ضروریات پر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ ان کے مکانات نہایت آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں۔ ضیافتوں کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ عورتیں اتنی فضول خرچ ہیں کہ سال ہیں ہزاروں پر پانی پھیر دیتی ہیں۔ حج کی آمدنی پر نازاں ہوکر اہل مکہ ساہوکاروں سے قرض پر قرض لیتے ہیں۔ اون ہیں بہت بڑی بات یہ ہے کہ مغرور ہیں۔ اور زبان ان کی سوٹی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بنی نوع انسان ہیں سے سب سے افضل واعلےٰ سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مکہ کے برخلاف ذرا بھی رائے زنی کرے۔ تو غصہ سے لال پیلے ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنا اعلےٰ النسل۔ کافروں کے اخراج۔ صوم وصلوٰۃ کی پابندی اپنے عالموں اور اپنی زبان کی شستگی و پاکیزگی پر از بس نازاں ہیں وہ ہر وقت فخر و غرور کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں۔ مگلی کو جیوں میں

فحش بولتے ہیں۔ اور گھروں میں تو ایسی زبان درازی کرتے ہیں کہ الامان!

عارضی شادیاں جوان کے برابر ہیں۔ مکہ میں عام طور پر ہوتی ہیں اور دلیسیوں کی روزی کے اسباب مہیا کرتی ہیں۔ غلط اور طلاق کا یہاں اتنا رواج ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں مسجد الحرام میں بھی لواطت اور اغلام کیا جاتا ہے۔ جب حاجی چلے جاتے ہیں اور لوگوں کے پاس روپیہ بافراط ہو جاتا ہے۔ تو مکہ کے مضافات عیاشی کے آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ ایسے ملک میں ضعیف الاعتقادی کا بڑھ جانا ضروری ہے۔ چنانچہ وہاں اسوقت مقدس مقاموں، مقدس پہاڑوں، مقدس درختوں۔ اور مقدس مکانوں کی کوئی انتہا نہیں۔ مکہ کے لوگوں میں جہالت اور گمراہی عام طور پر پائی جاتی ہے۔

موجودہ سائنس پر قہقہہ لگایا جاتا ہے۔ جنوں، چڑیلوں اور بری نظر کو منتروں کے ذریعہ ہٹایا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس مقدس مقام میں اسلامی دنیا کی ساری ضعیف الاعتقادی پائی جاتی ہے۔ علم ہئیت کی جگہ ابھی تک علم نجوم و رمل کا زور ہے۔ چاند نکلنے یا چاند گرہن ہونے سے پہلے ان کی تاریخ بتانا جادوگری سمجھا جاتا ہے۔ حکیم، طبیب ابھی تک جھوٹ منتر پر بھی زور دیتے ہیں۔ کیمیا گری کا خبط عام ہے۔ تاریخ و جغرافیہ سے تو یہ لوگ محض نابلد ہیں۔

ایک دفعہ ایک بڑے ملا نے ہرگروہنجی سے پوچھا۔ "ماسکو (روس) سے اندلس (اسپانیہ) تک قافلہ کتنے دنوں میں پہنچتا ہے؟"

چند سالوں سے مکہ میں بھی ایک سرکاری پریس جاری ہوا ہے۔ اور ایک سرکاری گزٹ بھی شائع ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں کو تعصب نے یہاں تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ ترکوں کے علم و تہذیب کو بھی مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ترک کافر ہیں کفر کے علوم سیکھتے ہیں۔ فوٹوگرافی سخت ممنوع سمجھی جاتی ہے۔ اور اگر روپیہ پیسہ پر بادشاہ کا بت (یعنی تصویر)

تو استغفر اللہ پڑھتے ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہ قدیم یورپین سکوں کو جادو منتر سے بھی زیادہ موثر سمجھتے ہیں۔ ایک پرانا سکہ مثلاً نقش و اسکے لئے بہترین تصویر خیال کیا جاتا ہے۔

ہرگرونجی لکھتا ہے "یہ ایک عجیب بات ہے کہ مکہ کی مسلمان عورتیں جو بتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ اور مسیح کی پرستش پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں۔ ان سکوں کو اپنے گلے کا ہار بناتی ہیں۔ جن پر مسیح کا بت ہے۔" اس میں شک نہیں کہ ان عورتوں کو یہ معلوم نہیں کہ ان سکوں پر کیا لکھا ہے۔ اور یہ بیل بوٹے کیا ہیں۔

مکہ میں سکولوں کی کثرت ہے۔ مگر تعلیم نہیں ہر ایک چیز قیاسی فیشن میں کی جاتی ہے۔ جو کچھ بھی تعلیم ہوتی ہے۔ وہ قرآن کی ہے۔ بچوں کو قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ سمجھانے کے لئے نہیں۔ بلکہ جنازوں۔ ضیافتوں وغیرہ میں پڑھنے کے لئے۔ موجودہ سائنس یا تاریخ کا تو ذکر تک نہیں کرتے۔ اور مکہ کے اعلیٰ سکولوں میں بھی یہ مضامین اچھی طرح نہیں پڑھائے جاتے صرف و نحو۔ علم کلام۔ خوشخطی۔ تاریخ عرب۔ ابتدائی حساب۔ مگر خاص کر قرآن اور حدیث محمڈن کالج کے نصاب میں داخل ہے۔ مکہ کے سکولوں میں پڑھانے کا طریقہ جو سارے عرب میں بہترین ہے یہ ہے۔ کہ ذہین لڑکوں کو پہلے کاٹھ کی تختیوں پر حروف تہجی سکھائے جاتے ہیں۔ سلیٹوں کا رواج نہیں پھر اسکو ابجد پڑھائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اسکو اللہ کے ترانوے نام لکھنے اور قرآن کا پہلا سپارہ پڑھایا جاتا ہے۔ پہلے سپارہ کے بعد دو آخری سپارے پڑھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ چھوٹے ہیں! پھر استاد شاگرد کو قرآن بہ آواز بلند پڑھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ تلفظ اور وقفوں کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے۔ مگر مطلب بالکل نہیں سمجھایا جاتا۔ قرآن ختم کرنے کے بعد طالب علم ابتدائی صرف و نحو شروع کرتا ہے۔ پھر منطق حساب۔ الجبرا۔ معنی و بیان۔ فقہ۔ عقائد۔ تفسیر۔ علم الاصول اور سب سے آخر میں علم حدیث پڑھتا ہے۔ تعلیم لیکچروں کے ذریعہ دیجاتی ہے۔ مقررہ

کتب کا رواج بہت کم ہے۔
تعلیم صبح سے لیکر چند گھنٹوں تک جاری رہتی ہے۔ سہ پہر کو بھی
ہوتی ہے۔ مگر نماز کیوقت بند کر دی جاتی ہے۔ مکہ میں بھی عمدہ درسگاہ
مسجد کا صحن ہے۔ اور سست لڑکے مسجد میں پڑھنے سے خوش ہوتے ہیں
کیونکہ نماز کے وقت ان کو پڑھنے سے فراغت ملجاتی ہے۔

باب چہارم
عرب کا مقدس شہر (مدینہ)

اس شہر کے حدود کے اندر تمام گناہ سخت ممنوع ہے۔ مگر مختلف
فرقوں نے اس مخالفت کے مختلف درجے مقرر کئے ہیں۔ بطور مثال امام مالک
کی رائے ہے کہ مدینہ کے نزدیک تین میل تک کوئی پائخانہ نہ ہونا چاہیئے
اور اس حد کے اندر جنگلی جانوروں کے مارنے کی بھی مخالفت کرتا ہے۔
مگر ارتکاب جرم کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں کرتا۔ تمام اسلامی عالموں نے
ان حدود کے اندر سوائے حملہ آوروں۔ کافروں اور مشرکوں کے قتل کرنے
شراب پینے۔ اور ناپاک زندگی بسر کرنے کی سختی سے مخالفت کی ہے
اس شہر کے تقدس اور یہاں کے لوگوں کی تعریف میں کئی حدیثیں ہیں
اور ان لوگوں کے لئے جو شہر کو یا اہل شہر کو خراب کریں سخت دردناک
عذاب مقرر ہے۔ برٹن۔

مکہ سے بجانب جنوب مشرق ستر میل کے فاصلہ پر خوبصورت چھوٹا
سا قصبہ طائف ہے۔ اس قصبہ کیطرف وہ پاشا جلا وطن کئے گئے تھے
جن پر سلطان عبدالعزیز کے قتل کا الزام عائد تھا۔ تمام عرب میں یہ قصبہ

بڑا ہی خوبصورت اور دلفریب ہے۔ باغوں اور انگور کی بیلوں سے
گھرا ہوا ہے۔ اور مدت سے مکہ کو اپنی پیداواروں سے مستفیض
کر رہا ہے۔ طائف میں موسم برسات چار ہفتوں سے لیکر چھ ہفتوں
تک رہتا ہے۔ اور جب بارش کے دن نہیں ہوتے کنوؤں کے پانی
باغوں کو سیراب کرتے ہیں۔ چونکہ طائف ضلع مکہ کے پاس ہے۔ یہ
حاجیوں کے لئے بہشت ہے۔ اور یرقان اور تپ کے مارے ہوئے
مکیوں کے لئے سایۂ رحمت ہے۔

ڈوٹی لے طائف میں زمانہ جہالت کے تین بت دیکھے۔ العزا
جو بیس فیٹ اونچا تھا۔ عبان۔ اور لات۔ یہ بت پہلے عربوں کے
خدا تھے۔ اور اب وہ مٹی میں پڑے خراب ہو رہے ہیں۔ مگر انکا ہمعصر خدا
سنگ اسود گرد ہٹتے بندگان خدا کی تعظیم کا مرکز بنا ہوا ہے۔

مکہ سے جو سڑک المدینہ کیطرف جاتی ہے۔ وہ کسی قدر شمال رو ہے
ان دونوں رقیب شہروں کے درمیان جو علاقہ ہے۔ وہ غیر آباد اور
ویران ہے۔ قافلوں کے لئے دو راستے سفر ہیں۔ حاجی دونوں کا
استعمال کرتے ہیں۔ مگر مشرقی راستہ پر زیادہ آمد و رفت ہوتی
ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان جو علاقہ ہے وہ قدیم شاعروں
کا گھر ہے۔

المدینہ جس کا قدیم نام یثرب ہے۔ اب اسکو المنورہ بھی کہتے ہیں
اور دیندار مسلمان اس بات کے مدعی ہیں۔ کہ جب وہ شہر کے پاس پہنچتے
ہیں تو مساجد اور مکانات پر نور الٰہی نازل ہوتا دیکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ شہر
مکہ کا نصف ہے۔ اور اسکی آبادی کل ۱۶۰۰۰ نفوس کی ہے۔ تاہم اس
ہیں بھی مکہ کے برابر توہمات پائے جاتے ہیں۔ شہر کے تین بڑے حصے
خاص شہر۔ قلعہ۔ اور مضافات۔ شہر کے گرد ایک فصیل چالیس فیٹ بلند
بنی ہے۔ گلیاں اسکی تنگ اور کچی ہیں۔ مکانات دو منزلے اور چھتیں
ان کی چپٹی ہیں۔

مکہ اور مدینہ میں مدت سے تنازعہ ہے کہ ان میں زیادہ وقعت کس کو حاصل ہے۔ مکہ جانے کو زیارت اور مکہ جانے کو حج کہتے ہیں۔ حج قرآن کے حکم کے مطابق فرض ہے۔ اور زیارت حدیثوں کے رو سے ضروری ہے۔ سُنی حنفی مسلمان کہتے ہیں کہ کعبہ کیطرح رسول صلعم کی مزار پاک کا طواف درست نہیں۔ احرام کی ضرورت نہیں۔ اور مزار کو بوسہ دینا چاہئیے نہیں۔ مگر مزار پر سجدہ کرنا اور اسکی مٹی تبرک کرنا۔ جیسا کہ وہابیوں نے کیا تھا ان کے نزدیک کفر ہے۔ برٹن لکھتا ہے:

"مسلمان بالاجماع بیت اللہ کی فضیلت تمام دُنیا پر مانتے ہیں۔ اور مدینہ کو مکہ کے ہر حصہ سے زیادہ قابل تعظیم بتلاتے ہیں۔ لہٰذا اُن کے نزدیک مدینہ سوائے بیت اللہ کے دُنیا بھر میں افضل ترین ہے۔ ان کی یہہ رائے دونوں شہروں میں سے کسی ایک کی طرفداری کی وجہہ سے نہیں۔"

مدینہ کے تقدس کی بڑی وجہہ یہ ہے کہ وہاں آں حضرت کا مزار مقدس ہے۔ اور اگرچہ سارے مسلمانوں کو اسبات کا یقین ہے کہ آنجناب وہیں مدفون ہیں۔ مگر اس میں شک ہے کہ آیا آنحضرت اُس مسجد میں مدفون بھی ہیں یا نہیں۔ چنانچہ اس شک کی تائید میں کئی دلائل ہیں (مصنف نے فٹ نوٹ میں بڑا زور اسبات پر دیا ہے کہ آنجناب کی تجہیز و تکفین کے متعلق شیعہ اور سنت والجماعت میں اختلاف ہے۔ فلاں سال زلزلہ آیا۔ فلاں سن میں یہ حادثہ ہوا۔ وغیرہ۔ مگر یہ عقل کا اندھا یہ نہیں سوچتا کہ اگر آں حضرت وہاں مدفون نہ ہوتے۔ تو مسلمانوں کو کیا غرض تھی کہ اُس جگہہ کو آں حضرت کا مدفن بناتے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے نہ کہ مذہبی۔ اور ایک ایسے تاریخی واقعہ پر جسکو ہزاروں سالوں سے تمام مسلمان اور عیسائی مانتے آئے ہیں۔ اور جس واقعہ کو مسلمان اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔ اُس پر ایک عیسائی پادری کا شک کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ مترجم) یہ دلائل اگرچہ اتنے بڑے لیے

خیال کے مقابلہ میں چنداں قابل وقعت نہ سمجھے جائیں گے۔ مگر اُن کی ثقاہت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور وہ دلوں میں ایک زبردست شک پیدا کردیں گے۔ کہ آیا اُس مزار میں محمدؐ (حضرت سرورکائنات) کا جسم مدفون ہے یا نہیں۔ بعض دیندار مسلمان کہتے ہیں کہ آں حضرت صلعم فوت نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنے مزار میں کھاتے اور پیتے ہیں۔ اور قیامت تک اسی حالت میں رہیں گے (یہ مصنف کی سراسر بخواس ہے۔ ہاں مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آں جناب کا روحانی فیض قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اسی خیال سے بہت سے مسلمان کہتے ہیں کہ آنجناب حیات ہیں۔ اور اصل بات بھی یوں ہی ہے کہ آنجناب حیات ہیں۔ کیونکہ آنحضرت کا چشمہ فیض بدستور جاری ہے۔ مترجم)

مدینہ کی مسجدالنبی ۴۲۰ فیٹ لمبی اور ۳۴۰ فیٹ چوڑی ہے۔ یہ شمالاً جنوباً بنی ہوئی ہے۔ اس کے درمیان بڑا صحن ہے جس کے اردگرد برانڈے ہیں۔ مغربی جانب سے روضہ میں داخل ہوتے ہیں۔ شمال اور مغرب کی جانب سے یہ باغ برانڈوں سے ملا ہوا ہے جنوب کی طرف ایک معمولی سی دیوار کھچی ہوئی ہے۔ اور مشرق کیطرف حجرے بنے ہوئے ہیں۔ باغ طول اور عرض میں ۵۰ فیٹ ہے۔ اور باقاعدہ مربع کی شکل میں بنا ہوا ہے۔ مسجد اور اُس کے درمیان ایک راستہ حائل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر تین قبریں ہیں۔ جو آہنی جنگلوں سے محفوظ ہیں۔ اور اون جنگلوں پر بھاری بھاری پردے آویزاں ہیں۔ حجرے کے چار دروازے ہیں۔ تین دروازے بند رہتے ہیں۔ جو کھلے ہیں سے صرف مہتمم خزانہ اور محنت جو جھاڑو دیتے ہیں لیمپ جلاتے ہیں۔ اور نذر نیاز اندر لے جا کر کہتے ہیں جا سکتے ہیں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کہ بہت سے مسلمان بزرگوں نے خواہش ظاہر کی کہ بچی ہوئی جگہ پر او نہیں مدفون کیا جائے۔ مگر محمدؐ آں حضرت سرورکائنات نے اون کی بات نہ مانی اور کہا کہ یہ جگہ حضرت

مسیح کی قبر کے لئے ہے۔

حجرے کا اندرونی نقشہ

شمال
مشرق — مغرب
جنوب

۴
۵
۳
۲
۱

(۱) آنحضرت صلعم
(۲) حضرت ابوبکر صدیق
(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ
(۴) حضرت فاطمۃ الزہرا
(۵) (حضرت مسیح کے لئے پڑی ہے)

یہ روائت کہ حضرت مسیح کے لئے ایک کفن بھی پڑا ہے۔ بالکل لغو معلوم ہوتا ہے۔

زیارت کے وقت فاتحہ اور درود پڑھا جاتا ہے۔ اور خاموشی کے عالم میں محمدؐ (آنحضرت سرورِ کائنات) کی پاک زندگی پر غور کیا جاتا ہے۔ اس درود اور فاتحہ کی ماہیت بتلانے کے لئے۔ یہاں جو کچھ (حضرت) فاطمہ (الزہرہ) کے مزار پر پڑھا جاتا ہے۔ نقل کیا جاتا ہے۔

وہ اے اللہ کے رسول کی دختر تجھ پر سلام ہو۔ اے تقدس مآب باعصمت تجھ پر رحمت ہو۔ اے عورتوں کی سرتاج تجھ پر برکت ہو۔ اے علی مرتضیٰ کی بیگم۔ حسن وحسین کی ماں کہ وہ دونوں شمس وقمر ہیں۔ لعل و بدخشاں ہیں۔ جوانان بہشت کے سردار ہیں۔ ایماندار وں کے آنکھوں

کی ٹھنڈک اور کلیجے کا سرور ہیں۔ تجھ پر انوار الٰہی نازل ہوں۔ وغیرہ وغیرہ ۔۔۔

رسول صلعم کے مزار پاک پر جو کچھ پڑھا جاتا ہے۔ وہ از سر تا پا تعریف ہی تعریف ہے۔ اگر وہ کے نجاشتہ زبان ان کلمات کو سن پاتا۔ تو خیال کرو وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ؟ (یہہ پاجی۔ آں حضرت سرور کائنات کے حالات زندگی سے بالکل بے بہرہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسے گندے الفاظ آنجناب کی شان میں استعمال کرتا ہے۔ کیا یہ الفاظ اس پاک وجود کے متعلق لکھے جاتے ہیں کہ سارے سرداران عرب آ کر کہتے ہیں کہ جو کچھ چاہو لو۔ مگر ہمارے بتوں کی مذمت چھوڑ دو۔ مگر وہ دنیا کی جاہ و حشمت پر تھوکتا تک نہیں۔ کیا یہ الفاظ اس برگزیدہ خدا کی شان میں لکھے جاتے ہیں۔ جو اپنے لوگوں کو وصیت کرتا ہے کہ میری تربت کو صنم نہ بنانا۔ میں اور تم بیچارگی میں برابر برابر ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ میں اسکا بندہ بھی ہوں اور رسول بھی۔ وہ محبّ خدا جس نے دونوں ہی میں زمانہ کی کایا پلٹ دی۔ کیا جس قسم کی تعریف چاہتا۔ اپنی زندگی میں ہی نہ کرا سکتا تھا ؟ یہ آنجناب کی تعلیم کا ہی اثر ہے۔ کہ مسلمانوں نے دیگر مذاہب والوں کیطرح آں جناب کو معاذ اللہ خدا۔ یا رسول سے بڑھ کر کچھہ نہیں بنایا ورنہ اگر آں جناب اپنی زندگی ہی میں اپنی پوجا اور پرستش کرانی چاہتے تو کوئی چیز بارج نہ تھی۔ مگر آں حضرت ایسا کیوں کرتے۔ وہ تو دنیا کو راہ ضلالت سے نکالنے آئے تھے۔ ولیس۔ مترجم)

اہل مکہ کیطرح اہل مدینہ کا گذارہ بھی حاجیوں پر ہے۔ مسجدوں کا مہتمم ایک ترک پاشا ہے۔ جو معقول تنخواہ پاتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی خزانچی۔ پہرہ دار۔ مجرا اور شیخ ملازم ہیں۔ مسجد کے خاکروب اور قلی سب کے سب مخنث ہیں۔ وہ لوگ جو مسجد نبوی میں ملازم نہیں ہیں بورڈنگ ہوس وغیرہ سے گذارہ چلاتے ہیں۔ بہت سے عہدہ داروں کو قسطنطنیہ اور قاہرہ سے تنخواہ ملتی ہے۔

مدینہ میں بھی مکہ کیطرح مخلوط النسل لوگ ہیں۔" ہرج اپنے ساتھہ نئے باب لاتا ہے۔" (یہ شخص شاید لندن۔ پیرس اور نیو یارک کے بازاروں کے خواب دیکھہ رہا ہے۔ مسلمان۔ علم۔ دولت حشمت۔ وجاہت۔ حکومت وغیرہ میں سب پیچھے ہیں۔ مگر عصمت۔ غیرت حمیت میں سب سے آگے ہیں۔ ایک ایشیائی یورپ میں جاتا ہے کئی فرنگیوں سے عشق اڑاتا ہے۔ اور آتی دفعہ ایک ساتھہ لے آتا ہے۔ اسلامی ممالک میں ایسا ہرگز نہیں۔ مترجم)

برٹن لکھتا ہے۔" یہہ کبھی باور نہیں ہوسکتا۔ کہ ایک شہر جہاں ترکی سپاہی مقیم ہیں۔ اور سیاح تجار بکثرت ہیں۔ اور لوگ حاجیوں کو لوٹ مار کر گذارہ کرتے ہیں۔ اس میں عربوں کے اعلےٰ اوصاف موجود ہوں مکی سیاہ رنگ ہیں۔ مدنی سفید رنگ ہیں۔ مگر اون کے دل اوتنے ہی سیاہ ہیں جتنے کے اون کے رنگ گورے ہیں۔"

مدینہ میں شراب بکثرت فروخت ہوتی ہے۔ مگر پوشیدہ طور پر (یہ شخص بالکل بکواس کرتا ہے۔ مترجم) مدینہ میں دو کالج ہیں جن کے ساتھہ کتب خانے بھی ہیں۔ اور کئی درسگاہیں ہیں۔

مدینہ کی آب وہوا بہ نسبت مکہ کے اچھی ہے۔ سردیوں میں سردی اچھے کڑاکے کی پڑتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے (آں حضرت) محمد صلعم نے فرمایا "جس شخص نے مدینہ کی سردی اور مکہ کی گرمی صبر سے برداشت کر لی اُس کے لئے بہشت میں جگہہ تیار ہے۔

مدینہ کی زیارت کرکے حاجی مکہ کیطرف آکر وہاں سے جدہ پہونچتے ہیں۔ یا مدینہ سے ینبو کیطرف جاتے ہیں۔ اور وہاں سے جہازوں پر بیٹھہ کر اپنے وطنوں کی راہ لیتے ہیں۔ مدینہ اور ینبو کے درمیان ۱۳۲ میل کا فاصلہ ہے۔ اونٹوں کی سواری ہو تو چھہ پڑاؤ کرنے پڑتے ہیں۔ مگر اگر سواری اچھی ہو۔ تو یہ مسافت دو دن میں بھی طے ہوجاتی ہے۔ عرب میں سلطان کی حکومت ینبو سے شروع ہوتی ہے۔ آگے

شمال کیطرف مصر کی حکومت ہو۔

ینبو شکل وشباہت میں جدہ سے ملتا ہے۔ اس میں ۴۰۰ یا ۵۰۰ مکانات ہیں۔ گلیاں گندی اور پانی کی قلت ہے۔ ۱۹۲۰ میں سٹیڈ یا جزیرہ نما کا دورہ کرتے ینبو میں پہنچا۔ اس کی بابت وہ لکھتا ہے:-

" ایک خراب دخستہ عرب بندرگاہ فصیل سے گھری ہوئی ہے " تاہم ینبو کی بندرا چھی ہے۔ پہلے زمانہ میں ینبو (ینبوع) ایک مشہور شہر اور بندرگاہ تھا۔

اس طرح عرب کے مقدس مقامات کا حج ختم ہوتا ہے۔ محمدی مذہب میں جو عزت اور وقعت مکہ اور حج کی ہے۔ اسکی بابت سٹینلی لین پول ارقام کرتا ہے:-

یہ سوال کیا جاتا ہے۔ کہ ایک بت شکن نے کعبہ کے طواف اور سنگ اسود کی تعظیم کو کس طرح گوارا کر لیا۔ حج کے جوارکان ہیں وہ ضعیف الاعتقادی کے الزام سے بچائے نہیں جا سکتے۔ مگر یہ بات سمجھنی آسان ہے کہ آں حضرت محمد (صلعم) نے یہ باتیں کیوں مان لیں × × × × وہ اپنے پیروؤں کو ایک جگہ جمع کرنے کے فوائد سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس لئے۔ انہوں (آنجناب) نے سنگ اسود کے متعلق یہ کہکر کہ یہ آسمان سے نازل ہوا ہے اس کی تعظیم اپنی امت کے دل میں پیدا کر دی۔ انہوں (آنجناب) نے حکم دیا کہ مسلمان کہیں ہوں۔ کعبہ کیطرف منہ کر کے نماز پڑھا کریں اور اس کے حج کا حکم دیا۔ مکہ مسلمانوں کی نظر میں وہی کچھ ہے۔ جو یروشلم یہودیوں کی نظر میں ہے۔ یہ شہر مسلمانوں کے دل میں یہ بات تازہ کر دیتا ہے۔ کہ وہ ان کے مذہب کا جھولا اور ان کے نبی صلعم کے بچپن کے زمانہ کی جائے بازی رہا ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کو بتاتا ہے کہ یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک ہی مذہب کے رشتہ میں منسلک ہیں۔ ایک ہی چیز کا ادب اور ایک ہی خدا کی پرستش کرتے ہیں ؟

باب پنجم

عدن اور اندرونی علاقے کی سیاحت

عدن ایک وادی ہے۔ جو سمندر سے گھری ہے۔ اسکی آب وہوا ایسی خراب ہے کہ دس دن کے اندر شراب خراب ہو کر سرکہ بنجاتی ہے۔ پانی تالابوں کا استعمال ہوتا ہے۔ نیز ایک نہر بھی ہے۔ جو دو فرسنگ لمبی ہے۔ ابن المجاور۔ سنہ ۱۲۳۰ء

عرب کا ملک بڑا بد قسمت ہے۔ کیونکہ اس کے ساحل بدنما اور بھدے سے ہیں۔ منظر اور آب وہوا کے لحاظ سے یمن تمام صوبوں میں سخت بد نصیب ہے۔ آباد عرب کے دو دروازے بالکل غیر آباد ہیں۔ سیاہ اور بے آب و گیاہ پہاڑوں کے منظر سے بڑھ کر اور کیا بڑا اشارہ ہوگا۔ جو عدن کی پشت پر واقع ہیں۔ اور سمندر سے نظر آتے ہیں۔ نہ کوئی گلزار ہے نہ کوئی سبزہ زار۔ جدھر نظر اٹھاؤ۔ ویرانی اور سنسانی اپنا بھیانک چہرہ دکھا کر ڈرا دیتی ہے۔

اب حدیدہ کا حال سنئے کہ اس سے بڑھ کر مضر صحت۔ گندہ۔ گرم کوئی شہر روئے زمین پر ہی نہیں۔ تاہم یہ دونوں مقامات عمدہ و خوشنما اور زرخیز و زرریز۔ آباد اور صحت بخش علاقے کے دروازے ہیں۔

عرب کے تمام صوبوں میں سے یمن اچھی طرح دیکھا بھالا صوبہ ہے۔ بیسیوں سیاح اسکی سیاحت کا لطف اٹھا چکے ہیں۔ تاہم بہت سے لوگ جو پی اینڈ او سٹیمر میں سفر کرتے ہیں۔ اور عدن میں اترتا ہے

ہی ٹھیرتے ہیں۔ جتنا کہ جہاز کو کوئلہ لینے میں لگانا پڑتا ہے۔ تو وہ سیاہ اور بدنما پہاڑوں کو دیکھکر کچھ بدمزہ سے ہوجاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ان ویرانیوں کے بعد تختہ گلزار کھلا ہوا ہے۔

یمن جانب شمال عدن سے لیکر عسیر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور جنوب مشرق غیر معین فاصلہ تک حضرموت کے اندر چلا گیا ہے۔ پہلے نقشوں میں یمن کا صوبہ عمان تک دکھلایا گیا ہے۔ ایک عرب مورخ (حضرت محمد (سرور کائنات) سے پہلے جو یمن کی حالت تھی اُسپر یوں لکھتا ہے:۔ اس کے باشندے مضبوط توانا اور تندرست ہیں۔ بیماری وبلا بیماری کا نام تک نہیں۔ زہریلے جانور اور درخت بالکل نہیں ہوتے۔ کوئی شخص بیوقوف نہیں۔ کوئی شخص اندھا نہیں۔ عورتیں ہمیشہ ہی شباب پر رہتی ہیں۔ آب و ہوا بہشت کی سی ہے۔ گرمی اور سردی میں ایک ہی پوشاک پہنی جاتی ہے۔ آتش فشاں پہاڑوں کا وہ گوشہ جسکو عدن کہتے ہیں۔ نامعلوم وقتوں سے یمن کا پھاٹک چلا آیا ہے۔

اس بات پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ کہ حزقیل پیغمبر نے مندرجہ ذیل الفاظ عدن کے متعلق ہی لکھے ہیں۔ "حران۔ چنیا۔ اور عدن شیبا اسور اور چلیمڈ کے سوداگر تیرے سوداگر ہیں" یہ مقام ازبس محفوظ کیا ہوا تھا۔ اور اس میں جو تالاب ہیں۔ یقیناً وہ قدیم حمیدیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ ۳۴۲ء میں قسطنطین کے سفیر نے عدن میں ایک گرجا تعمیر کیا۔ معتدبہ زمانہ تک عدن یمن کے عیسائی بادشاہوں کے زیر نگیں رہا ہے۔

پھر یہ اہل ابی سینا کے قبضہ میں آگیا تھا۔ پھر ایرانی اُس پر مسلط ہوئے۔ ۱۵۱۳ء میں اسوکرک نے اپنے پرتگیزی بہادروں کے ساتھ چار دن تک عدن کا محاصرہ رکھا۔ مگر انہوں اور بارود کے باوجود وہ اسکو تسخیر نہ کرسکا۔ مصر کے مملوک سلطان بھی شہر کو فتح نہ کرسکے۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے اسپر دھاوا کرکے اس کو فتح کرلیا۔ اور اسوقت

سے عدن انگریزوں کے ماتحت ہے۔ عدن اب انگریزی بستی ہے۔ تجارتی مرکز۔ اور جہازوں کی قیام گاہ ہے۔ اس کا قلعہ اتنا مضبوط و مستحکم ہے کہ دنیا میں ایسے بہت کم ہوں گے۔ عدن کو مضبوط اور محفوظ کرنے پر انجینئرنگ کا سامان زور لگا ہوا ہے۔ تار گھر سے لیکر لینٹ تک ایک چکر لگاؤ۔ تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ تری اور خشکی دونوں طرف سے عدن ناقابل تسخیر ہے یہ دوسرا جبل طارق بنا ہوا ہے۔ خالنائے کی حفاظت کے لئے کئی حفاظتیں بنی ہوئی ہیں۔ ان کے آگے فراخ گھاٹیاں پہاڑوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں سمندر کیطرف باٹریاں۔ برج۔ اسلحہ خانے۔ میگزینیں۔ اور بارکیں انگریزی جبروت و سطوت کا اظہار کر رہی ہیں۔ بندرگاہ میں سرنگیں لگی ہوئی ہیں اور بڑے بڑے پائے استون؛ کھڑے ہیں۔ ان تمام باتوں نے قدرتی حفاظتوں کے ساتھ مل کر عدن کو فوجی حفاظت کا اک نمونہ بنا دیا ہے۔

آباد جزیرہ نما بے قاعدہ بیضوی شکل کا ہے۔ مگر اس کا محیط پندرہ میل ہے۔ یہ جزیرہ نما در اصل پہاڑوں کا ایک مجموعہ ہے۔ ایک پہاڑی شیم شیم ۱۸۰۰ فیٹ بلند ہے۔ ان پہاڑیوں کے پتھر مختلف قسم کے ہیں۔ اور ان کے رنگ بھی مختلف ہیں۔ کوئی بھورا ہے کوئی سیاہ۔ سفید اور نرم پتھر بکثرت ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر ممالک غیر کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ پانی بڑا کمیاب ہے۔ اور بارش برسوں نہیں ہوتی۔ چونکہ وادی کا رقبہ بہت تھوڑا ہے بارش ہو بھی جائے تو سارے ہی وادی جھیل بنجاتی ہے۔ بارش کے موقعوں پر عدن کیمپ کے نزدیک جو تالاب ہیں۔ وہ بھر لئے جاتے ہیں۔ یہ تالاب سنہ ۶۰۰ء میں ایرانیوں نے بنائے تھے۔ شیخ عثمان سے ایک نہر کے ذریعہ بھی پانی لایا جاتا ہے۔ مگر زیادہ تر لوگ گورنمنٹ کے کارخانہ آب سے پانی لیتے ہیں۔ اگرچہ زمین ناقص اور خراب ہے۔ تاہم عدن سبزی سے بالکل معرا لاثانی نہیں۔ مثلاً میڈیکل سروس کے ٹامس انیڈرسن نے جزیرہ نما میں ۹۴ مختلف قسم کے پودے معلوم کئے۔ ان میں سے بعض لاثانی

تھے۔ مگر زیادہ پودے جنگلی اور خار دار ہیں۔ اور اُن میں سے خوشبو نکلتی ہے۔

عدن کی بستی میں آبادی کے چار مرکز ہیں۔ (۱) سٹیمر پائنٹ۔ کریسنٹ قصبہ معالا کیمپ یا خاص عدن۔ کہنے کو سڑکیں تو بہت ہیں۔ مگر اصلی سڑک ابھی ایک ہی ہے۔ جو سٹیمر پائنٹ سے خاص عدن کو جاتی ہے۔ اور وہ شخص عدن کی سیر کا فخر نہیں کر سکتا جس نے بندر سے لے کر تالابوں تک گاڑی میں بیٹھ کر ہوا خوری نہ کی ہو۔ عدن کے گھوڑے نہایت ہی مظلوم ہیں۔ گاڑی بان اُن کو چابک پر چابک مارتے ہیں۔ مگر خوراک بہت کم دیتے ہیں کریسنٹ میں مکان اور دکانیں پہاڑی کے بالمقابل نیم دایرہ کی شکل میں بنے ہوئے ہیں۔ اس میں وہ عالیشان ہوٹل۔ قہوہ خانے۔ بنک اور دفاتر ہیں۔ ڈاک خانہ۔ شفا خانہ۔ گرجے اور بارکیں آگے مغرب کیطرف تارگھر کے نزدیک بنی ہوئی ہیں۔ دو میل کے فاصلہ پر دیسی قصبہ معالا ہے۔

یہاں سڑک کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک سرحدی پھاٹک اور شیخ عثمان کو۔ دوسرا قلعبندیوں میں سے ہو کر عدن کو جاتا ہے۔ بلحاظ انتظام کے تو یہ دیسی شہر نہیں۔ مگر ویسے اس کے بازار اور کوچے پورٹ سعید کیطرح ہیں۔ یورپین۔ امریکن۔ افریقین۔ ایشیائی اور مخلوط النسل لوگ ادہر اُدہر پھرتے نظر آتے ہیں۔ شہر کی کل آبادی تینتیس ہزار ہے جسمیں چینی۔ ایرانی۔ ترک۔ مصری۔ سومالی۔ ہندو۔ پارسی۔ یہودی اور عرب شامل ہیں۔ عدن دیسی جہازرانی کا بڑا بھاری مرکز ہے۔ جو کشتیاں خلیج فارس میں یمن اور جدہ کو جاتی ہیں وہ سب کی سب عدن میں ٹھہرتی ہیں عمان اور حضرموت سے بھی جہاز آتے ہیں۔ جو تبادلہ اجناس کر کے افریقہ کی طرف جاتے ہیں۔

عدن سے صنعا تک ۲۰۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مگر سنہ ۱۸۹۴ء میں مجھے تائز کیطرف سے ہو کر آنا پڑا۔ کیونکہ اوّل الذکر راستہ پر عربوں نے کھلبلی مچا رکھی تھی۔ تائز۔ عدن اور صنعا میں ۲۵ میل کا فاصلہ ہے۔ اور اس

یہ صنعا کی جنوب کی طرف کے تمام بڑے بڑے یمنی شہر واقع ہیں۔
" جولائی کو میں اپنے بدو ہمراہی نصیر کے ساتھ شیخ عثمان سے روانہ ہوا۔ دوپہر کے وقت ہم ایک چھوٹے سے قریہ دیہات میں پہونچے۔ سایہ میں تھرمو میٹر کا پارہ ۹۶ درجہ پر تھا۔ تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد ہم سات بجے شام کے پھر اونٹوں پر سوار ہو گئے۔ تاکہ رات کو سفر کریں۔ ہم ایک ویران علاقے میں سے ہو کر گذرے۔ صبح کے وقت ہم وادی خرغیا میں پہونچے۔ اور خرغیا نام گاؤں میں ایک پھول کے درخت کے نیچے آرام کیا دوسرے دن ہم پہاڑوں میں داخل ہوئے۔ یہاں سبزی کی کثرت سے ہوا میں خنکی تھی۔ ہم کئی چھوٹے چھوٹے قریوں جیسے کہ دار القدیم خطیبہ سیک لحبلہ کے پاس سے ہو کر گذرے۔ چونکہ یہ راستہ خطرناک کہا جاتا تھا۔ اس سارے قافلے جس کے ساتھ ہم دیہات سے ملے تھے۔ اپنی توڑے دار بندوقیں چلانے کے لئے سوتی بتیاں روشن کرلیں۔ تین بجے صبح ہم وادی کے سرے پر پہونچے۔ اور دن بھر تبسک میں آرام کیا۔ اس قصبہ کی ساری مکانات پتھر کے تھے۔ رات کیوقت دیہاتی عربوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا کہ مجھکو گرفتار کرلیں۔ اور عدن جاکر انگریزوں سے روپیہ لیکر مجھے چھوڑیں۔ مگر نصیر نے ان کو کہا۔ کہ یہ شخص نہ تو سرکاری ملازم ہے اور نہ ہی انگریز ہے۔ بلکہ وہ امریکہ کا رہنے والا بیچارہ غریب مسافر ہے۔ یہ بات سنکر وہ لوگ اپنے ارادہ سے باز آگئے۔
تبسک سے روانہ ہونے کے ایک دن بعد ہم یمن کے خوشنما وادی میں پہونچے۔ اس وادی میں نارنگی۔ لیموں۔ انگور۔ آم۔ لوکاٹ۔ شفتالو سیب۔ انار۔ انجیر۔ کھجور۔ کیلا۔ اور بیر۔ گیہوں۔ جو۔ مکی۔ باجرہ اور قہوہ بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ خودرو پھولوں کی وہ بہار ہے کہ یمن گلزار معلوم ہوتا ہے۔ یہاں کے پہاڑ ... ۹ فیٹ بلند ہیں چوٹیوں پر سردی۔ دامن میں گرمی ہے۔ کئی ندی نالے اور نہریں ہیں۔
دراصل یمن کا ملک رشک گلزار ہے۔ جدہر نظر اٹھاؤ ادہر ہی باغ نظر

نہار ہے۔ مقابیس سے یہ نظارہ شروع ہوتا ہے۔ یہاں ایک ترکی قلعہ اور کسٹم ہوس اسباب کا پتہ دیتا ہے کہ ترکی مظالم کی آن پہونچی۔

ہمارے راستہ کا سین اور ہوا صحت بخش تھی۔ عرب کسان کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ بیلوں سے ہل جوت رہے تھے۔ پانی کی نالیاں اور کیاریاں ٹھیک کر رہے تھے۔ عورتیں بے نقاب تھیں۔ اور اُن کا لباس خوبصورت تھا۔ اون کے تنگ پاجامے کمر اور ٹخنوں پر بندھے ہوئے تھے۔ ڈھیلا ڈھالا لبادہ زیب بر تھا۔ اُس پر سبز و سُرخ کام کیا ہوا تھا سر پر ہلکا عمامہ تھا (غالباً دوپٹہ سے مراد ہوگی۔ مترجم) مگر جدیدہ میں گدہے اور خچر ہانکنے والے مینی کنار یدار ٹوپی پہنتے ہیں۔

غروب آفتاب کے وقت وادی کے بائیں جانب کی بلند ترین چوٹیاں ہمارے پیش نظر تھیں۔ ایک چوٹی پر ایک بزرگ خدا ساالدین نقا کا مزار ہے۔ یمن میں ایسے مزارات بے شمار ہیں۔ اور مسلمان ان کی زیارت کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ لحیہ میں ایک عرب شیخ ابوالحسن شاذلی کی قبر ہے۔ قہوہ کا استعمال سب سے پہلے اس شخص نے کیا تھا اور دور دراز ممالک کی حاجی اس قبر کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔

۴۔ جولائی کی صبح کو بوقت آٹھ بجے ہم برج میں پہونچے۔ اور یہاں پہلی دفعہ ہم کو یمن میں ترکی حکومت کا تجربہ ہوا۔ اچانک ہم ایک ترکی کسٹم ہوس کے قابو آ گئے۔ میرا خیال تھا کہ ترکی سرحد تا یزہ شروع ہوتی ہے۔ ایک بیوقوف اجڈ سے حبشی نے جو اپنے آپ کو کسٹم کا مدیر کہتا تھا۔ جنگلی گھر سے سر نکال کر باہر جھانکا۔ اور مجھ سے اُترنے کو کہا۔ میں گرد و غبار میں جھونپڑے سے کمرے میں گیا۔ اور اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ اُس حبشی نے مجھ سے کہا کہ اپنا اسباب کھولو۔ اور خیال رکھو کہ تازہ فرمان کی رو سے کوئی کتاب یمن میں داخل نہیں ہو سکتی۔ میں نے بہتری منت سماجت کی بخشش بھی دینی چاہی۔ مگر وہ تھا کہ ایک نہیں سنتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ بغیر حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ بس پہلے میں نے اپنے دو بکس کھولے۔ کتابیں

اس کے سامنے رکھدیں۔ وہ کتابوں کو اس نظر سے دیکھتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ پڑھ نہیں سکتا تھا۔ پھر میرے زین کے صندوق کی تلاشی ہوئی ساری کتابیں اور نقشے ضبط کر لئے گئے۔ میں نے کتابوں کی رسید مانگی۔ مگر اس سے بھی صاف جواب ملا۔ غرضیکہ میری ساری عرضوں کے جواب میں ایک جواب تھا کہ تانز میں جاؤ اور گورنر کے آگے اپیل کرو۔

اپنے سارے اسباب سے محروم ہوکر ہم گیارہ بجے جنگی گھر سے روانہ ہوئے۔ نصیر نے سنا تھا کہ اس طرف کچھ فساد برپا ہے۔ لہذا ہم نے ایک بوڑھے آدمی کو جو گدھے پر سوار اور نیزے سے مسلح تھا۔ اپنا راہبر اور محافظ بنا کر ساتھ لیا۔ ۲ بجے کے قریب ہم نے ایک پتھر کے سایہ میں آرام کیا اس کے بعد بادل گرجنے لگے۔ اور ہم اس خیال سے کہ شام سے پہلے بروہ پہونچ جانا چاہئیے۔ روانہ ہوگئے۔

تاہم ایک ہی گھنٹہ میں آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اونٹ تیز چلنے سے قاصر ہوگئے۔ کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی تھی جہاں پناہ لیں۔ پس ہم تھر دو یش پر جان درویش ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی عرصہ بعد اولے پڑنے شروع ہوگئے۔ اولوں کے ڈر سے اونٹ وولتی چلانے لگے۔ اور ہم بھی مارے سردی کو ٹھٹھر گئے۔

جب طوفان باراں کم ہوا۔ وہ بوڑھا آدمی مالیوسی کی صورت بنائے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ اور کہا۔ میرا گدھا ڈی پلوان میں گر پڑا ہے۔ اور اب پانی کی لہریں اسکو بہا کر لیجا رہی ہیں۔ وہ جگہ جہاں اب دریا ٹھاٹیں مارتا ہوا جارہا۔ اس سے نصف گھنٹہ پیشتر خشک پڑی تھی۔ ہم نے بلندیوں پر ایک مکان دیکھا۔ اور اس کی طرف جانے کا قصد کیا۔ اونٹ پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ ہم نے کیچڑ اور گارے میں سے راستہ نکالتے ہوئے اس مکان میں پہونچے۔ اور شیخ علی نے ہمارا سرگرمی اور تپاک سے خیر مقدم کیا۔ قہوہ پی کر ہم جلتی ہوئی لکڑیوں کے پاس بیٹھ گئے۔ اور گم شدہ گدھے کے متعلق بحث شروع ہوئی۔ آخر یہ

فیصلہ ہوا کہ اگر یہ بوڑھا آدمی حرورتک ہمارے ساتھ چلے۔ تو گدے کی نصف قیمت میں دوں۔ دوسرے دن علے الصباح ہم روانہ ہوئے چونکہ بلندی بہت ہی بے ڈھنگی تھی۔ میں پیدل چلنے پر مجبور ہوا۔ اور میرے پاؤں پھول گئے۔ مدت تک تو درد نہ ہوا۔ مگر جب ماہتاب عالمتاب انجم کی سپاہ کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوگیا۔ میں درد سے بیقرار ہوگیا۔ اور چند دنوں تک بغیر لاٹھی کے چلنے سے لاچار تھا۔ حرورا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہاں ہفتہ وار منڈی لگتی ہے۔ ہم ایک قہوہ خانے میں اترے۔ دوسرے دن ہم سب الضلع میں پہونچے۔ یہاں ہم کو پہلے دن کی نسبت اچھا صاف مکان ملا۔ ہم شب کے وقت جنگجو بدوؤں کی ایک جماعت حملہ آور ہوئی۔ اور گاؤں والوں سے خوراک وغیرہ مانگی۔ وہ ابھی ابھی ایک چھوٹے سے قلعہ کو آگ لگا کر آئے تھے۔ تعداد میں ساٹھ تھے۔ بھوک سے لڑنے مرنے پر آمادہ تھے۔ وہ ہمارے مکان میں گھسنے کو ہی تھے۔ کہ نصیر اور عورتوں نے ان کو خوراک دینے کا وعدہ کیا۔ میں اندر خاموش بیٹھا ہوا۔ آٹا پیسنے روٹیاں پکانے۔ اور قہوہ کوٹنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ باہر ایک گائے کھڑی تھی۔ جو ایک غریب عورت کی ملکیت تھی۔ چند بدوؤں نے اسکو پکڑ کر ذبح کر لیا۔ عورتوں کی چیخ پکار۔ کتوں کا بھونکنا اور شور مچانا اللہ کی قسم اللہ کی قسم کی آوازیں۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا کہ میں دل میں کہتا تھا کہ پھر ایسا نظارہ دیکھنے میں نہ آسکے گا۔ آخر عرب اپنا پیٹ بھر کر واپس ہوئے۔ اور ہم سو گئے۔ مگر نیند کہاں۔ یہی خیال رہا کہ کہیں پھر نہ آجائیں دوسرے دن ہم تائزّ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور دو پہر کے وقت وہاں پہونچے۔ گویا کہ عدن سے روانہ ہونے کے ایک ہفتہ بعد ہم تائزّ میں داخل ہوئے۔ خوش ہوا۔

متصرف پاشا جو گورنر تھا۔ میرے پاسپورٹ (پروانہ راہداری) دیکھکر اور میری کتابوں کی ضبطی پر اظہار افسوس کرکے کہا۔ وہ بھی مجبور تھا۔ حکم ہی ایسا ہے۔ تاہم اس نے کہا کہ آدمی بھیج کر کتابیں منگا لو

یہاں جو کچھ چار سطروں میں لکھا ہے۔ وہ چار دن کا کام ہے۔ ایک سپاہی مفالیس کیطرف روانہ کیا گیا۔ میں نے اس کو محصول چنگی۔ اونٹ کا کرایہ اور دو موم بتیوں کی قیمت دی۔ اور یہ سب کچھ بالعالی کی عالیہ ما نع گورنمنٹ کے اشارہ پر کیا گیا۔ یہ سپاہی مفالیس تک نہ پہونچ سکا۔ راستہ میں ایک عرب نے او پر حملہ کر کے گردن پر زخم لگایا۔ رائیفل چھین لی اور وہ واپس لایا جا کر تائیز کے فوجی ہسپتال میں داخل ہوا۔ پھر بہت سی توقف کے بعد دوسرا سپاہی روانہ کیا گیا۔ وہ پانچ روز کے بعد کتابیں لے کر واپس آیا۔ ترک کتابوں کی قیمت پر محصول نہیں لیتے۔ بلکہ اون کو ہر صندوق کے تو محصول لیتے ہیں۔ کتابوں کا بوجھ ۲۰۰ کیلو گرام ہوا۔ فی کیلو گرام ۲۰ پیاسٹر قیمت کے حساب سے کل قیمت ۴۰۰۰ پیاسٹ ہوئی۔ اور اسپر ۲۸۸ پیاسٹر محصول لیا گیا۔ رسید پر میرا نام اسطرح لکھا تھا۔ یہودی۔ اسماعیل صیف اللہ۔ چونکہ میرے پاس عبرانی کی انجیل تھی۔ وہ مجھے یہودی کہتے تھے۔ اسمعیل۔ سیموئل کی جگہہ تھا۔ اور صیف اللہ خدا جانے کہاں سے آ گیا۔

باب ششم
یمن عرب کا سوئزرلینڈ

اگر ترکوں کو یمن میں سے نکال دیا جائے۔ تو وہاں تجارت کو ایسا فروغ ہو کہ دنیا تعجب کرنے لگے۔ ترکی گورنمنٹ ازبس خراب و ناقص ہے۔ اور کاشتکاروں پر نا قابل برداشت محصول لگا رکھے ہیں ان کیہہ نا لائق۔

تائیز میں قیام کرنے سے مجھہ کو وہاں کی شہری زندگی اور گورنمنٹ کے

سسٹم کے مطالعہ کرنے کا موقع مل گیا۔ نیز میں نے قہوہ اور رکعت ( ) کی
کاشت کے متعلق تھوڑا بہت ذخیرہ معلومات حاصل کیا۔ اکثر سیاح تاعز کو
مغرب کی جانب سے نہیں دیکھتے۔ یہ ایک بڑی دلچسپ جگہ ہے اور خوب
محفوظ و مستحکم ہے۔ آبادی اسکی ۵۰۰۰ نفوس کی ہے۔ متصرف یہیں رہتا
ہے۔ متصرف کی حکومت حدیدہ کے صوبے سے لیکر سرحد عدن تک جس
میں لحج اور شیخ سعید بھی شامل ہیں۔ پھیلی ہوئی ہے۔ شیخ سعید کو فرانس
نے ابھی ابھی خالی کیا ہے۔ شہر کے پانچ دروازے ہیں۔ اور وہی طرز
کی پانچ مسجدیں ہیں سب سے بڑی مسجد کا نام المظفر ہے۔ اس کے دو مینار
اور بارہ خوبصورت گنبد ہیں۔ تاعز کبھی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ اور اس کے
کتب خانے تمام عرب میں مشہور تھے۔ فیروز آبادی، جو عربی زبان کا رہبر تھا
تاعز میں تعلیم و درس دیا کرتا تھا۔ اور یہیں اس نے اپنی لغات ق القلم
کی۔ وہ پاس کے گاؤں زبید میں سنہ ۱۴۱۴ء میں فوت ہوا۔ یمن کے عالم
اس کے قبر کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔

تاعز کا بازار بہت بڑا نہیں۔ مگر یونانی سوداگروں نے چار یورپین
دکانیں کھول رکھی ہیں۔ جن سے ہر قسم کا اسباب دستیاب ہو جاتا ہے۔ ایک
پبلک حمام جو نہایت عمدہ حالت میں ہے اور ایک فوجی شفاخانہ ترکی حکومت
کا پتہ دیتا ہے۔ قلعہ میں ۱۲۰۰ ترکی فوج رہتی ہے۔ اور متصرف شہر کے باہر ایک
نفیس اور خوبصورت کوٹھی میں رہتا ہے۔

کسی زمانہ میں مسجدیں بارونق تھیں۔ مگر اب ان میں چمگادڑوں نے
گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ وہ کتب خانے جو کبھی دنیا میں مشہور تھے۔ اب ان کا
نشان تک نہیں ملتا۔ بڑی مسجد کے کمرے جن میں کبھی طلبا رہتے تھے
اب وہ ترکوں کے اصطبل بنے ہوئے ہیں۔ شہر میں ایک ڈاک خانہ اور ایک
تار گھر ہے۔ ڈاک ہفتہ میں ایک دفعہ براہ زبید اور بیت الفقیہ۔ حدیدہ
کی طرف جاتی ہے۔ اور جب تاریں ٹھیک حالت میں ہوں۔ تو پیغامات
تار ڈاک کی نسبت ذرا جلد روانہ کر دیے جاتے ہیں۔ تاعز کے ارد گرد

جبل سونیہ واقع ہے۔ شہر کے نزدیک حسن سدوبیس کی چوٹی ۷۰۰۰ فیٹ بلند ہے
نو ہیرا اور وفلر کہتے ہیں۔ جب سطح صاف ہو تو اس چوٹی پر کھڑا ہونے سے
بحرۂ قلزم کے پار افریقہ نظر آجاتا ہے۔ چونکہ آسمان ابر آلودہ رہتا تھا میں
چوٹی تک نہیں پہونچ سکا۔

تائز تمام یمن میں (کعت) کی کاشت کا مرکز ہے۔ اور عدن یا حدیدہ کیطرف
قہوہ کے تبادل جاتے ہوئے۔ اکثر یہاں ہی فروخت ہو جاتے ہیں۔ اسطرف
کی سبزی اور پھل ایسے ہیں۔ کہ یورپین سیاح اون کو جانتا ہے۔ مگر کعت اس کے
لئے نئی چیز ہے۔ کعت ایک قسم کی بوٹی ہے۔ کہ یمن سے باہر کوئی شخص اسکے
نام تک سے واقف نہیں۔ اور یہاں ہر شخص اوسکا استعمال کرتا ہے۔ عدن
سے شیخ عثمان کیطرف سفر کرتے ہوئے۔ ایک شخص پہلے پہل اسکا نام سنتا
ہے۔ سڑک پر جابجا یہ پولیس کی چوکیوں کے نزدیک یہ سرخ جھنڈیاں
کیوں لہرا رہی ہیں۔ اور جب اونٹ گذرتے ہیں۔ تو اون کو سرنگوں کیوں
کر دیا جاتا ہے؟ اور یہ اونٹ عدن کے لئے کعت بار کر رہے ہیں۔ اور یہ
جھنڈیاں محصول کے دہوکے سے بچنے کے لئے ہیں۔ ہر سال ۳۰۰۰ اونٹ
کعت کے بھرے ہوئے عدن کیطرف جاتے ہیں۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ کعت کا استعمال
کیسے کرتے ہیں۔ تو شام کے وقت یمن کے کسی ایک حصہ میں کسی قہوہ جائیں
چلے جاؤ۔ وہاں تم دیکھوگے کہ ہر ایک عرب کے پاس سبز پوچڑیوں کا ایک بنڈل
پڑا ہے۔ اور وہ اس کے پتے چوس رہا ہے۔

تائز میں میں نے پہلی دفعہ اندرونی یمن کے یہودی دیکھے۔ تمام یمن میں
اون کی تعداد ۳۰۰۰۰ ہزار کے قریب ہوگی۔ وہ اکثر بڑے بڑے قصبوں میں
رہتے ہیں اور کاشتکار ان میں بہت ہیں۔ ان کو بحیثیت قوم سخت حقیر
سمجھا جاتا ہے۔ لیکن صنعا میں اکثر یہودی کہتے ہیں۔ کہ ۱۸۷۱ سے پہلے
عربوں کی عملداری میں ان کو سخت تکلیف تھی۔ مگر جب سے ترک اس خطہ
پر مسلط ہوئے ہیں۔ ان کی تکلیف بہت کم ہو گئی ہے۔ ان یہودیوں کے
حسب و نسب کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں۔ کہ وہ ان یہودیوں

کی نسل ہیں جو اپنے ملکوں سے نکالے گئے۔ اور یہاں آکر آباد ہو گئے۔ بعض
کہتے ہیں۔ وہ ۹۰۰ سال قبل ازیں شمال کی طرف سے آکر یہاں سکونت
پذیر ہو گئے۔ یہ یہودی عربوں کی نسبت زیادہ پاکیزہ اور زیادہ ذہین اور ذکی
اور زیادہ معتبر ہیں۔ اور اگرچہ باقی دنیا سے ان کے مراسم قطع ہو چکے ہیں
تاہم وہ عبرانی علوم و فنون سے بالکل بے بہرہ نہیں ہیں۔ تائز کے نزدیک
ان کی ایک عبادت گاہ ہے۔ جو پچیس فٹ لمبی اور پندرہ فٹ چوڑی ہے
اس میں چند زردوزی کے پردے پرانی بنی کا منقش ڈھانچہ جس پر بارہ
قبایل کے نام کندہ ہیں۔ ایک بلند منبر ہے۔ یمن میں یہودیوں تمام عبادت
گاہوں کا یہی حال ہے۔

تائز کے یہودی صدیوں کے مظالم سہتے سہتے آخر ان کے عادی ہو گئے
ہیں۔ (اجی ہاں ان بیچاروں سے انصاف تو عیسائی کرتے ہیں۔ کہ ایک
دن اپنی سلطنتوں سے خارج اور گاہ بیگاہ ان کا قتل کرتے رہتے ہیں
مترجم) کافروں کے متعلق کئی پرانے اسلامی قوانین جیسے کہ سواری کا نہ
کرنا۔ ہتھیاروں کا نہ رکھنا۔ عمدہ پوشاک کا نہ پہننا۔ ابھی تک زیر عمل ہیں۔
مگر گورنمنٹ کی طرف ایسا کوئی قانون نہیں۔ (اجی حضرت یہ آپ کی
صریح غلط بیانی ہے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی کافروں کے برخلاف ایسے
قوانین رائج نہیں کئے۔ مترجم)

یہودیوں کو عام طور پر نظر حقارت دیکھا جاتا ہے۔ مگر ان کے
بغیر گذارہ چلنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ صنعت و حرفت کے سارے کام قریباً
انہیں کے ہاتھ میں ہیں۔ مسلمان عربوں نے قرآن کی حد سے ذرا تجاوز
نہیں کیا۔ اور یہودیوں کی کوئی بات میں نقل نہیں کی۔ مگر افسوس
یہودیوں نے اسلام کی کئی بیہودہ باتیں اختیار کر لی ہیں۔ (مصنف صاحب
کو واضح رہنا چاہیئے کہ اسلام کی جن باتوں کو وہ بیہودہ کہتے ہیں۔ انہیں
کی کشش اور صداقت سے ان کے بھائی بندوں نے دائرہ اسلام
میں داخل ہونا ہے۔ اور نیز کیا مصنف کو معلوم نہیں کہ خود ان کے

ہم مذہب عیسائیوں نے کئی باتیں اسلام سے لی ہیں۔ اور وہ دن قریب ہے
کہ سارے عیسائی قرآن کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔ مترجم)

جب عبرانی صحیفے تائز میں پہونچے۔ تو میں بہت مایوس ہوگیا۔ کیونکہ میرا خیال
تھا کہ ان کو دیکھ کر گورنر مجھے کتابوں کا صندوق کھولنے کی اجازت نہیں دیگا
مگر اچھا ہوا کہ وہ کتابیں ایک سپاہی کی حفاظت میں صنعا کی طرف بھیج
دی گئیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ گارڈ نہ صرف کتابوں کی حفاظت کے
لئے تھا۔ بلکہ میری نگرانی پر بھی مقرر تھا۔ کیونکہ اس گارڈ کے پاس ایک
پروانہ تھا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص یہودی ہے اور اسلام کا نائب بگاڑنے
آیا ہے۔ اور مسلمانوں اور یہودیوں کے پاس کتابیں فروخت کرتا ہے۔ مجھے
سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ صنعا کی طرف جاؤں۔ میں نے عدن کا ٹٹو
کو وہیں چھوڑ کر ایک ٹمپریری نوکر رکھا۔

میں ۲۶۔ جولائی کو ایک خچر پر سوار ہو کر تائز سے روانہ ہوا۔ اور اس دن
سینی پہنچا۔ دوسرے دن کی رات کو ہم عنت پہونچے۔ یہاں مجھے شہر کے باہر
قیام کرنے پر مجبور کیا گیا۔ سپاہی کو ہدایت تھی کہ مجھے کسی چیز سے واقف نہ ہونے
دے۔ اس بات پر میں سخت پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ کہ مجھے معلوم ہوا میرا نوکر اس
جرم میں کہ اس نے مجھے راستہ پر جو قریے آئے۔ ان کے نام بتائے۔ قید کر دیا گیا ہے
میں نے میئر سے اپیل کی۔ اور کہا کہ میرے پاس پاسپورٹ ہیں۔ لہذا مجھ کو شہر
میں داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اور میرے نوکر کو رہا کرنا چاہیئے
کچھ تامل کے بعد میئر نے میری دونوں درخواستوں کو منظور کیا۔ اس واقعہ سے
اتنا ثابت ہوتا ہے کہ یمن کے حکام اجنبیوں کو سخت مشکوک نگاہ سے دیکھتے
ہیں۔ ہفتہ کے روز ہم نے اور سپاہی نے اتوار سے پہلے پہلے یریم پہونچنے کی
کوشش کی۔ ہم بارہ گھنٹوں تک سوار رہے۔ سڑک کے ارد گرد تمام سبزی ہی
سبزی تھی۔ اور قہوہ اور کھیت کی کثرت تھی۔

یریم میں ۳۰۰ گھر ہیں۔ اور وہ کوہ ثمرہ کے سلسلے کے درمیان واقع ہے
اس قصبہ میں ایک قلعہ اور چند نہایت خوبصورت مکانات ہیں۔ مگر شہر کی تمام

حالت سخت خراب ہے۔ پاس ایک قصبہ ہے جو ملیریا پیدا کرتی ہے پیٹر کے ساتھ جو علم نبانات کا ماہر تھا۔ اور جس کا نام فورسکل تھا۔ ۱۷۶۳ میں یہیں فوت ہوا تھا۔ غب اور تبرم کے درمیان جو سڑک ہے۔ یمن میں سب سے زیادہ خوش نما ہے۔ دورویہ سبزی کی بہار ہے۔ پہاڑوں پر گلزار ہے۔ وادیاں باغ وبہار ہے میں نے ایسا عجیب نظارہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ روضۂ رضواں یا باغ جناں میں داخل ہو گئے ہیں۔ کہنے کو تو ہر چیز میں خدا کا جلوہ ہے۔ مگر یہاں جو قدرت حق آشکار ہے۔ اسکا دیکھنا پر ہی انحصار ہے۔

۲۹ جولائی اتوار کا دن تبرم میں سردی تھا۔ صبح کے وقت پارہ ۲۵ درجے پر تھا۔ اور رات کے وقت دو کمبلوں کے بغیر سونا محال تھا۔ نو بجے ہوا میں کچھ گرمی پیدا ہوئی۔ اور دوکانداروں نے دوکانیں کھولنی شروع کیں۔ ایک یہودی کنبہ جو تائز کیطرف جا رہا تھا۔ ہمارے ساتھ سرائے میں مقیم تھا۔ رات کو بھی دو گھنٹہ تک ان یہودیوں سے بات چیت کرتا رہا۔ یہودی مجھ سے انجیل لیکر پڑھتے رہے اور مجھ کو کسی نے اسوقت روکا ٹوکا نہیں۔ مگر جب میں نے خیدا کے ایک چھوٹے سے قریے میں ایک یہودی سے سلسلہ گفتگو ہونے کی کوشش کی۔ تو سپاہیوں نے مجھ کو سختی سے روکا۔ جب میں نے ان کی اس کارروائی پر اعتراض کیا۔ تو انہوں نے اپنی بندوقوں کے کندوں سے غریب یہودی کو مارنا شروع کر دیا۔ مار کی بوچھاڑ دیکھکر وہ غریب پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ گیا۔ اور میں چپ ہو رہا۔ مگر جب میں واپس ہوا۔ تو میں نے پھر جان بوجھ کر ایسی بات کی کہ سپاہیوں کو رنج ہو۔ میں نے کہا کہ موسے اور عیسی دونوں یہودی تھے۔ اس بات کو عرب اپنے نبی کی توہین سمجھتے ہیں۔

تبرم کے پار سڑک کے ایک طرف ایک گول مول پتھر پڑا تھا جس کے ایک طرف ایک بے ڈھنگا سا نشان لگا ہوا تھا۔ اس نشان کو حضرت علی کے پائوں کا نشان بتاتے ہیں۔ اور جو عرب اس رستہ سے گذرتے ہیں اس نشان کو بتل سے ملتے ہیں۔ اب زمین کا نشیب ذرا ختم ہو گیا۔ تبرم سے

صنعا تک میدان زیادہ صاف اور ہموار ہے۔ کفت اور قہوہ کی جگہہ گیہوں جو وغیرہ ہوتے ہیں۔ ہل اونٹوں سے چلایا جاتا ہے۔ دوسرا مقام ہم نے ذمار میں کیا۔ یہ جگہہ سطح سمندر سے ۸۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ ذمار ایک بڑا قصبہ ہے۔ تین مسجدیں مینار والی اور ایک بڑا بازار ہے۔ مکان وہیں پتھر کے بنے ہوئے ہیں وہ تین اور چار منزلے ہیں۔ اور پہلے درجہ کے صاف ہیں۔ اور مکانوں کے اندر سفیدی کی ہوئی ہے۔ ذمار سے سڑک شمالی رُخ ہو کر صنعا کی طرف جاتی ہے۔ ذمار سے تخمیناً پینتیس میل اور عدن سے دار الخلافہ ۱۸ میل ہی حسقا کے نزدیک سڑکیں ترکی توپخانہ کے لئے نہایت عمدہ حالت میں رکھی جاتی ہیں۔

۱۸ اگست کو باب الیمن کے راستہ ہم صنعا میں داخل ہوئے۔ اس سے تین سال پہلے حدیدہ سے آتا ہوا میں دوسرے دروازے سے داخل ہوا تھا۔ اُس وقت عرب بر سر پرخاش تھے۔ اور ایکی دند میں خود ایک قیدی تھا۔ مجھے دولا کے پاس لے گئے۔ اور ایک پولیس کے حوالہ کر دیا۔ مجھے عدن کا ایک پرانا یونانی دوست مل گیا۔ اُس نے میری ضمانت دی۔ اور میں رہا ہوا۔ اور ۱۹ دنوں شہر کی سیر اور یہودیوں سے ملاقات رہی۔

صنعا کو پہلے عزل کہتے تھے۔ یہ صدیوں سے یمن کا صدر مقام چلا آتا ہے اس کی آبادی ۵۰۰۰۰ نفوس کی ہے۔ اور یہ جبل النقوم اور پاس کی پہاڑیوں کے درمیان ایک ہموار وادی میں آباد ہے۔ اور سطح سمندر سے ۸۴۶۷ فٹ ہے۔ شہر مثلث کی شکل میں آباد ہے۔ شرقی گوشہ پر ایک بہت بڑا قلعہ ہے شہر تین حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ کے گرد ایک دیوار بنی ہوئی ہے اور سارے شہر کے گرد بھی ایک دیوار کچی اینٹوں اور پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ ہر ایک حصہ بجائے خود ایک شہر ہے۔ اُن میں سرکاری عمارتیں بڑے بڑے بازار۔ عربوں اور ترکوں کے مکان۔ یہودیوں کے کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ بیر العزب دو حصوں کے درمیان ہے۔ اس میں باغات بکثرت ہیں اور متمول ترکوں اور عربوں کے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہ شہر کسی زمانہ میں بڑا مالدار اور خوشحال تھا۔ اور اب بھی عرب میں بغداد کے دوسرے درجہ پر یہی شہر ہے

دوکانیں یورپین مال سے معمور ہیں۔ اور ریشم۔ زیورات۔ اور آلات کی تجارت اعلےٰ پیمانہ پر ہوتی ہے۔ سرکاری کوارٹر۔ وفاتر۔ یونانیوں کی دوکانیں۔ بلیرڈ روم وغیرہ دیکھ کر قاہرہ کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

صنعا میں اڑتالیس مسجد۔ اَنتالیس یہودیوں کے عبادت خانے۔ بارہ حمّام۔ ایک فوجی شفاخانہ ۴۰۰ بیماروں کی جس میں گنجائش ہے۔ ہیں۔ یہ شہر سارے شمالی یمن۔ اور شمالی مغربی حضرموت کا تجارتی مرکز ہے۔ ہر ایک ضلع کے عرب یہاں بازاروں میں موجود ہیں۔ اور روزانہ اونٹوں کی کئی قطاریں حدیدہ کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔

۱۱ اگست کو میں چھوٹے سے قصبہ روحارہ کی سیر کو گیا۔ یہ قصبہ صنعا سے بجانب شمال آٹھ میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ سڑک کے دونوں طرف باغات لگے ہوئے ہیں۔ روحارہ سے قافلے براہ راست نجران کو جاتے ہیں۔ شہر کے شمال کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو۔ تو عجیب بہار نظر آتی ہے۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ مگر دو دن کی مسافت کے بعد ترکی عملداری کے ساتھ ہی یہ بہار بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور لق ودق صحرا استقبال کرنے کے لئے آن پہنچتا ہے مگر قلت روپیہ کی وجہ سے میں آگے نہ جا سکتا تھا۔ حرم میں ایک قہوہ خانہ میں میری چوری ہو گئی تھی۔ اور صنعا میں تو میں مقروض ہو گیا تھا۔ پس سوائے ایک درویش کی حیثیت کے آگے جانا میرے لئے ناممکن تھا۔

۱۴۔ اگست کو میں صنعا سے حدیدہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور عثمانیہ گورنمنٹ سے ۴۰ ڈالر بطور قرض لئے۔ اور وعدہ کیا۔ کہ امریکن قونصل خانہ میں ادا کر دئے جائیں گے ہم ڈاک کی راستہ پر گئے۔ پہلی سفر میں بھی اسی راستہ سے گیا تھا۔

صنعا اور بنان کے درمیان جو میدان ہے۔ وہ بالکل سبزہ زار ہے۔ بدو لوگ چھوٹے چھوٹے قریوں میں رہتے ہیں۔ اور ان کے اونٹ۔ گائیں۔ اور بھیڑیں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں میدان میں چرتے رہتے ہیں۔ بنان کے بعد ڈھلوان شروع ہوتی ہے اور سڑک بالکل ناہموار اور زینہ کی طرز پر بنی ہوئی ہے۔ ہر طرف پہاڑوں کی ڈھلوان پر سبزہ ہی سبزہ ہے۔ اور ادرکو

دیکھکر سوئٹزرلینڈ یاد آجاتا تھا۔ سک انجاسس کے پاس ایک ضلع میں ایک پہاڑ جو ۶۰۰۰ فٹ بلند تھا دامن سے لیکر چوٹی تک جبوتروں سے ڈھنپا ہوا تھا۔ جنرل تیبگ ان جبوتروں کے متعلق لکھتا ہے۔ "ایک شخص اس محنت۔ جفاکشی۔ اور استقلال کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتا۔ جو ان جبوتروں پر خرچ ہوئی ہے۔ دیواریں پانچ فٹ سے لیکر آٹھ فٹ تک بلند ہیں۔ اور چوٹی کے پاس جاکر پندرہ پندرہ اور اٹھارہ اٹھارہ فٹ بلند ہوگئی ہیں۔ یہ دیواریں کھردرے پتھر کی بنی ہوئی ہیں۔ اور ان میں چونے یا اور کسی مصالحہ کا استعمال بالکل نہیں کیا گیا ہے۔ اور لطف یہ کہ کسی دیوار میں کوئی شگاف یا دراڑ نہیں ہے"

یمن میں برسات کے موسم دو ہیں۔ ایک موسم بہار میں۔ ایک موسم خزاں میں برسات کی کثرت سے پانی کی کثرت رہتی ہے۔ اور وافر پانی آبپاشی کے لئے تالابوں میں جمع کرلیا جاتا ہے۔ ایسی سرسبزی و زرخیزی۔ اور لوگوں کی محنت و مشقت کے باوجود زیادہ تر لوگ مفلس ہیں۔ اچھی طرح روٹی کھانے کو اور کپڑا پہننے کو نہیں ملتا۔ اور اسکی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان پر محصول سخت بھاری لگے ہوئے ہیں۔ پیداوار۔ زرعی آلات غرضیکہ ہر ایک چیز جابر گورنمنٹ اور فوجی صیغہ کے قبضہ میں ہے۔ سپاہی کسانوں کو لوٹ گھسوٹ لیتے ہیں۔ چونگی اور ٹیکس کلکٹر ان کا کچومر نکالتے رہتے ہیں۔

صنعا کی طرف جاتے ہوئے میرے ہمراہی سپاہی نے ایک کسان کو جو گدھے پر انگوروں کے دو ٹوکرے لادے ہوئے لیجا رہا تھا۔ ٹھیرایا اور اچھے اچھے انگور لے کر زمین کے ضولوں میں پائے۔ کسان کو مارا اور لعنت کی۔ کیونکہ کچھ انگور کچے نکلے تھے۔ یمن میں آئے دن کی بغاوتوں پر حیران نہ ہونا چاہیئے۔ اور اس بات میں تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ کہ ہر ایک عرب ترکوں کے نام تک سے نفرت کرتا ہے۔ (یہ شخص بکواس کرتا ہے یمنی اسواسطے بغاوت نہیں کرتے۔ کہ ترک ظلم کرتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ٹھنڈے دودھ کو پھونکیں مارتے ہیں۔ اور اغیار کے جانسے میں آکر اسلام کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ اخبار وطن لاہور کے مطالعے سے ان باتوں کا خوب علم ہو سکتا ہے۔ مترجم)

سک المناس ایک گندہ قریہ ہے سطح سمندر سے ۹۵۰۰ فٹ بلند ہے۔ یہاں سے ایک سڑک تیبقک اور وادی ذرون سے تحنہ کی طرف جاتی ہے۔ تحنہ سطح سمندر سے ۴۷۰۰ فٹ بلند ہے اور پہاڑی سلسلوں کے درمیان ایک تنگ جگہ پر واقع ہے ہر ایک گلی کے دونوں طرف ۲۰۰۰ فٹ گہری غاریں ہیں۔ شہر سخت تنگ اور گھنا ہوا ہے۔ مغرب کی طرف سے ایک ہی پیچ در پیچ راستہ ہے۔ مشرق کی طرف سے ایک پیسہ سا ہے۔ تحنہ قہوہ کی تجارت کا مرکز ہے۔ اسمیں ۴۰۰۰ نفوس کی جنمیں ایک تہائی یہودی ہیں آبادی ہے۔ اس شہر میں چار یونانی سوداگر ہیں۔ ۲۰۰۰ ترکی فوج مقیم رہتی ہے۔ بازار تاجر کے بازاروں جیسے ہیں۔ اس شہر کی بلندی ڈفلر نے ۷۶۱۶ فٹ قرار دی ہے۔

تحنہ سے ساحل تک دو دن کا اور اونٹ کے ذریعہ تین دن کا راستہ ہے۔ راستہ میں پہلا پڑاؤ جمیلہ ہے۔ دوسرا بحیل۔ بحیل میں ۲۰۰۰ نفوس کی آبادی ہے۔ اس کے بعد ویران قطعہ ہے۔ اور آگے حدیدہ کا گرم میدان ہے۔

بحیل کے تقریباً تمام لوگ گڈریئے ہیں۔ کپڑوں کا رنگنا اور تنکوں کی پٹاریاں بنانا یہاں کی بڑی صنعت ہے۔ یہاں عورتیں تنکوں کی نہایت عمدہ ٹوپیاں بناتی ہیں۔ یہاں بھی کسانوں کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ تاہم یہ سب عورتیں سر کی قصبوں کی سیاہ برقعہ پوش عورتوں سے پرچہار زیادہ باعصمت ہیں۔

سمندر سے حدیدہ تک بالکل جدہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اس کی گلیاں تنگ۔ پیچیدہ اور نہایت گندی ہیں۔ اجنبیوں کے لئے یہاں ایک یونانی ہوٹل ہے۔ اور شہر کا سب سے خوبصورت مکان سیدی عاردن ہے۔ جو سمندر کے نزدیک واقع ہے۔ یہاں کے لوگ مخلوط النسل ہیں۔ شہر کے مشرقی جانب ایک ایک حلقہ میں اخدام عرب رہتے ہیں۔ ان کے حسب و نسب کا ٹھیک پتہ نہیں مگر ان کو عربوں سے خارج سمجھا جاتا ہے۔ ان کو ہتھیار رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور عرب قبائل ان سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے۔

حدیدہ سے عدن تک باقاعدہ سٹیمر آتے جاتے ہیں۔ مصری بحرہ قلزم کے ساحلی سٹیمر بھی یہاں ٹھہرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں حدیدہ کی تجارت بڑے

فروغ پر تھی۔ مگر ترکوں کے مظالم نے یہاں بھی تجارت کا بیڑہ غرق کر دیا ہے اور اون کو سنگین محصولوں نے صنعت و حرفت کا قفل چڑھا دیا ہے۔

ساتوان باب

حضرموت کے گمنام قطعات

اب ہم اون گمنام قطعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ جن کو حضرموت کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ صوبہ صحرائے اعظم اور سمندر کے درمیان عدن سے لے کر مشرق کی طرف عمان تک پھیلا ہوا ہے۔ اے۔ وان۔ ریڈ صاحب نے ۱۸۴۳ میں اس علاقہ کے حالات پر کچھ روشنی ڈالی۔ وگرنہ اس سے پہلے یہاں کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ تاہم اس کا سواحل مکالا اور شہر تک اچھی طرح معلوم ہے۔ ساحل سے زمین بلند ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جبل حمرا آجاتا ہے جو ۴۰۲۵ فٹ بلند ہے۔ اور جو شمال مشرق میں جبل تھویاست جو ۸۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ ملا ہوا ہے۔

وان ریڈ عدن سے مکالا اور وہاں سے ملک کے اندرونی علاقہ میں جو جنوبی عرب میں ازبس سر سبز و شاداب ہے۔ وادی دُون دنالا۔ تک پہنچا۔ یہ نالا بنی لشتیا کے علاقہ میں سے ہو کر شمالی رُخ بہتا ہے۔ اُس کے مغرب کی طرف ضلع بلاد الحسن۔ اور مشرق کیطرف ضلع بلاد النجوم واقع ہے۔ مگر یہ علاقہ شمال کی طرف کہاں تک جاتا ہے۔ اور آیا الاحقف کا صحرا واقعی وادی دُون کی شاخ وادی رضیہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ ان دو باتوں پر وان ریڈ نے کوئی روشنی نہیں ڈالی اور یہ اب تک تاریکی میں پڑا ہے۔ ۱۸۷۰ء میں ایک آسٹرین یہودی جوسف ہالوی نے یمن سے حضرموت کے اندرونی علاقہ تک پہونچنے کی کوشش کی۔ اُسوقت سے حضرموت کے حالات پر کچھ کچھ روشنی پڑی۔ ۱۸۹۳ء میں مشہور ریبنٹ اور اُسکی

بیوی حضرموت کے زبردست سلطان کے دار الخلافہ شبام میں پہونچے ۱۸۹۷ء
میں اور انہوں نے دوسرا سفر کیا۔ مگر اس سفر سے مسٹر بنیٹ کی صحت خراب ہو گئی اور
آخر اُس نے اسی وجہ سے قضا کی۔ اُس کے سفرناموں میں سے ہم یہاں چند فقرے
نقل کرتے ہیں۔ اُن سے اس گمنام ملک کے دلچسپ حالات واضح طور پر معلوم ہو
جائیں گے۔

مکلا کے پیچھے سُرخ رنگ کے پہاڑ ہیں۔ ساحل پر لائٹ ہاوس اور روشنی
کا مینار کی طرح مسجد کا سفید مینار کھڑا ہے۔ اس مسجد کی دیواروں اور گنبدوں میں
سمندری پرندے اور کبوتر بکثرت رہتے ہیں۔ مسجد سے نزدیک ہی سلطان کا محل
ہے۔ شہر میں سفید سُرخ اور بھورا رنگ دوسرے رنگوں پر غالب ہے۔ بندرگاہ
میں عرب ملاح سمندر پر اپنی کشتیوں سے ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور یہ تمام
باتیں ملکر ایک خوبصورت اور غیر معمولی نظارہ پیش کرتی ہیں۔

مکلا برائے نام خاندان خیطی کے ایک سلطان کے ماتحت ہے۔ اس سلطان
سے گورنمنٹ ہند سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ وہ مخمل کا کوٹ زیب بر اور مرصع
کٹار کمر میں لٹکاتا ہے۔ اُسکی شکل و شباہت عربوں کی نسبت ہندیوں سے زیادہ
ملتی جلتی ہے۔ شہر میں سب سے زیادہ بارسوخ بمبئی کے پارسی ہیں۔ اور یہ شہر
اون بندرگاہوں میں سے ایک ہے۔ جہاں ہندی زیادہ عربی کے برابر بولی جاتی
ہے ہم بازار میں کرایہ کے مکان میں اُترے تھے۔ اُس میں سخت بدبو تھی۔ اور مکھیوں
کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ پس ہم نے جہاں تک ہو سکا یہاں سے چلنے کی جلدی کی۔
ان قریوں کو پیچھے چھوڑکر ہم بلندیوں پر چڑھنے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ہم
۰۰۰۰ فٹ کی بلندی پر پہونچ گئے۔ آخر ہم ایک ہموار میدان میں آئے۔ جو ہر طرف
جہاں تک نظر کام کر سکتی تھی۔ پھیلا ہوا تھا۔ اس میدان پر کبھی لوبان اور مُر بکثرت
ہوتے تھے۔ موخر الذکر جھاڑی تو اب تک بھی بکثرت موجود ہیں۔ مگر اول الذکر کا
صرف ایک پودہ نظر آتا ہے۔

اصل بات تو یہ ہے۔ انقلابات زمانہ سے اس ملک کی خوشحالی میں فرق آگیا
تاہم میرا خیال ہے۔ آگے مشرق کی طرف مہرا کے ملک میں لوبان کی کثرت ہو۔

بحرین کے نزدیک اس قسم کے آثار پائے جاتے ہیں کہ یہاں کبھی لوبان کی کثرت تھی۔ اور ڈھونی اسکی بڑی منڈی تھی۔ ہزاروں ایکڑ اراضی ویران پڑی ہے کبھی یہ سرسبز تھی۔ مگر اب تو اسپر ریت کے تودے اگلے خزانوں کو اپنے نیچے دبائے آنے والوں کی پیشوائی کرتے ہیں۔ میدان میں جا بجا جھیلوں کے کتبے وغیرہ ملتے ہیں ہمارا خیال تھا کہ ان ایرانیوں کی سیر سے عبرت حاصل کریں۔ مگر ہند قبیلہ کی مخالفت نے ہمیں اپنے ارادہ میں اچھی طرح کامیاب نہ ہونے دیا۔ ہم نے سرسری سیر پر ہی قناعت کیا۔ اور اس کے لئے بھی ہمیں اس جگہ کے شیخ کو انہیں ڈالر دینے پڑے۔ اس شیخ کی دعا بھی ہمارا ایک بڑا شگون تھا۔ کیونکہ اوس نے کہا "ان کو سلام ہو۔ جو سچے نبی محمد کو مانتے ہیں" یہاں کے لوگوں نے تو حد کردی۔ اپنے کنوئیں میں ہمارا ڈول نہ پڑنے دیتے تھے۔ ہم کے سایہ میں روٹی نہ کھانے دیتے تھے۔ اس گاؤں کی عورتیں بھی ایسی تندخو تھیں کہ انہوں نے ہمارا ناک میں دم کردیا۔ رات کو ہمارے خیمہ میں جو مکھیاں تھیں جس سے مجھے کمال تکلیف ہوئی تھی۔

حورا پر ہماری تکلیفوں کا خاتمہ ہوا۔ یہ چھوٹا سا گاؤں کھجوروں کی جھنڈ میں آباد ہے۔ یہاں القعیطی خاندان کا ایک بڑا بھاری محل ہے۔ حضرموت کے ان محلوں کی شان وشوکت کا یقین دلانے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بیان کی تصدیق میں ان کے فوٹو درج کروں۔ حورا کا محل سات منزلہ ہے۔ اور ایک ایک طرف بنا ہوا ہے کنگرے برجیاں وغیرہ خوب قرینہ سے بنی ہوئی ہیں۔ یہ محل بالکل بابل کے مطابق ہے۔ مگر بابل کے روڈ پتھروں کا اور حورا پہلی منزل کے سوا کچی اینٹوں کا بنا ہوا ہے۔ اگر حورا وہاں ہوتا جہاں بابل روڈ ہے یا اس ملک کی آب ہوا خشک نہ ہوتی۔ تو مدت سے حورا کا قلعہ منہدم ہوگیا ہوتا۔ اور آج اسکا نشان تک نہ ملتا۔

ان عرب محلوں کی جزئیات خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وہ لکڑی کا کام ہے دروازوں کی کندہ کاری اور نقش دیکھ کر عقل چکر میں آجاتی ہے۔ چوکھٹوں پر قرآن کی آیتیں کھدی ہوئی ہیں۔ قفل چابیاں لکڑی کی ہیں۔ رہائشی کمرے اوپر اور قرینی کمرے اسباب کے تجارت کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ اور پہلی منزل

خانگی اسباب کے لئے ہوتی ہے۔

حضرموت کے اندرونی علاقہ کے بڑے شہر کے متعلق مسٹر شینٹ یوں رقم طراز ہے ۔ وہ پھر اُس نے اور پانچ دن رہنے کے لئے ہم کو اپنے دار الخلافہ شبام کی طرف بھیج دیا۔ شبام القطان سے بارہ میل کے فاصلہ پر آباد ہے ۔ اور حضرموت کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔ یہ وادی کے تنگ ترین حصہ میں بلند جگہ پر واقع ہے یہ جگہ بلند اسواسطے ہے ۔ کہ صدیوں سے یہاں کچے مکان بنتے رہے ہیں جب وہ گر گئے ان کی جگہ اور بنائے گئے ۔ اس جگہ پر بار بار مکان بنانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا محل وقوع بہت اچھا ہے ۔ قدیم عرب مورخ لکھتے ہیں کہ حمیری لوگ ہمارے سن کے ابتدائی حصہ میں اپنے صدر مقام سبوٹہ یا شبوہ کو چھوڑ کر یہاں آئے ۔ اور ایک شہر آباد کیا ۔ مگر ہم کو اس قسم کی شہادت بہم پہنچ گئی ۔ کہ اس تاریخ سے بہت پہلے وہ لوگ آئے ۔ وہاں ایک کتبہ ہے جس پر شبام کا نام کندہ ہے ۔ اور یہ کتبہ تیسری صدی قبل مسیح سے بعد کا نہیں ہو سکتا ۔ یہ شہر مدت سے قافلوں کے لئے ایک ضروری مقام رہا ہے۔

باہر سے شبام کا شہر ایک عجیب نظارہ پیش کرتا ہے ۔ کچے مکانات اور میناروں میں سے متمول لوگوں کے سفید بلند مکان ایسے معلوم ہوتے ہیں ۔ جیسے کہ روٹی پر چینی پڑی ہوئی ہے ۔ شہر کے باہر چند کارخانے ہیں سب سے بڑا نیل کا ہے ۔ نیل کی چھوٹی چھوٹی ٹہنیوں کو پہلے دھوپ میں خشک کیا جاتا ہے پھر اون کو باریک کر کے کوٹا جاتا ہے ۔ اور پھر پانی کے بھرے ہوئے مٹکوں میں ڈالا جاتا ہے ۔ دوسری صبح ان مٹکوں کو لمبے لمبے بانسوں سے ہلایا جاتا ہے ۔ جس سے نیلے رنگ کا مکسچر تیار ہو جاتا ہے ۔ اس رنگ کو نیچے بٹھانے کے لئے مٹکوں کو ٹھیک اٹکا دیا جاتا ہے ۔ پھر مٹھ سے نیل اوٹھا لیا جاتا ہے ۔ اور اوس کو چادروں پر بچھا دیا جاتا ہے ۔ تاکہ پانی نکل جائے ۔ جب وہ خشک ہو جاتا ہے ۔ گھر لاکر اوس میں شورا اور کھجور ملاتے ہیں ۔ اس نیل کے چار پونڈ سے لیکر ایک گیلن پانی کپڑے رنگنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ کپڑے پر اچھا رنگ چڑھانے کے لئے اوسکو پتھر پر رکھ کر ڈنڈے سے کوٹا جاتا ہے ۔ ساحلی قصبہ شحر اور اوس کے

حکمران کے متعلق مسٹر بنٹ یوں رقمطراز ہے:۔
شہر سمندر کے کنارے ایک گندہ اور غلیظ قصبہ ہے۔ اور ریگستان پر آباد ہے۔ کسی وقت یہ حضرموت کا بڑا تجارتی شہر تھا۔ مگر اب مکالا نے اس کی جگہ لے لی ہے۔ اور اب اسکے مکانات ویران ہوتے جاتے ہیں۔
خاندان القیطی کے سردار کا ولیعہد اور بڑا بیٹا یہاں اپنے باپ کی جگہ حکومت کرتا ہے۔ خود سردار نظام حیدر آباد کی عرب فوج کا جمعدار یا جرنیل ہے۔ غالب مشرقی طرز کا رنگیلا جوان ہے۔ ہندوستان میں اسکو کئی شوق پیدا ہو گئے تھے پس اس کے باپ نے یہ خیال کرکے کہ عرب میں بمبئی کی نسبت اشتیاق دلانے والی چیزیں کم ہیں۔ اسکو شہر پر حکومت کرنے کے لئے بھیج دیا۔ وہ مختلف طرز کی کمخوابوں کے کوٹ اور پاجامے پہنتا ہے۔ اسکی تلواریں اور خنجریں ہیروں اور موتیوں سے مرصع ہیں۔ ہاتھ میں وہ سونے کے دستے والی چھڑی رکھتا ہے۔ اور چونکہ شہر کا پانی کھارا ہے۔ وہ اپنے میلے کپڑے کشتی پر لاد دہلوانے کے لئے بمبئی بھیجتا ہے۔،،
حضرموت کے عرب بہ نسبت ہندوستان کے جاوا سے زیادہ راہ و رسم رکھتے ہیں۔ ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ ہوا ہے کہ حضرموتی ڈچ کے زیر نگیں مجمع الجزائر میں جاکر سکونت پذیر ہو گئے۔ جاویوں اور عربوں کے درمیان عام طور پر رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ اور ڈچ مشرقی مقبوضات کے مسلمان زیادہ تر حضرموت کے مسلمانوں جیسے ہیں۔
ان دلچسپ واقعات پردان ڈین بیرگ پہلے ایک ڈچ عالم نے اپنی مشہور عالم کتاب حضرموت اور جاوا کے عرب آباد کار میں روشنی ڈالی تھی۔ حضرموت کے حالات اس نے عرب تارکان وطن کی زبانی سنکر۔ نگراون کے اوضاع و اطوار رسم و رواج۔ اور مذہب کے مختلف ذاتی مشاہدہ کی بناپر لکھا تھا۔ اگرچہ اس کتاب میں چھوٹی موٹی جغرافیہ کی غلطیاں تھیں۔ مگر جنوبی عرب کے متعلق یہ ایک قیمتی کتاب ہے۔ اور ڈچ مجمع الجزائر میں جو اسلام آج کل رائج ہے اوسپر مفصل بحث کی ہے۔ عرب نو آبادیاں قایم کرنے میں ہمیشہ ہی مشیر رہے ہیں۔ مگر جاوا

اور سوماٹرا پر حضرموت کا وہی اثر پڑا ہے۔ جو عمان کا زنگبار پر۔ یا گذشتہ صدی میں مشرقی افریقہ پر۔ خیال رہے حضرموت بھی ہمیشہ تاریکی اور گمنامی کے پردہ میں پنہاں نہیں رہے گا جس طرح اسکا زمانہ گذشتہ بارونق رہا ہے اسی طرح اسکا زمانہ آئندہ اُس کے لئے موجب برکت و رحمت ہوگا۔

آٹھواں باب

مسقط اور عمان کا ساحلی علاقہ

ایک صحرا عمان کو باقی عرب سے جدا کرتا ہے۔ جہاں تک دنیا کی آمد و رفت کا تعلق ہے۔ یہہ علاقہ درحقیقت ایک جزیرہ کی شان رکھتا ہے۔ کہ اس کے ایک طرف تو سمندر ہے۔ اور دوسری طرف صحرا۔ لہذا یہاں کے لوگ ابھی تک اُس اصلی حالت میں ہیں۔ اون میں بہت کم تغیر ہوا ہے۔ تاہم ساحل کے رہنے والے خاصکر اہل مسقط بیرونی دنیا سے تعلقات رکھتے ہیں۔

عرب مصطلحات عربی فرہنگ اسما میں عمان اُس علاقہ کو کہتے ہیں۔ جو مسقط کے پاس آباد ہے۔ مگر یہ نام جزیرہ نما کے تمام جنوب مشرقی حصے پر بولا جاتا ہے۔ اور اس میں وہ حصہ ملک بھی شامل ہے جو کوریا ماریا ہے اگر ایک خط بحرین تک کھینچیں۔ تو اس کے مشرق میں واقع ہے۔ اس تشریح کے مطابق عمان عرب کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دلچسپ صوبہ ہے۔

عملی طور پر اور تاریخی وجغرافی لحاظ سے یہ صوبہ دیگر صوبوں سے الگ تھلگ رہا ہے۔ ترکی حکومت اس صوبہ تک کبھی نہیں پھیلی۔ اور آخری خلفا بھی ایسی مدت تک قیام نہ قائم کر سکے۔ صدیوں سے یہ صوبہ آزاد و خود مختار حکمرانوں کے جن کو امام یا سید کہتے ہیں ماتحت رہا ہے۔ یہاں کی آبادی بالکل عرب مسلمانوں کی ہے۔ یہاں ساحل پر دوسری قوموں کے لوگ بھی رہتے ہیں۔ یہاں کے

لوگ یمنیوں اور معاریوں کی نسل سے ہیں۔ اٹھارہویں صدی سے یہ نام
حنبتی اور غفاری میں بدل گئے ہیں۔
(بعض یمنیوں کو حنبتی اور غفاری معاریوں کو کہتے ہیں) یمنی قبائل پہلے
آئے تھے۔ اور ان کی تعداد زیادہ ہے۔ دونوں رقیب قبائل آپس میں ہمیشہ
برسر پرخاش رہے ہیں۔ اور اون کی عداوت و ناچاقی سے ملک کی سطح خراب
ہوتی رہی ہے۔
کرنل مائلز کے قول کے مطابق بعض قصبوں میں وہ ایک دوسرے سے
الگ اپنے حلقوں میں رہتے ہیں۔ سوہیل جو مسقط سے ۵۰ میل کے فاصلے
پر واقع ہے۔ وہاں ان رقیب قبائل کی تقسیم نمایاں طور پر ہوا ہے۔ یہ قبائل
۲۰۰ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ اور اون شاخوں سے آگے اور
شاخیں ہیں۔ ہر ایک خاندان کا الگ اپنا شیخ ہے۔ شیخ کی وفات پر اوسکا بڑا
بیٹا اوسکا جانشین ہوتا ہے۔
عمان کے بہت کم قبائل خانہ بدوش ہیں۔ زیادہ قبائل نالابوں کے کنارے پر
قصبوں یا قریوں میں رہتے ہیں۔ بہت سے پھلوں کے علاوہ جو یہاں بکثرت
ہوتے ہیں۔ لوگوں کی غذا کھجور ہے۔ اور اس صوبہ میں زیادہ تر برآمد بھی کھجوروں
کی ہی ہے۔ ہندوستان سے چاول آتے ہیں۔ کرنل مائلز کے اندازہ کے مطابق
عمان کی آبادی ۱۵۰۰۰۰۰ سے زیادہ نہیں۔ اس میں کئی قصبے ہیں جن کی آبادی
پانچ ہزار سے لیکر دس ہزار تک ہے۔ ساحل پر مسقط اور مترا دو بڑے شہر ہیں۔
مگر دراصل وہ ایک ہی ہیں۔ کیونکہ اون کا فاصلہ دو میل سے زیادہ نہیں۔ مسقط کے
ساحل پر گرمی بڑی شدت کی پڑتی ہے۔ اور سال کے زیادہ حصّہ میں ہوا میں
رطوبت رہتی ہے۔ اگرچہ سال میں چھ سے لیکر دس انچ تک بارش ہوتی ہے
مگر اندرونی علاقہ کے معتدل ہونے کی بڑی وجہ بلندی ہی ہے۔ یمن کی نسبت
یہاں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ مگر آب و ہوا ویسی ہی صحت بخش اور روح
افزا ہے۔
موجودہ صدی کے آغاز پر عمان کی ریاست بڑی طاقت ور تھی۔ وہاں کے

سلطانِ کی حکومت شمال میں عربی تک پھیلی ہوئی تھی۔ بندر عباس اور لینگان کے زیرنگیں تھے۔ اور جزیرہ سقوطرہ و زنجبار اون کے ہاتھ باندھے غلام تھے۔ اسوقت عمان کے عربوں نے افریقہ میں بڑے بڑے سفر کئے۔ اور تجارت غلامان سے خوب ہاتھ رنگے۔ افریقہ کا کونہ کونہ اونہوں نے چھان مارا تھا۔ فی زمانہ سلطان مسقط سید تیمور فیصول میں ترکی حکومت دارالخلافہ اور اوس کے مضافات تک محدود ہے۔

عمان کا پہلے شہر دارالخلافہ تھا۔ بعدازاں رستاک صدر مقام ہوا۔ مگر سنہ ۱۷۷۹ء میں مسقط دارالریاست بنایا گیا۔ مسقط سارے ملک کی کلید ہے۔ سٹیمر پر بیٹھے ہوئے جب مسقط کے قریب پہونچو۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیاہ پہاڑیوں کا ایک سلسلہ غیر متناہی چلا جاتا ہے۔ جو پہاڑی مسقط کے نزدیک واقع ہے۔ سیاہ کھورے رنگ کی دکھائی دیتی ہے۔ کنارے پر کر دور دور بلندی تک چلا گیا ہے اور اس کی قدرتی بناوٹ اور سجاوٹ اس قسم کی ہے۔ کہ بندرگاہ کو خاصہ باعظمت بنا دیتی ہے۔

سیاہ پہاڑیوں کے مقابل میں شہر سفید معلوم ہوتا ہے۔ پہاڑی کی چوٹیوں پر کئی گڑھیاں اور برجے بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ دور سے نظارہ نہایت خوشنما ہے۔ مگر نزدیک ہوکر دیکھو تو وہی مشرقی طرز کا شہر۔ کہ گلیاں تنگ و تاریک بھدی سی عمارتیں مسمار دیواریں۔

مسقط کی گرمی مشہور ہے۔ ایک ڈچ جہاں نشو نیبر جو سنہ ۱۷۶۳ء میں اس شہر میں آیا۔ لکھتا ہے۔ وہ گرمی اتنی شدت کی ہے کہ غیر ممالک کے رہنے والے یہاں آجائیں تو خیال کریں۔ کہ اون کو اوبلتی ہوئی دیگ یا بھٹی میں ڈال دیا ہے۔" ایک ایرانی عبدالرزاق سنہ ۱۴۴۲ء میں اس ملک میں آیا۔ اور چونکہ ایرانی تھا۔ مبالغہ سے کام لینے پر مجبور تھا۔ وہ لکھتا ہے "یہاں اس شدت کی گرمی پڑتی ہے کہ ہڈیوں کے اندر گودا خشک ہو جاتا ہے۔ تلوار کا لوہا موم کی طرح پگھل جاتا ہے۔ تلوار کے قبضے کے ہیرے۔ جواہر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو جاتے ہیں۔ البتہ جنگل میں شکار کا آرام ہے کیونکہ گرمی سے بیٹھے بٹھائے غزال مل جاتے ہیں۔" بیان کیا جاتا ہے کہ دن کے

وقت پارہ ۱۸۹ درجہ پر ہوتا ہے۔ اور رات کے وقت ۱۰۷ درجے پر۔ اور گرم ترین حصہ سال میں ایسا ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہیں خشک چٹانیں سورج کی کرنوں سے سخت گرم ہو جاتی ہیں۔ اور چونکہ مسقط کی طرف مغرب اور مشرق سے ہوا کو نہیں آنے دیتی۔ مسقط نمونہ جہنم بن جاتا ہے۔ ایک شخص کے قول کے مطابق مسقط کی آب و ہوا ایسی خراب ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ دسمبر سے مارچ تک رات کو سخت سردی پڑتی ہے۔ مگر مارچ کے گذر جانے پر گرمی شروع ہو جاتی ہے۔ اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ مسقط کو آتشکدہ بنا دیتی ہے جولائی کے مہینہ میں گرمی میں کسی قدر تخفیف ہو جاتی ہے۔

مسقط کے دو قلعے اچھے خاصے وسیع ہیں۔ وہ پرتگالی حکومت کا مٹا سا نشان ہے۔ اور سطح سمندر سے ۱۰۰ بلند بنے ہوئے ہیں۔ اون کی نہ صرف سمندر پر ہی زد پڑتی ہے۔ بلکہ شہر پر بھی۔ اور ان تک پہونچنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ جو زینہ کی طرح پہاڑی کو کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

قلعوں پر جو توپیں چڑھی ہیں۔ وہ پرانی ہیں۔ اور کسی کام کی نہیں۔ ان میں چند لمبی پیتل کی ہیں۔ اور ان پر ہسپانیہ کے شاہی آلات کی تصویریں کھنچی ہوئی ہیں۔ ایک توپ پر ۱۶۰۶ سنہ درج ہے۔ بندرگاہ کی دائیں طرف قلعہ جیبی پرتگالی گرجا کے کھنڈرات اب تک ملتے ہیں۔ جب پیلی نے سنہ ۱۸۶۵ء میں ان کھنڈرات کو دیکھا تو ہنوز یہ کتبہ بخوبی پڑھا جا سکتا تھا۔

Ave Margraoa R C Ab □-
Ecum EIC.

اس کتبہ کا ترجمہ یہ ہے: مبارک ہو تجھکو اے مریم کہ فضل خدا تیرے ساتھ ہے۔ اور خداوند یسوع مسیح تیرا رفیق ہے۔

ڈان فلپ ثالث شاہ ہسپانیہ نے اپنی جنگی کونسل اور اپنے توپخانہ کے کپتان جنرل کے مشورہ سے ۱۶۰۵ء اپنی حکومت پرتگال کے آٹھویں سال نائب گورنر ہندوستان کو اس قلعہ کے بنانے کا حکم دیا۔

شہر میں سلطان کا ایک محل ہے۔ جو کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہے

اور دوسرے مکانوں کی طرح پتھر کا بنا ہے۔ مگر لیبانی گارے کی ہوتی ہے
اگر شہر میں کوئی عمدہ اور مستحکم عمارت ہے تو وہ انگریزی اور امریکن قونصل خانوں
کی ہے۔ انگریزی قونصل کا محل وقوع بہت عمدہ ہے۔ وہاں دو طرف سے ہوا
آتی ہے۔ مسقط کا بازار بالکل معمولی ہے۔ اس میں صرف ایک چیز ملتی ہے۔
جسکو حلوا مسقطی کہتے ہیں۔ یہ بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ مگر اس میں سے چربی اور
مکھن کی گہن آتی ہے۔

شہر کے اردگرد ایک دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس دیوار میں دو دروازے
ہیں۔ اون پر پہرہ متعین رہتا ہے۔ اور غروب آفتاب کے بعد چند گھنٹے بند رہتے
ہیں۔ دیوار کے باہر جو خندق ہے۔ وہ خشک رہتی ہے۔ شہر کے باہر مکان اور
سینکڑوں جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن میں بلوچی اور حبش رہتے ہیں۔ امریکن
مشن کا مکان بھی شہر سے باہر اسی حلقہ میں ہے۔ ایک تہائی میل پرے مسقط
کے باغات اور چاہات ہیں۔ جن کی حفاظت کے لئے برجے بنے ہوئے ہیں۔ ان
باغوں میں لوگ شام کیوقت سیر کرتے ہیں۔ مگر ان باغوں کی حیثیت اتنی ہے کہ اگر سو
ناشری ایک ہفتہ ان میں رہے تو صفایا کر جائے۔

مسقط کی آبادی مختلف قومیت کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ عرب۔ بلوچی
بنئے۔ حبشی۔ ایرانی اور کئی دیگر اقوام کے لوگ یہاں بستے ہیں۔ عمان میں جو
عربی بولی جاتی ہے۔ وہ نجد اور یمن کی عربی سے بہت مختلف ہے۔ زنجبار اور
مشرقی افریقہ کے تعلقات نے عرب تاجروں کی زبان اور اطوار پر بڑا گہرا اثر
ڈالا ہے۔ اب بھی تجارت کی گرم بازاری ہے۔ مگر ویسی نہیں۔ جو سو سال قبل
ازیں تھی۔ تجارتی تعلقات ہندوستان سے ہیں۔ کھجوریں پھل۔ مچھلی اور نمک
اشیا برآمد ہیں۔ چاول۔ کھانڈ۔ بساطی کا مال۔ قہوہ۔ ریشم۔ مٹی کا تیل۔ اور
آلات باہر سے آتے ہیں۔ مسقط سے کھجوریں بہت جاتی ہیں۔ اور ان کی زیادہ
کھپت امریکہ کی منڈیوں میں ہوتی ہے۔

اون بہت سے سٹیمروں کے علاوہ جو یہاں ٹھیرتے ہیں۔ ولیوں کے
پاس بھی بعض پرانے انگریزی جہاز ہیں۔ جو سال میں ایک دو دفعہ سمندر کا دورہ

کر کے مالکوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہونچا ہی دیتے ہیں۔ ویسی کشتیاں بھی مال برآمد لیکر
چھوٹے چھوٹے بندرگاہوں کی طرف جاتی ہیں۔ مترا قافلے والوں کا آخری
اسٹیشن ہے۔ مترا اور مسقط کے درمیان ایک تنگ پہاڑی راستہ یا سمندر
کے ذریعہ آمد و رفت ہوتی ہے۔

لٹیروں کا ساحل عمان کی شمالی حد سے لیکر راس مسندم تک پھیلا ہوا ہے
کوملی کے وقت میں یہاں وحشی اور لٹیرے عرب آباد تھے۔ عرب کے لفٹننٹ پران
لوگوں کو ماہی خور کر کے لکھا ہے۔ ٹیمبر عمان کے اس حصہ کے متعلق لکھتا ہے۔
"اس ساحل پر مچھلیاں اس کثرت سے ہوتی ہیں۔ اور اتنی آسانی سے پکڑی جاتی
ہیں۔ کہ نہ صرف گائے۔ گدھے اور دیگر پالتو جانوروں کو بھی کھلائی جاتی ہیں بلکہ
کھیتوں میں کھاد بھی انہیں کا ڈالا جاتا ہے"

سر جان میلکم چالیس سال قبل ازیں اپنی تاریخ ایران میں لکھتے ہیں۔ "
میں نے دریافت کیا۔ یہ لوگ کون تھے۔ جن کو ہم نے عرب کے ویران ساحل
پر دیکھا۔ اس نے خوف زدہ ہو کر جواب دیا۔ یہ لوگ وہابی ہیں۔ اور ان کو جواسمی
کہتے ہیں۔ خدا ہم کو ان سے محفوظ رکھے۔ یہ بڑی بلا ہیں۔ لوٹ مار کرنا ان کا پیشہ
ہے۔ انسان کا خون بہانا ان کی دل لگی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان
خوفناک جرائم کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ وہ قرآن کے لفظ بہ لفظ پر بحث کرتے
ہیں۔ تفسیروں کو بالکل نہیں مانتے۔ اگر تم ان کے قابو آ جاؤ۔ اور اپنی جان بچانے
کے لئے جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ ان کو دے دو۔ یہ لو اور مجھے چھوڑ دو۔ تو وہ
جواب دیں گے۔ کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ قرآن کا حکم ہے۔ دو زندوں کو لوٹو
مگر مردہ کے لوٹنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ اتنا کہہ کر وہ ایک ہی جھٹکے میں تم کو
پار بولا دیں گے"

انگریزی تجارت کے چلنے اور انگریزی آگبوٹوں کے آنے سے یہ جاہل
اور پاجی وہابی کسی قدر راہ راست پر آ گئے ہیں۔ اور ان میں سے بہتوں
نے لوٹ مار کا پیشہ چھوڑ کر موتی نکالنے کا کام اختیار کر لیا ہے۔ ہندو
تجار ان کے درمیان بسنے لگے ہیں۔ غیر ممالک کا اسباب ان کے بازاروں

میں داخل ہونے لگے ہیں۔ اور نئیموں کے شہروں کی جا بجا ظبیہ۔ شارقہ۔ ابوظبی اور راس الخیمہ جیسے بارونق شہر آباد ہو گئے ہیں۔ جن کی آبادی اور خوشحالی دن بدن بڑھ رہی ہے۔

راس مسندم اور اس کے پشت کے علاقہ کو راس الجبل کہتے ہیں۔ یہ علاقہ پہاڑی ہے۔ مگر راس الخیمہ کے بعد ساحل نیچا ہے۔ اور خلیج تک ہموار چلا گیا ہے تمام قریے چھیروں کے کناروں پر بنے ہوئے ہیں۔ ساحل عام طور پر ویران پڑا ہے مگر شارقہ کے نزدیک کھجوروں کے جھنڈ ہیں۔ اور آگے اندر کی طرف نخلستان بھی ہیں۔ اس ساحل کے بہت سے جزیرے بالکل غیر آباد ہیں۔

ساحل بٹینا سارے جزیرہ نما عرب کے ساحلوں میں جدی نشان لئے ہوئے ہے مشرقی اور مغربی عرب میں یہ ریگستانی نشیبی میدان۔ ہر قسم کی سبزی سے محروم ہیں۔ مگر یہاں (ساحل بٹنا سے مراد ہے) لب سمندر تک کھجوروں کے جھنڈ اور باغات چلے آتے ہیں۔ اس مرتفع میدان کے پیچھے جبل الخدر کی بلند پہاڑیاں ہیں۔

یہ سرسبز ساحل سقط سے پچیس ۲۵ میل اوپر سے شروع ہوتا ہے اور ۱۵۰ میل لمبا ۱۲ میل چوڑا خور کلب کے سفنا فات تک چلا گیا ہے۔ اسمیں کئی بڑے قصبے اور آباد ہیں۔ سب سے ڈھنگا اور بلے قرینہ سا شہر ہے۔ اس میں زیادہ تر جھونپڑیاں ہیں۔ اور دو ڈٹے پھوٹے سے قلعے ہیں۔ اس کا بازار بہت چھوٹا ہے۔ مگر کھجوروں اور باغوں کی کثرت ہے۔ اس کے پیچھے ساحل کے اوپر جبل الخدر ہے۔ جو ۹۹۰۰ فٹ بلند ہے اور سو میل کے فاصلے سے سمندر سے نظر آتا ہے۔ بارقہ میں ایک بلند مربع قلعہ ہے۔ مگر اس میں بھی سوائے جھونپڑیوں کے اور کچھ نہیں نظر آتا۔ یہاں سیب بڑی مقدار میں جمع کر کے اندرونی حصہ ملک میں بھیجا جاتا ہے۔ اس کا بازار اچھا خاصہ ہے۔ اور ابھی ابھی چند نئے یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے ہیں۔ چند جزائر گذرنے کے بعد سوبک کا قصبہ آتا ہے۔ اس کے بعد سوہر ہے جسمیں ... لوگ بستے ہیں اس شہر کے گرد دیوار کھنچی ہے۔ اور وسط میں ایک بلند قلعہ ہے جس میں

نتیج رہتا ہے۔ شہر سے بجانب مغرب بارہ میل کے فاصلہ پر ایک مینوی چوٹی ہلکے رنگ کی ہے۔ نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے آس پاس کھجوروں کے جھنڈ اور باغ ہیں۔ سوہر کے بعد شناص آلغبیرا اور ڈبہ آتے ہیں۔ اور موخر الذکر قریے بتنا کی حد سے باہر ہیں۔ اور سمندر اور پہاڑوں کے درمیان آباد ہیں۔

مسقط کے جنوب مشرق سے روانہ ہوکر راس الحد کیطرف آئیں تو پہلے ہم سوداب اور بندر جیسا کے پاس سے ہوکر گذریں گے۔ جب سے فرانسیسیوں نے جیسا کو سلطان مسقط سے لیکر جہازوں کے لئے کوئلہ کا گدام بنانے کی کوشش کی تھی۔ اُسوقت سے یہ قریہ بہت مشہور ہوگیا ہے۔ اسکا گھاٹ بہت عمدہ ہے اور یہ مسقط سے صرف پانچ میل کے فاصلہ پر آباد ہے۔ ۴۰۰ فٹ بلند کرارا شہر کے راستہ کی قدرتی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کے بعد ہم کریات۔ شیوا اور چند چھوٹے چھوٹے قریے گذر کر سوا پہنچیں گے۔ یہ قصبہ اچھا بڑا ہے۔ اور سمندر کی شاخ پر بنا ہوا ہے۔ مغرب کی سمت دو قلعے ہیں۔ اس قصبہ کی آبادی ۸۰۰۰ نفوس کی ہے۔ اور دو قبائل بنی ابو علی اور بنی جنبہ کے لوگ بستے ہیں یہ دونوں قبائل آپس میں چھری کٹار بنے رہتے ہیں۔ اندرونی علاقہ زمین کسی قدر زرخیز ہے اور کھجوروں کی جھنڈ بکثرت ہیں۔ سوا ہمیشہ سے بڑی منڈی رہا ہے۔ اسکی کشتیاں ہندوستان۔ زنجبار اور خلیج فارس کیطرف دورہ کرتی رہتی ہیں۔ یہاں کے لوگ دلیر ملاح ہیں۔ مگر سوا میں یہ ایک بڑی کمبختی ہے۔ کہ ابھی تک وہاں غلاموں کی تجارت ہوتی ہے۔ سوا کے پرے جبل صفران اور راس الحد ہے۔

راس الحد کے پار ساحل کا جو علم ہم کو حاصل ہوا ہے۔ اس کے لئے ہمکو اسسٹنٹ سرجن ایچ۔ جے۔ کارٹر کا مشکور ہونا چاہیئے کہ اُس نے اس علاقہ پر رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی بمبئی برانچ میں لیکچر دیا۔

اس ساحل پر دو بڑے عرب قبایل رہتے ہیں۔ مہرہ اور عزہ اول الذکر دراصل حضر موت سے وابستہ ہیں۔ مگر نقشہ میں جو حدود دکھائی گئی ہیں۔ وہ بالکل فرضی

اور غلط ہیں۔

ان میں سے کوئی قبیلہ بھی سلطان عمان کا ماتحت نہیں ہے۔ مہرہ لوگ قدیم حمیریوں کی نسل میں سے ہیں۔ اور حضرموت سے لیکر راس موریا تک ۲۰۰ میل طویل ساحل پر قابض ہیں۔ ان کا بڑا شہر ڈنکوٹ ہے۔ قد و قامت میں مہرہ لوگ دیگر عربوں سے پست ہیں۔ اور قبیح شکل ہیں۔ جب سلام کرتے ہیں ناک سے ناک ملا کر آہستہ آہستہ سانس کھینچتے ہیں۔ وہ چرواہیوں پر گذارہ کرتے ہیں۔ اور بڑے مفلس ہیں۔ ان کے سپاہی بہادر اور جاہل بالکل حیوان اور شیطان ہیں۔ ڈنکوٹ کے نزدیک کچھ مسجدیں ہیں۔ مگر ان کا کوئی مذہب نہیں اور کیپٹن کے قول کے مطابق وہ اسلامی نماز تک نہیں جانتے۔ اور اسلام کی تعلیم سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ ان کی زبان لطیف اور شیریں ہے۔ وہ اپنی زبان کا پرندوں کی بولیوں سے مقابلہ کیا کرتے ہیں۔ ان کی زبان قدیم حمیریوں کی زبان سے بگڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ لہذا علم زبان کی تحقیقات کے لحاظ سے بڑی قابل قدر ہے۔

قبیلہ جنیبہ مصیرہ اور جزائر کوریا موریا کے درمیانی ساحل پر آباد ہے۔ ان کا ملک پہاڑی ہے۔ پہاڑوں کے بالائی حصے سبزہ سے محروم ہیں۔ ڈھلوانوں پر چھوٹے چھوٹے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ جن میں لوبان بھی بکثرت ہے۔ تمام قبیلہ غاروں میں رہتا ہے۔ تاہم وہ خانہ بدوش ہیں۔ غار بغار پھرتے رہتے ہیں۔ اور سیاہ رنگ کپڑے کی ایک چادر کمر پر باندھتے ہیں۔ ان کی عورتیں آسمانی رنگ کے کپڑے کا ایک لبادہ سا پہنتی ہیں جو آگے کی طرف گھٹنوں تک اور پیچھے زمین سے رگڑتا رہتا ہے۔ پردے کا رواج بالکل نہیں۔ بچے ننگے ہی رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس تلواریں۔ سپریں۔ خنجر اور لوہے کے دستے والی بندوقیں ہوتی ہیں۔ ان کی خوراک دودھ۔ گوشت۔ شہد اور جنگلی پھل وغیرہ ہیں۔ سارا علاقہ شہد کے لئے مشہور ہے۔ یونانی جغرافیہ دانوں نے بھی اس کو شہد اور لوبان کا مخزن لکھا تھا۔ جنوبی عرب کا شہد جو پہاڑوں میں سے جمع کیا جاتا ہے۔ نہایت عمدہ ہوتا ہے

ٹولمی کے نقشہ عرب میں اس ساحل کے اندرونی علاقہ کو لیبونٹوفور ریگو (یعنی معطر علاقہ) کے نام سے لکھا ہے۔
پلینی نے اس علاقہ کو ریگو تھری فیرا (لوبان کا ملک) کر کے یاد کیا ہے۔ ابتداء سے ہی اس علاقہ میں خالص لوبان ہوتا ہے۔ کسی وقت اسکی تجارت سے یہاں کے لوگوں کو بڑا فائدہ پہونچتا تھا۔ کیونکہ مصر و ہندوستان کے مندروں میں اس کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا۔ یہودی اور تمام قومیں بھی اس کا استعمال کرتی تھیں۔ دنیا کی ابتدائی حالت میں لوبان کی تجارت ایسے زوروں پر تھی کہ سپرنگر نے عرب کے قدیم جغرافیہ کے چند صفحے اسی بحث میں صرف کئے ہیں۔ کہ یونان کا اثر دنیا کی تہذیب پر کیسا پڑا۔
اس زمانہ میں عرب ہی مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی ایجنٹ تھے۔ ملکہ سبا کی سلطنت تجارت یونان کی ہی بدولت مالا مال تھی۔ وہ حضرت سلیمان کے پاس بہت سا لوبان بطور تحفہ لائی۔ یہ لوبان اس قسم کا اور اتنا زیادہ تھا کہ پہلے کبھی کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اسلام کی ترقی۔ قدیم حمیری ریاستوں کی تباہی اور نئی اسید کا راستہ معلوم ہو جانے سے جنوبی عرب کی خوشحالی خاک میں مل گئی۔ ابھی تک یہاں سے لوبان دوسرے ممالک کو جاتا ہے۔ مگر اسکی مقدار بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ مئی اور دسمبر کے مہینہ میں درخت میں چیر دیتے ہیں۔ ایک مادہ اس چیر سے نکلکر جمع ہو جاتا ہے۔ اس مادہ کو ہی لوبان کہتے ہیں۔ پہلے یہ دودھ کیطرح سفید ہوتا ہے مگر جلد ہی سخت اور سیاہ رنگ کا ہو جاتا ہے۔ پھر مرد اور بچے اس کے مالکوں کیطرف سے اسکی نگرانی پر رکھے جاتے ہیں۔ وہ اسکو جمع کرتے ہیں۔

نواں باب

اونٹوں کا ملک

اگر میرے ناظرین کتاب اصلی ناقہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو مہربانی کر کے عرب

آئیں۔ کیونکہ یہ حیوان دُنیا کے کسی حصّہ میں نیز شام میں بھی ایسا نہیں پایا جاتا جیسا کہ عرب میں۔ اور جو شخص ناقوں کی قسم دیکھنا چاہتا ہے۔ اوسکو چاہیئے عمان تک سفر کرے جس طرح نجد گھوڑوں کے لئے کشمیر پشمینہ دار بھیڑوں کے لئے۔ نسبت لولی کتوں کے لئے مشہور ہے۔ اُسی طرح عمان اونٹوں کے لئے شہرۂ آفاق ہے۔

پالگریو ۔ سارا عمان خاصکر وہ علاقہ جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ عربوں میں اُم الغیب اونٹوں کی ماں کہلاتا ہے۔ پالگریو۔ڈوٹی۔ اور دوسرے عرب سیاح اسبات پر متفق ہیں۔ کہ عمان کا ناقہ تمام قسم کے اونٹوں کا سردار ہے۔ اور ڈوٹی کہتا ہے وہ مکہ میں اون ناقوں کی ایسی قدر ہے کہ عام اونٹوں سے اون کی تگنی قیمت پڑتی ہے۔

ایک شخص کو جب تک اونٹ کا علم نہ ہو۔ وہ نہ ہی عرب لوگوں کو نہ ہی انکی زبان کو سمجھ سکتا ہے عرب کے زیادہ حصّہ میں بغیر اونٹ کے موجودہ زمانہ میں زندگی کے دن کاٹنے ناممکن ہو جاتے۔ اور اونٹ نہ ہوتا۔ تو عربی زبان میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ ہیمبرگ سٹال کے قول کے مطابق عربی لغات میں اونٹ کے لئے ۵۹۵ مختلف نام دیئے ہیں۔ لغات میں ایک صفحہ بھی ایسا نہیں جسمیں اونٹ کا ذکر نہ آگیا ہو

عرب اونٹ کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ مگر اسکی قطع وضع کی تعریف نہیں کرتے برٹن نے اپنی کتاب گولڈ مائنز آف مڈین (Gold Mines of Midian) میں لکھا ہے کہ عربوں میں ایک روایت مشہور ہے کہ جب خدا نے گھوڑا پیدا کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ تو اُس نے جنوبی ہوا کو بلایا اور حکم دیا۔ "میں تجھ میں سے ایک نیا وجود بنانا چاہتا ہوں۔ اپنی لطافت کو چھوڑ کر جمع ہوجا" پھر خدا نے اُس ہوا میں سے ایک مٹھی بھر کر اُس میں روح پھونکدی۔ اور یہ چار پایہ پیدا ہو گیا۔ مگر گھوڑے نے اپنی بناوٹ پر اللہ سے شکایت کی۔ اور کہا کہ گردن میری اس قدر چھوٹی ہے کہ چلتے وقت فاصلے سے گھاس نہیں اوٹھا سکتا پیٹھ پر کوئی کوہان نہیں کہ کاٹھی ٹھیر سکے۔ سُم میرے تیز ہیں اور ریت میں دھس

جاتے ہیں۔ اس طرح اس نے کئی نقص بتائے۔ اسپنسر نے گھوڑے کی بیوقوفی
ثابت کرنے کو اونٹ پیدا کیا۔ اونٹ کو دیکھ کر گھوڑا کانپ اٹھا۔ اور دلیل کیا
اگر میری شکایت قبول ہو جاتی تو میری شکل بھی ویسی ہی ہو جاتی۔ اور یہی وجہ
ہے کہ اونٹ کو پہلی دفعہ گھوڑا دیکھ کر ڈر جاتا ہے۔ اونٹ خوبصورت نہیں۔ اگرچہ
عربی لغات میں خوبصورت اور اونٹ کے الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ اگر سفید
ہو تو پہلے درجہ کا ہے۔

یہ حیوان۔ ایران۔ ایشیا کوچک۔ افغانستان۔ بلوچستان۔ منگولیا۔ مغربی
چین۔ شمالی ہندوستان۔ شام۔ روم۔ شمالی افریقہ۔ اور ہسپانیہ کے بعض
بعض حصوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر عرب جیسا اونٹ کہیں نہیں ہوتا۔ کہنے
کو تو عرب کے اونٹوں کی بہت سی اقسام ہیں۔ مگر دو بڑی مشہور ہیں۔ ایک تو
جنوب عرب میں ہوتی ہے۔ یعنی ایک کوہان والا اونٹ۔ دوسری شمالی عرب
میں ہوتی ہے۔ یعنی دو کوہان والا اونٹ۔

یہ ہر دو قسم کے اونٹ اپنے اپنے علاقہ کے خوب حسب حال اور موزوں
ہیں۔ دو کوہان والے اونٹ کے بال لمبے ہوتے ہیں۔ وہ جنگلوں کی سخت
سردی برداشت کر لیتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب پیاس لگتی ہے۔ برف چبا جاتا ہے
ایک کوہان والے اونٹ کے بال چھوٹے ہوتے ہیں۔ زیادہ سردی برداشت
نہیں کر سکتا۔ مگر پیاس اور گرمی کی پروا نہیں کرتا۔ عرب دو کوہان کے اونٹ
کو پسند نہیں کرتے۔

اونٹ چھوٹے سموں والا گھوڑا ہے۔ ناقہ رہوار ہے۔ اونٹ جسیم بھاری
سموں والا ہے ٹھنگا بیکار سے کھانے والا ہوتا ہے۔ ناقہ کے بال خوبصورت
ہوتے ہیں۔ قدم ہلکا اٹھتا ہے۔ صاف چلتا ہے۔ اور پیاس کو بہت برداشت
کرتا ہے۔ اونٹوں کا قافلہ مال گاڑی کے برابر ہے۔ ناقوں کا قافلہ ڈاک گاڑی
کے برابر ہے۔ ایک معمولی قافلہ دن میں چھ گھنٹے اور فی گھنٹہ تین میل چلتا ہے
مگر ایک عمدہ ناقہ دن میں ستر میل طے کر جاتا ہے۔

افریقہ کے ایک سوداگر نے بدو لی کو کہا۔ کہیں نے القاسم سے ملاقات

اور پھر طائف سے القاسم تک ۱۰۰ میل سفر چند دن میں کیا ہے۔ ایک دفعہ حسین اللہ
السلمی نے جمعہ کی نماز پڑھ کر اپنے ناقہ پر سوار ہوا۔ اور ۴۰۰ میل کا فاصلہ طے کر کے
اگلے جمعہ کو دمشق کی جامع مسجد میں نماز میں شامل ہو گیا۔

کہتے ہیں عمان میں ڈاک لیجانے والا ۲۰۰ میل سے زیادہ سفر کر کے تین دن
میں دمشق میں جا کر ڈاک دیتا ہے عربوں میں ایک ضرب المثل ہے کہ جو اونٹ
خدا کی نعمتوں میں سے دی ہوئی ہے اقتباس ... اس بات کو سنکر تعجب نہ ہونا
چاہئے کہ مکہ کا دستور خوش ... والا کا ... اونٹ مصر کے راستہ
شام کی طرف لے گیا۔ اور پھر واپس لایا کافروں کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے
کی ہدایت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اور کہا تھا اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیس
طرح بنائے گئے ہیں۔

اونٹوں کا بیان کرنا گویا صحرا نشینوں پر حجت حق ہے اوسکا بیان کرنا ہی
اونٹ کی بناوٹ کی ہر کل کسی نہ کسی ظاہر حکمت پر مبنی ہے۔ اس کی لمبی گردن اسکو
اس قابل بنا دیتی ہے کہ صحرا میں راستے کے اوپر اوگے ہوئے جھاڑیاں کھا لے۔ اسکا
سخت اور کھردرا ہونٹ اسکو خاردار اور سخت جھاڑیاں کھانے میں مدد دیتا ہے۔
اوس کے کان بہت چھوٹے ہوتے اور نتھنے بہت بڑی ہوتی ہیں۔ مگر جب باد سموم
چلتی ہے۔ وہ نتھنوں کو بند کر لیتا ہے۔ اسکی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں۔ مگر اوپر کی طرف
پردہ ہوتا ہے تاکہ سورج کی کرنوں سے بچا رہے۔ اوس کے چپٹے پاؤں سوار
اور خود اس کے لئے موجب آرام ہیں۔ پاؤں کے نیچے جو غار دار سی گدی ہے
وہ گرم ریت سے اوسکو بچاتی ہے۔ اوسکا کوہان بوجھ ہی قبول نہیں۔ بلکہ اس میں
چربی ہوتی ہے۔ اور قدرت نے بالیدگی غذائی کا ذخیرہ رکھی ہے۔
اس کے معدے میں جو پانی کا خانہ ہے۔ اس میں مفید ہے۔ یہ اسی کی بدولت
ہے کہ یہ حیوان پانچ روز تک پانی کے بغیر گذارہ کر لیتا ہے۔ اونٹ کے اوپر
کے دانت غریب تیز ہوتے ہیں۔ اسکا چبانا کار آمد ہے۔ ریڑھ کی ہڈی بڑی
مضبوط ہوتی ہے تاکہ بہت سا بوجھ سہار سکے۔ ایک طاقتور اونٹ ۱۰۰۰
پونڈ بوجھ اوٹھا لیتا ہے۔ مگر عام طور پر ۵۰۰ پونڈ سے زیادہ نہیں لادتے۔

اونٹ دراصل ایک پالتو جانور ہے۔ عربوں کا اسپر بڑا دارمدار ہے۔ گوبر وغیرہ۔ خیموں۔ رسیوں۔ شالوں کے لئے بال دیتا ہے۔ جب مرجاتا ہے۔ چمڑا ہڈیاں اور گوشت دیتا ہے۔ اونٹ نقش پا بھی صحرا میں بڑا غنیمت ہی۔ اگر پاؤں ہلکا پڑے۔ تو اوس کا نشان نہیں پڑتا۔ مگر بدو لوگ اونٹ کے پاؤں کے نشان کو فوراً پہچان لیتا ہے۔

اونٹ کے خصائل اور عادات کے متعلق رائے میں اختلاف ہے۔ لیڈی ڈین بلنٹ کی رائے ہے۔ کہ اگرچہ اونٹ سے بہت ہی بدسلوکی ہوتی ہے تاہم وہ بڑا صابر حیوان ہے۔ پالگریو بالکل اس کے برعکس رائے ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ جب میں انگلستان میں تھا۔ میں نے حلیم اونٹ کے متعلق کئی دفعہ سنا اور پڑھا تھا۔ اگر حلیم کے معنی بیوقوف۔ احمقانہ اور بعد کے ہیں تو اونٹ بیشک حلیمی کا مجسم نمونہ ہے۔ لیکن اگر حلیم سے مطلب یہ ہے کہ حیوان اپنی سمجھ کے موافق سوار کو آرام دے۔ اور سوار کے منشاء کے موافق چلے جیسے گھوڑا اور ہاتھی چلتا ہے۔ تو اس لحاظ سے اونٹ بالکل حلیم نہیں۔ بلکہ ٹھیک اس کے برعکس ہے۔ وہ تم کو پھینکنے کی بھی کوشش نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ شرارت اسکی سمجھ سے باہر ہے۔ لیکن اگر تم خود گر پڑے تو وہ تمہاری خاطر کھڑا بھی نہ ہوگا۔ اور اگر وہ اپنی جگہ سے نکل جائے تو واپس نہیں آئیگا۔ صرف وہ ایک علامت ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ جانتا ہے کہ اوسپر اب کوئی سوار ہونے لگا ہے۔ جب اوسپر سوار ہونے لگو وہ اپنی لمبی گردن پیچھے کی طرف موڑتا ہے۔ اور کاٹنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ گویا کہ سمجھتا ہے۔ اوسپر بڑا ظلم ہورہا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ شروع سے لیکر آخر تک ایک وحشی حیوان ہے۔ اور وحشیانہ طریقہ سے ہی قابو میں آتا ہے نہ تو اسکو آدمی سے انس ہوتا ہے۔ نہ ہی عادت اوسپر کوئی اثر کرتی ہے۔ وہ کبھی بھی مانوس نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ بالکل جنگلی نہیں۔ تو جنگلی حیوانوں جیسا ضرور ہے ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حسا اور یمن میں جن اونٹوں پر ہم سوار ہوئے تھے وہ پالگریو کے اونٹوں سے بدرجہا زیادہ مطیع اور فرماں بردار ضرور تھے۔

پچھلے دنوں تک عمان کے وسطی علاقہ کے متعلق صرف تیسر۔ ویلسٹڈ (۱۸۳۵ء) وایٹ لاک (۱۸۳۹ء) ایلوٹی (۱۸۴۳ء) اور پالگریو (۱۸۶۳ء) کے ہی بیان شدہ حالات ہمارے پاس تھے۔ پالگریو نے صرف ساحل کی سیاحت کی تھی۔ اور اندرونی علاقہ پر جو کچھ اُس نے لکھا۔ وہ محض ایک داستان تھی۔ موخر سیاحوں نے جبل اخضر کے بڑے بڑے شہروں کو دیکھا۔ اور لفٹننٹ ویلسٹڈ نے جو کچھ اپنی کتاب سیاحت عرب میں لکھا تھا۔ اُس کی تصدیق کی۔ مگر بدقسمتی سے ویلسٹڈ عربی بول چال نہ جانتا تھا۔ اور وہ خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اُس کو لوگوں کی باتیں سمجھنے میں سخت دقت ہوتی تھی۔

بیجر لکھتا ہے وہ اُس صوبہ کے متعلق صرف ویلسٹڈ کا ہی بیان قنشہ ہے جو ذاتی مشاہدہ پر تیار کیا گیا ہے۔ مگر اس میں بھی اُس بیشمار قصبوں اور قریوں کا نام نہیں۔ جو اُس سڑک کے پار ہیں۔ جہاں اجنبیوں کو جانے کی مخالفت ہے۔ اور اس بات سے گورنمنٹ ہند پر الزام آتا ہے۔ کہ حالانکہ ایک صدی سے اوس کے پولیٹکل اور تجارتی تعلقات عمان سے ہیں۔ تاہم ہم ساحل کے سوا اُس ملک کا کچھ بھی نہیں جانتے۔" بیجر نے مندرجہ بالا الفاظ اپنی کتاب تاریخ عمان میں ۱۸۷۱ء میں لکھے تھے۔

اور اگرچہ کرنل مائلز اور دوسروں نے جبل اخضر کا علاقہ دیکھا ہے۔ مگر اُس کے پرے کے تمام ملک کے حالات ابھی تک تاریکی میں ہیں۔ کوئی شخص ابھی تک پہاڑی سلسلہ سے پار نہیں گیا۔ اور مغربی عمان کا علاقہ تا ابندم ایک راز سربستہ ہے اور اسکی جگہ نقشہ پر خالی پڑی ہے۔ ہمکو جنوب مغربی مسقط کے بھی ۱۰۰ میل کا کوئی حال معلوم نہیں

عمان کے مرتفع علاقہ تین اضلاع میں منقسم ہو سکتے ہیں۔ مشرق کیطرف جعلن۔ جو جبل صفران سے جبل قنلہ تک ہے۔ خاص عمان جو جبل اخضر پر واقع ہے۔ الظاہرہ جو جبل اوکدت کی مشرقی ڈھلوانوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان ضلعوں میں سب سے زیادہ آباد اور زرخیز جبل اخضر ہے۔ اس کے حالات بھی اچھی طرح معلوم نہیں۔ سارے علاقہ کی سرسبزی دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ اس علاقہ

وادی خلیج میں سے گذرتا ہے۔ وہ تترایا شتور سے شروع ہوتا ہے۔ پہاڑی سلسلہ کے مشرقی کنارے پر رستنک۔ نخل اور سومیل بڑے شہر ہیں۔ ان سے آگے تیتیوف بھیلا اور شیزوا ہیں۔ تمام بڑے شہروں کو پانی بکثرت ملتا ہے۔ ان سرسبز نخلستانوں کے درمیان ایک شخص سارا دن پتھریلی وادی میں چلتا رہتا ہے۔ یا کسی آتش فشاں پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے۔ یا مشکل گذرگاہوں سے گذرتا ہے۔ یا وسیع صحراؤں پر سے عبور کرتا ہے۔ راستہ میں کوئی انسان یا مکان نظر نہیں آتا۔ ہاں کہیں کہیں کوئی قافلہ مل جاتا ہے۔ اہل قافلہ کندھوں پر بندوقیں رکھے۔ اپنی زبان میں گاتے جاتے ہیں۔

نخل سے لہیگا تک جو جبل اخضر کے دامن میں واقع ہے۔ ایک دن کا سفر ہے وہاں پہاڑی قریہ۔ اوکن اور کوتیا پاس ہی ہیں۔ ان قریوں اور تیز پہاڑوں پر ایک جفاکش پہاڑی قبیلہ بنی ریم رہتا ہے۔ خط وخال اور عادات میں یہ قبیلہ دوسرے عمان قبائل سے بالکل مختلف ہے۔ ان تمام پہاڑوں پر لوگ با امن زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے پاس وادی قبائل کی نسبت بندوقیں بھی بہت کم ہیں۔ وادی کے لوگوں میں تو ہر شخص کے پاس اعلیٰ قسم کی انگریزی یا جرمن رائفل ہوتی ہے۔

لہیگا سے ہم بلندی پر چڑھنے شروع ہوئے۔ اور آدھا دن چڑھنے کی بعد دوپہر کے وقت درہ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ میرے سرومیٹر کے مطابق اس چوٹی کی بلندی ۷۰۵۰ فیٹ تھی۔ ہم نے ایک ہموار چٹان پر جس سے وادی حتبل کا جس میں بنی رد عید آباد ہے منظارہ نہایت بھلا معلوم ہوتا تھا۔ بیٹھ کر روٹی کھائی اور ایک مشک میں سے پانی پی کر شکر خدا بجا لائے۔ چوٹی پر سے نیچے اتر کر ہم ایک مرتفع میدان میں جس کی بلندی ۶۲۰۰ فٹ تھی آئے۔ اور غروب آفتاب کے وقت شیروخہ کے خوبصورت قریے میں پہونچے۔ یہ قریہ ایک نیم دائرہ فاصلہ میں جو چند سو فیٹ گہرا ہے آباد ہے۔ اس میں سیب۔ شفتالو۔ انار۔ انگور اور ترکئی دیگر پھل بکثرت ہوتے ہیں۔ سردی میں برف بھی پڑتی ہے۔ گرمی میں پارہ ۸۰ درجہ سے اوپر نہیں چڑھتا۔ مارچ میں پارہ ۴۰ درجہ پر تھا۔ اور ہم ایک بیٹھک میں بیٹھ کر آگ

سیکھتے تھے۔ ایک سو عرب ہماری ملاقات کو آتے تھے۔ اور عربی غزلیں سنا کر
دل بہلاتے تھے۔ ایسی موقعہ کو ہاتھ سے دینا سراسر حماقت۔ چونکہ لوگ کا منتکا
تھے۔ ان کو بیج بونے والے (بیج سے مراد ہے) کے حالات میں انٹرسٹ تھا
پس ہم اُن کے حالات سنتے اور اُن کی تشریح کرتے۔ ہم دشوار گذار پہاڑوں
میں سے ہوتے ہوئے تینوف پہونچے۔ عمان کا پرانا دارالخلافہ نزوہ تینوف سے
تین گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ اس ایک بڑا قلعہ ۲۰۰ فٹ طویل پتھر اور چونے کا
بنا ہوا ہے۔ ہم نے سونیل کے راستہ مسقط جانے کا ارادہ کیا۔ مگر نزوہ کے
حالات نے سڑک کو مخدوش بنا رکھا تھا۔ پس ہم نے پھرا نہیں پہاڑوں میں سے
واپس جانے سرآب و ہوا کھانے اور لوگوں کی دوستی کا لطف اٹھانے کا
فیصلہ کیا۔ ہم نے پنے سفر کے چار دن میں اکیس روز سفر میں رہ کر مسقط
آن پہونچے؏

دسواں باب

خلیج فارس کے جزائر جو موتیوں کیلئے مشہور ہیں

ایک شام کو محمد بن ثنیعی نے مجھ کو کہا "ہم تمام اعلیٰ سے نیکراد نے تک ایک
ہی آقا یعنی سونی کے غلام ہیں" اور اسکا یہ کہنا بے محل نہ تھا۔ ہر ایک شخص
موتی کا ہی ذکر اور اسی کا فکر کرتا ہے۔ دوسری تمام باتیں بطور تفریح ہوتی
ہیں۔ الگرتو۔

ساحل عرب کے مشرق میں فاصلہ پر خلیج فارس کے نصف راستہ پر جزیرہ
نما القطر اور ترکی صوبہ الاحسا کے درمیان بحرین کے جزیرے ہیں۔ یہ نام
پہلے پہل اُس تمام مثلث نما علاقہ کے جو خلیج کے کھارے پانی اور دجلہ و فرات
کے شیریں پانی کے درمیان واقع ہے۔ دیا گیا تھا۔ اس واسطے اس کا نام
بحرین یا دو سمندر رکھا گیا۔ مگر جب سے برگ جیرڈ ٹ کا نقشہ بنا ہوا ہے یہ

نام مجمع البحرا یئر تک محدود کر دیا گیا ہے۔ صرف بڑے جزیرہ کو ہی بحرین کہتے ہیں۔ دوسرے درجہ پر جو جزیرہ ہے اوسکا نام مہارک ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ چونکہ اس جزیرہ میں ہندو تجار اپنے مردے جلاتے تھے۔ اس کا نام مہارک پڑ گیا۔

بڑا جزیرہ شمالاً جنوباً ستائیس میل لمبا ہے۔ اور دس میل چوڑا ہے۔ اس کے وسط میں ایک مرتفع میدان ہے جو بالکل خشک بنجر ہے۔ شمالی حد سے بارہ میل ادہر آتش فشاں پہاڑیاں ہیں۔ جو ۴۰۰ فٹ بلند ہیں۔ ان پہاڑیوں کو جبل دخان کہتے ہیں۔ جزیرہ کے نصف شمالی حصہ میں پانی بکثرت ہے۔ زیادہ پانی کے کئی چشمے ہیں۔ جن کا پانی نیم گرم ہے۔ جزیرہ کا یہ حصہ کھجوروں۔ اناروں اور دیگر درختوں کے باغات سے معمور ہے۔ کنارہ ہر جگہ نیچا ہے۔ اور خلیج کا پانی دور تک کم ہے۔ اور جب پانی چڑھا ؤ پر ہو۔ تو کشتیوں کو ساحل سے ایک چوتھائی میل ادہر ہی لنگر ڈالنا پڑتا ہے۔

جزیرہ کی کل آبادی ۰۰۰۰ھ کے قریب ہے۔ باشندے سب مسلمان ہیں ۱۰۰ کے قریب بنئیے ہیں۔ جو سندہ اور ہند سے گئے ہوئے ہیں۔ شمالی کنارہ پر منمہ کا ایک قصبہ آباد ہے۔ یہ برلب سمندر ایک میل تک چلا گیا ہے۔ آبادی اسکی ۰۰۰۰۱ نفوس کی ہے۔ مکان بالکل خراب اور زیادہ چھوٹے ہیں۔ یہ شہر سارے مجمع الجزائر کا تجارتی مرکز ہے۔ یہاں ایک ڈاک خانہ اور چونگی گہر ہے۔ منمہ سے کچھ فاصلہ پر بلاد القدیم کا پرانا شہر ہے۔ یہاں عالیشان مکانات کے کھنڈرات اور ایک خوبصورت مسجد دو میناروں والی ہے۔ مسجد بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے کتبے کوفی رسم خط میں لکھے ہوئے ہیں۔ بعض جگہ مسجد کی نئی مرمت کی ہوئی ہے۔ اور بعض کتبے نئی عربی طرز میں منقش ہیں۔

ان جزائر کا سب سے بڑا چشمہ الدھاریں کہلاتا ہے۔ یہ چشمہ ایک کنڈ سے جو تیس گز طول و عرض ہیں اور کم از کم تیس گز گہرا ہے نکلتا ہے۔ اس میں سے ایک ندی بہتی ہے۔ جو چھ یا آٹھ فیٹ چوڑی اور دو فیٹ گہری ہے۔ اس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ عرب میں پانی کی کثرت ہے۔ جزیرہ مہارک کے نزدیک ایک سمندر کے

نیچے تازہ پانی کے چشمے ہیں۔ جو ہمیشہ پانچ فٹ گہرے کھارے پانی سے ڈھپے رہتے ہیں۔

بحرین کے ان تازہ پانیوں کے چشموں کا سرچشمہ عرب کے پہاڑوں میں ہے دریائے افتان جس کو پرانے نقشوں پر خلیج فارس میں گرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ زمین دوز دریا تھا۔ اور یہی پرانے جغرافیہ دانوں کو معلوم تھا۔

اگر مصر کی رحمت دریائے نیل ہے۔ اور بحرین کی برکت صدف سے ہے۔ اگر زمانہ قدیم میں یہ جزیرے مشہور تھے۔ تو محض صدف کی بدولت۔ اور اگر فی زمانہ ان کی قدر ہے۔ تو محض صدف کی طفیل۔ بحرین میں سب سے بڑا کام موتی نکالنا ہے۔ وہیں یہ کام جون سے لیکر اکتوبر تک کیا جاتا ہے۔ اور اگر گرمی کا موسم قبل از وقت آجائے تو یہ کام زیادہ عرصہ تک بھی جاری رہتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ان جزائر کے سارے لوگ اسی کام میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور سارے موسم بھر قہوہ خانوں اور مجلسوں میں سوائے موتیوں کے اور کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا۔ موتی تمام دیگر قیمتی پتھروں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ کیونکہ اس کو کندن دینے کے لئے انسانی ہاتھ کی ضرورت نہیں۔ موجودہ سائنس داں کہتے ہیں کہ صدف میں کوئی غیر مادہ داخل ہو جانے سے اسکی رطوبت میں فرق آجاتا ہے۔ اور اس سے موتی بنجاتا ہے۔ یا صاف الفاظ میں یہ کہ موتی نتیجہ ہے صدف کی بیماری کا۔ مگر عربوں میں موتی کے متعلق کئی توہمات پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے شاعر کہتے ہیں کہ جزیرہ سنگلدیپ اور بحرین کے کناروں پر کھلے ہوئے صدف میں مینہ کا قطرہ پڑ جاتا ہے۔ قطرہ پڑتے ہی صدف کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ اور وہ قطرہ موتی بن جاتا ہے۔ موتی کی مقدار قطرہ کی مقدار پر منحصر ہے۔ خدا کی قدرت کاملہ پر غور کیجئے۔ گہرے نیلے سمندروں کی آغوش میں سب جواہرات سے زیادہ آب و تاب والا موتی پنہاں رہتا ہے۔ اور یہ موتی عربوں کی نظر میں سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ صدف سطح سمندر سے چالیس ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ اور اس کے نکالنے میں از بس وقت اور تکلیف ہوتی ہے۔ موتیوں کی پونڈوں۔ شلنگوں میں باآسانی قیمت لگ سکتی ہے۔ ۱۹۲۶ء میں بحرین سے ۴۳،۹۰،۳۰۰ پونڈ مالیت کے موتی باہر گئے۔ بحرین میں نوسو کشتیاں اسکام

ہیں مصروف ہیں۔ اور ہر ایک کشتی کے حصّہ میں ۴۰۰۱ روپے آتے ہیں خلیج فارس کے دوسرے کناروں سے بھی ہزار ہا کشتیاں اس غرض کے لئے آتی ہیں۔ یہ کسی قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ غوطہ زنوں کو اُن کی محنت کے مقابلہ میں بہت کم اُجرت ملتی ہے۔ تبادلہ سسٹم میں وہ سخت گھاٹے اور ٹوٹے میں رہتے ہیں۔ وہ ہر ایک چیز اپنے ماسٹروں سے خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

وہ اپنے مالکوں کے اتنے مقروض ہوتے ہیں کہ ایک طرح اُن کے غلام ہو جاتے ہیں۔ کشتیاں سوداگروں کی ہوتی ہیں۔ اور ملاحوں کو بہت کم تنخواہ دیجاتی ہے جب کبھی وہ بڑی مقدار کا موتی نکالیں۔ تو کچھ انعام بھی مل جاتا ہے۔ ورنہ وہی ملنگوں کی طرح اپنے دن گذارتے ہیں۔ موسم سرما میں یہ غوطہ زن کام نہیں کرتے۔ اسوجہ سے وہ سخت مقروض ہو جاتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ گرمی میں کماتے ہیں۔ اس قرضہ کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ قمار بازی کے بہت عادی ہو گئے ہیں۔ ایک مفلس ترین غوطہ زن بھی اپنی کمائی جوئے میں لگانے سے دریغ نہیں کرتا۔ خلیج فارس میں تیس ہزار غوطہ زن اور پانچہزار کشتیاں ہیں۔ مگر موتی نکالنے سے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ فائدہ اون عربوں اور ہندو دلالوں کو ہوتا ہے جو براہ راست برلن۔ لندن۔ اور پیرس سے لین دین کرتے ہیں۔ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جانے سے موتی کی قیمت دگنی ہو جاتی ہے۔ اور بعض وقت بمبئی پہونچنے سے پہلے ان کی قیمت تین گنا اضافہ ہو جاتی ہے۔

غوطہ زن اُسی دقیانوسی طرز میں کام کرتے ہیں۔ ان کی کشتیاں ایسی ہی ہیں جیسی کہ ان کے بزرگ ۱۶۲۲ء میں پرتگیزوں کے اخراج کے وقت استعمال کرتے تھے۔ اگر سندباد الف لیلہ کے ملاح ابھی قبر سے اُٹھ کر آجائیں۔ تو وہ فوراً ان کشتیوں کو پہچان لیں۔ کہ یہ تو میرے وقت کی ہیں۔

یہ کشتیاں تین قسم اور قد و قامت میں مختلف ہوتی ہیں۔ ان کو بغرات شتوئی۔ اور بتیل کہتے ہیں۔ یہ کشتیاں ہندوستانی لکڑی کی خوب اور عمدہ بنی ہوتی ہیں۔ باقی قسم کی کشتیاں بحرین کی ساختہ ہوتی ہیں۔ صرف اون کی چوبیاں بمبئی سے بن کر آتی ہیں۔ بادبان اور رسے منیمہ میں بنائے جاتے ہیں۔ زنجیریں

جو کشتیوں کو اکٹھا کرنے کے کام آتی ہیں۔ ان کو بحرین کے لوہار بناتی ہیں۔
ہر ایک کشتی میں ایک کیبنٹ ہوتی ہے۔ اور اس پر اس بھیڑ یا بکری کی پوستین
پڑی ہوتی ہے۔ جو کشتی اُتارتے وقت قربانی دیگئی تھی۔ یہ باتیں زمانہ جہالت کی
ہیں۔ اور خونخواری کا چسکہ پیدا کرتی ہیں۔ اسلام نے ان باتوں کو بیخ و بن سے
نہیں اکھاڑا۔ عرب کی پرانی تاریخ پڑھیئے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اسلام نے
زمانہ جہالت کی غلط کاریوں کو بیخ و بن سے اکھاڑا ہے یا نہیں۔ تمام ملاح
اس کشتی پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ جس کے نام پر قربانی ہو چکی ہو۔ بڑی کشتیوں میں
بیس سے لے کر چالیس تک آدمی ہوتے ہیں نصف غوطہ مارنے کے لئے۔ باقی نصف
رسّا پکڑنے اور کشتی چلانے کے لئے۔ ہر ایک کشتی میں ایک آدمی المصلح یا دعا مانگنے
والا ہوتا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ جب کوئی نماز پڑھے۔ یا روٹی کھانے کے لئے کام
چھوڑے۔ تو اوسکی جگہ کام کرے۔ اُس کے سپرد کوئی باضابطہ کام نہیں ہوتا جب
وہ کسی شخص کا قائم مقام نہیں ہوتا۔ تو چاول یا مچھلی پکانے میں مصروف رہتا ہو۔ اس
واسطے اسکو الغیلاس بھی کہتے ہیں۔

غوطہ زن غوطہ زنی کے وقت اپنے کام کے حسب حال کپڑا نہیں پہنتے
فقط ایک samaltazna اور ضبحت khaalsanha۔ پہن کر ہی سمندر میں
اوتر پڑتے ہیں۔

اول الذکر ناک پر چڑھاتے ہیں۔ تاکہ اوپر پانی نہ گرے۔ موخر الذکر دستانوں
کی طرح انگلیوں پر چڑھاتے ہیں۔ تاکہ ٹٹولتے وقت سمندر کی تہ سے رگڑ کر
انگلیاں زخمی نہ ہوں۔ جس وقت موتی نکالنے کا موسم قریب آجاتا ہے۔ بازاروں
میں ان دستانوں کے ٹوکرے بھرے ہوتے ہیں۔ ہر ایک غوطہ زن ایک موسم
میں ان کے بیس جوڑے خرچ کرتا ہے۔ غوطہ زن کو ایک ٹوکری اور پتھر بھی دیا
جاتا ہے۔ اس پتھر پر غوطہ زن پاؤں رکھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے ایک رسّا جو غوطہ
زن کے انگوٹھوں سے گذرتا ہے۔ باندھا جاتا ہے۔ دوسرا رسّا غوطہ زن اور ٹوکری
سے باندھا جاتا ہے۔ اس رسّی کے ذریعہ غوطہ زن اوپر کھینچنے کا اشارہ کرتا ہے
اعلیٰ ترین غوطہ زن دو یا تین منٹ پانی میں رہتا ہے۔ اور جب وہ اوپر آتا ہے

دس میں سے نو حصہ اوسکا دم گھٹا ہوتا ہے۔ لبعض بالکل بیہوش ہو جاتے ہیں اور اکثر اسی بیہوشی کی حالت میں عدم کو چل دیتے ہیں۔ غوطہ زنوں کو اکثر بہرہ پن اور گٹھیا کی بیماری ہو جاتی ہے۔ اور عربیوں میں کئی غوطہ زن ایسے ہیں کہ ان کے دانت خوبصورت نہیں۔

شارک (ایک قسم کی مچھلی) یہاں بکثرت پائی جاتی ہے۔ اور وہ اکثر غوطہ زنوں پر حملہ کرتی ہے۔ مگر بحرین کے غوطہ زن شارک سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا کہ ایک قسم کی چھوٹی مچھلی سے ڈرتے ہیں۔ یہ چھوٹی مچھلی جسم کے کسی حصہ کو چمٹ کر سارا خون چوس لیتی ہے۔ اس بلا سے بچنے کے لئے وہ موسم کے شروع میں جبکہ یہ بکثرت ہوتی ہے مضبوط سفید کپڑا پہن لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس چھوٹی مچھلی کی عجیب عجیب باتیں سناتے ہیں۔

غوطہ زن کشتی پر ہی اسوقت تک رہتے ہیں۔ جب تک اون کے پاس تازہ پانی رہے۔ یہ پانی تین چار ہفتوں کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ صدفوں کو نکال کر رات بھر تختے پر رکھ دیتے ہیں۔ اور صبح کو ایک خمیدہ چاقو سے اُس کو کھول لیتے ہیں۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے صدفوں کو ردی سمجھ کر پھینک دیا کرتے تھے۔ مگر اب یہ صدف اچھی قیمت پاتے ہیں۔ اور لکڑی کے صندوقوں میں بند کر کے بمقدار کثیر باہر بھیجے جاتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء میں ۴۲۹۷۵ پونڈ مالیت کے صدف باہر گئے۔

عرب مجھے متعجب ہو کر پوچھتے تھے۔ کہ عیسائی ان خالی صدفوں کو کیا کرتے ہیں۔ اس کے متعلق ان کے عجیب عجیب خیال تھے۔ وہ کہتے تھے کہ شاید انکو پیس کر یہ لوگ مصنوعی موتی بناتے ہیں۔

جب موتی کنارے پر لائے جاتے ہیں۔ تو سوداگر ان کے وزن۔ قدامت شکل و صورت۔ رنگ۔ اور چمک کے موافق ان کی تقسیم کرتے ہیں۔ یہ موتی گول بیضوی چپٹے۔ سفید۔ زرد۔ سنہری۔ گلابی۔ نیلے۔ زمردی۔ سبز۔ بھورے۔ خاکی اور سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔ میں نے ایک موتی کو کن بیر کے برابر دیکھا ہے اوسکی قیمت ہزاروں ہی روپیہ تھی۔ مگر ایسے عرب بھی موجود ہیں جو پیغمبر (صلعم) کی ریش (مبارک) کی قسم کھاکر کہ چونکہ نبی کی ریش کا ہر ایک بال متبرک ہوتا ہے

کہیں گے۔ کہ ہم نے کبوتر کے انڈے کے برابر موتی دیکھے ہیں۔ موتیوں کے سوداگر
ان کو چمڑے کی تھیلیوں میں بند کر کے رکھتے ہیں۔ اور پیتل کے چھوٹے چھوٹے ترازو
میں تولتے ہیں۔ موتیوں کی قدامت کا اندازہ چھ چھلنیوں سے جن کو طاس
کہتے ہیں کیا جاتا ہے۔ پہلے ان کو سب سے بڑی چھلنی میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کے سوراخ
بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جو موتی ان سوراخوں میں سے نہ گریں ان کو راس کہتے ہیں
ایسے موتی بڑی قیمتیں پاتے ہیں۔ مگر ان کی قیمت کا زیادہ دارومدار وزن اور
شکل پر ہوتا ہے۔

دوسرے درجہ کی قدامت والے موتیوں کو بطن کہتے ہیں۔ اور تیسرے
درجہ کی موتیوں کو ذیل۔ رنگ کی قدر و قیمت اپنے مذاق کے مطابق ہے
یورپ والے سفید موتیوں کو۔ اور اہل مشرق سنہری۔ زرد اور سیاہ موتیوں
کو پسند کرتے ہیں۔ موتی بھیجے جانے سے پیشتر ریتا میں صاف کئے جاتے ہیں
ریتا ایک قسم کا دیسی صابون ہے۔ جو موتی چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان کو
کھجور کی کھانڈ سے صاف کیا جاتا ہے۔ پھر ان کو تھیلیوں میں بند کر کے فروخت
کیا جاتا ہے۔ ہر ایک تھیلی میں مساوی قیمت کے موتی بند ہوتے ہیں۔ ایسے
لوگوں سے جن میں ذرا پاسداری ہے موتیوں کی قیمت مطابق محصول چونگی
وصول کرنا ازبس مشکل ہے۔

بحرین کے جزائر میں کھجوریں بہی پیدا ہوتی ہیں۔ اور گدھوں کی بھی
تجارت ہوتی ہے۔ یہاں کے گدھے تمام خلیج فارس میں مشہور ہیں۔ ایک عمدہ
بحرین کا گدھا سواری میں ایک عام گھوڑے جتنا کام دیتا ہے۔ بادبان کے
علاوہ یہاں پگڑیوں کے لئے موٹا اور بھدا کپڑا نیز کھجوروں کے پتوں کے بورئے
بنتے ہیں۔ یہ بوریئے کاریگروں کا اعلے نمونے ہوتے ہیں۔ بحرین میں ممالک
غیر سے چاول۔ لباطی کا مال۔ اور شہتیر آتے ہیں۔ اور یہاں سے مشرقی عرب کو
بھیجے جاتے ہیں۔ بحرین کی تین چیزیں اجنبی مسافروں کو دکھائی جاتی ہیں۔ موتیوں
کا نکلنا۔ تازہ پانی کے چشمے۔ اور قصبہ علی کے پرانے کھنڈرات۔ یہ کھنڈرات
بیت الاولیں دیہلوں کے گھر ہیں۔ کہتے ہیں۔ یہ لوگ حد سے تجاوز کر گئے۔

تو خدا نے اون کو تباہ کر ڈالا۔ کھجوروں کے باغوں میں ایک گھنٹہ سواری کرنے کے بعد ہم علی پہونچ سکتے ہیں۔ دور سے ان آووں کا دہواں نظر آتا ہے۔ جن میں مٹی کے برتن پکائے جاتے ہیں۔ کمہار چکر کو پھیرتا جاتا ہے۔ اور پاؤں یا ہاتھ سے برتن بناتا جاتا ہے۔ مگر اسباب کا خیال نہیں کرتا کہ برتن کی قطع وضع اچھی ہو۔ گاؤں کے جنوب اور مغرب میں سارا میدان ٹیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ٹیلے مقدار میں کم از کم تین سو ہونگے۔ اور اون میں جو سب سے بلند تھا۔ ۴۰ فٹ اونچا تھا۔ ان میں سے ایک یا دو ٹیلوں کی تلاش کی گئی ہے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں مسٹر تھیوڈر بنیٹ نے اپنی بیوی سمیت ان کی تحقیقات کی تھی۔ اور اس اچھی کامیابی ہوئی تھی۔ مگر اس کے بعد کوئی تحقیقات نہیں کی گئی۔ حالانکہ اس میدان میں ابھی تحقیقات کی بڑی گنجائش ہے۔

مسٹر جیولز الوریٹ ایک فرانسیسی عالم اور دوسروں کا خیال ہے۔ کہ یہ جزیرہ زمانہ قدیم میں تہذیب و ترقی کا مرکز رہ چکا ہے۔ اور اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ چکی ہے۔ کہ قدیم بابلی پہلے پہل خلیج فارس میں آباد ہوئے تھے۔ مگر یہ پہلے آباد کار افریقہ کے ساحل اور جنوبی عرب کیطرف چلے گئے۔ اور بحرین ان کے راستہ میں آیا تھا۔ بحرین ہمیشہ جہازوں کا بڑا اسٹیشن رہا ہوگا۔ کیونکہ سارے خلیج فارس میں سوائے یہاں کے کہیں بھی تازہ پانی نہیں ملتا۔ اگرچہ کھنڈرات میں سے تا ہنوز کوئی کتبہ نہیں ملا۔ مگر غالب قیاس ہے کہ علی کے ٹیلے ابتدائی زمانہ کے ہیں۔ ان ٹیلوں میں سے جو مکان نکلے ہیں۔ ان کی طرز اسبات کی شاہد ہے کہ وہ بڑے پرانے زمانہ کے ہیں۔

بنیٹ نے جس ٹیلے کی تلاشی لی تھی۔ اب اس میں دو پتھروں کے کمرے اور ایک مربع عمارت ہے۔ محراب یا ستون کا کوئی نشان نہیں۔ نچلا کمرہ طول میں اٹھائیس فٹ۔ عرض میں پانچ فٹ اور بلندی میں آٹھ فٹ ہے۔ اس میں چار طاق تین فٹ بلند ہیں۔ دو دروازے ہیں اور دو اخیر پر۔ اوپر کا کمرہ بھی نچلے کمرہ کے برابر ہے۔ مگر عرض میں چھ انچ کم ہے۔ اور اس کی بلندی چار فٹ آٹھ انچ ہے نچلے کمرہ میں ہاتھ سے لیپائی کی ہوئی ہے۔ کیونکہ بعض جگہ معماروں کے

پانیوں کے نشان ہویدا ہیں۔ اگر ٹیلہ کو اور نیچے کھودا جاتا۔ یا اور دوسرے ٹیلے کھودے جائیں۔ تو غالب ہے کوئی نہ کوئی کتبہ مل جائے۔ ایک یا دو سال ہوئے ہیں۔ ایک ولیسی کاریگر نے عَلی کے نزدیک اشرفیوں کا بھرا ہوا ایک مرتبان پایا تھا۔ مگر یہ سکے کوفی تھے۔ اور ان ٹیلوں سے قدیم تر تھے۔

جزیرہ کے دوسری طرف بائو اور دنغ کے نزدیک بھی کھنڈر ہیں۔ پاس ہی پہاڑوں میں نہایت گہرے کنوئیں ہیں۔ جن کے کناروں پر رسیوں کے رگڑوں کے نشان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ بھی ابتدائی زمانہ کے ہیں۔ محارک کے جزیرہ پر ایک جگہ عیادیر (؟) ہے۔ اس کے پاس کھنڈرات پڑے ہیں۔ عرب اسکو گرجا کرکے پکارتے ہیں آیا یہ گرجا پرتگیزوں کے وقت کا ہے۔ یا (حضرت) محمد (صلعم) کے زمانہ سے پہلے کا اس کے متعلق ہم کچھ نہیں بتا سکتے۔

بحرین کی آب وہوا ایسی خراب نہیں جیسی کہ عام سیاح بتاتے ہیں۔ خلیج فارس کا کوئی حصہ صحت بخش نہیں کہلا سکتا۔ مگر ہم کسی حصہ کو مضر صحت بھی نہیں کہہ سکتے مارچ اور اپریل۔ اکتوبر۔ نومبر اور دسمبر میں موسم خوشنما ہوتا ہے۔ سرما میں پارہ ۵۸ درجہ پر اور کبھی ۵۰ درجے سے نیچے گرتا ہے۔ جب جنوری اور فروری میں شمالی ہوائیں چلتی ہیں۔ تو اتنی سردی پڑتی ہے کہ آگ سینکنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ان مہینوں میں بارش ہوتی ہے اور یہ سب مہینوں سے خراب ہوتے ہیں۔ ان ولیسیوں کو جو جھونپڑیوں میں رہتے ہیں۔ خاص کر بڑی تکلیف ہوتی ہے مئی سے ستمبر کے آخر تک گرمی کا موسم رہتا ہے۔ دو تین الگ سخت (؟) ہوتے ہیں اور جون کے وسط تک سمندری ہواؤں سے آب وہوا معتدل رہتی ہے۔ ازاں بعد گرمی سخت پڑتی ہے۔ اور جب سمندری ہوائیں بند ہوجاتی ہیں۔ موسم ایسا تکلیف دہ ہوجاتا ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ سارے موسم گرما میں مغرب یا جنوب کی طرف سے ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ جب یہ ہوائیں بند ہوجاتی ہیں۔ پارہ جھٹ سے نوّے درجے پر جا پہنچتا ہے۔ منیمہ کے گاؤں میں ۱۸۹۶ء کے موسم گرما میں سایہ میں گرمی کا کم از کم درجہ ۸۵ اور زیادہ سے ۱۰۷ تھا۔ بحرین اور دراصل سارے خلیج فارس پر جو ہوا چلتی ہے اس کو شمال یا شمال مغربی ہوا کہتے ہیں۔ ساحل کے

سبب اس ہوا کا رخ کسی قدر بدل جاتا ہے۔ شمال کے وقت ہوا عموماً خشک اور مطلع صاف ہوتا ہے۔ مگر سردی بھی اس ہوا کے ساتھ شروع شروع میں بارش ہو جاتی ہے سردی میں یہ ہوا سخت تیز ہوتی ہے۔ اور جہازوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ ایک اور تیز ہوا جو چلتی ہے۔ اسکو توس کہتے ہیں۔ یہ جنوب مشرق کی طرف سے چلتی ہے۔ اور ستمبر سے لیکر اپریل تک بے قاعدہ طور پر جاری رہتی ہے اس ہوا کیساتھ سردی بڑھ جاتی ہے۔ اور پارہ گر جاتا ہے۔ ملاحوں کا یہ کہنا کہ "یا تو خلیج فارس پر ہوا چلتی ہی نہیں۔ اور اگر چلے تو اتنے زور سے چلتی ہے کہ جو کشتی ہو الٹا دیتی ہے" بالکل ٹھیک اور بحرین کی حالت پر صادق آتی ہے۔

خلیج کی پولیٹکل تاریخ بھی ایسی ہی ہے۔ بحرین چونکہ موتیوں کی تجارت گاہ ہے جب سے اس کے ابتدائی باشندوں اور وہیوں میں بحری جنگ ہوئی ہے۔ ہمسائے حکمرانوں کی نظریں اسی پر ہیں۔ آنحضرت محمد (صلعم) کے بعد کرمینین اسکو زیر و زبر کیا۔ پرتگیز۔ عمان کے عرب۔ ایرانی۔ ترک۔ اور آخر انگریزوں نے اسپر اپنی حمایت کا دعوے کیا ہے۔ یہاں اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ ۱۸۶۸ء میں انگریزوں نے محمد ابن خلیفہ کو ڈاکہ زنی کے جرم میں برطرف کر کے اس کے بھتیجے عیسی بن علی کو (کرزن اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ اس کو لیسوع کر کے لکھتا ہے) شیخ مقرر کیا۔

موجودہ شیخ بالکل عرب نمونہ کا ہے۔ بازوں اور شکروں اور شکار کھیلنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ اور مذہبی امورات کا فیصلہ کرتا ہے۔ اسلامی ممالک میں جوڈیشل اور ایگزیکٹو اختیارات خاص کر تفویض ہوتے ہیں۔ یہاں کوئی قانون نہیں۔ انصاف کا نام تک نہیں۔ ظلم۔ رشوت۔ خباثت زوروں پر ہیں۔ البتہ تجارت محفوظ ہے اور تجارت غلامان بند ہے۔ انگریزی اقتدار سے جزیرہ میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی حمایت میں آنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس ریاست کو اندرونی انتظام میں کامل اختیارات حاصل رہیں گے۔ حمایت میں لینے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جب تک الحاق کا موقع نہیں ملتا یہ آزاد رہے۔ بعض اوقات پہلی حالت دوسری حالت میں ایسی بتدریج بدلتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے۔ ریاست بڑھ رہی ہے۔ ان معنوں میں یہ کہنا

کہ انگریزی سلطنت بڑھ رہی ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔

یورپین لوگوں اور مغربی تہذیب کے داخل ہونے سے ان جزائر کو اتنا فائدہ تو ہوا ہے کہ عرب تعصب کی بلا سے نکل گئے ہیں۔ اور اپنے جزائر سے باہر جھانکنے لگ گئے ہیں۔ ۱۸۶۲ء میں پالگریو لکھتا ہے۔ نجد میں یورپین اقوام اور ان کی تقسیم کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ مگر بحرین اس کے متعلق کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔ مثلاً بمبئی کی زبان میں انگریزوں اور افرنجیوں کو انگلیز اور فرانسیس کہتے ہیں۔ جرمن اور اطالی ناموں سے وہ ناآشنا ہیں۔ ڈچوں اور پرتگیزوں کا نام بھی وہ بھول گئے ہیں۔ مگر روسیوں کے نام سے وہ خوب واقف ہیں۔ اور ان سے ڈرتے ہیں۔ روسیوں کو وہ ماسکوب (ماسکو سے نکالا ہے) کہتے ہیں۔

روسیوں کو یہ کامیابی ایرانیوں کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ یہاں قہوہ خانوں میں قسطنطنیہ اور طہران کی پالیسی پر کھلے دل بحث ہوتی ہے سندھ کی ڈپلومیسی اور اس کے خطرات پر تو وہ ہمیشہ ہی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔

بحرین کے عربوں کے لئے بمبئی مہذب دنیا کا مرکز ہے۔ ان میں سے جو بمبئی دیکھ لیتا ہے سمجھتا ہے کہ اجنبیوں کے رسم و رواج اور اوضاع و اطوار سے واقف ہو گیا ہے۔ انگریزی سٹیمروں پر بمبئی کی طرف آنے کے لئے وہاں کے نوجوان ایسے تلملاتے ہیں کہ گھروں سے بھاگ کر آجاتے ہیں۔ یا تو کرایہ مانگ کر ادا کرتے ہیں۔ یا جہازوں پر قلیوں کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہندوستان آنے کا ان کی زبان پر بڑا اثر پڑا ہے۔ ان کی زبان میں اکثر ہندوستانی الفاظ مروج ہو گئے ہیں۔ پچھلے سالوں سے لنگا اور بوشہر کے درمیانی ساحل کے ایرانی بحرین میں بہ تعداد کثیر آنے شروع ہو گئے ہیں۔ اور اس وقت بحرین عربی زبان سے اتر کر فارسی زبان مروج ہے۔

گیارہواں باب

عرب کا مشرقی دہلیز

بحرین سے پرے حسا۔ ابرین اور حجاز میں سے ہو کر بحیرہ قلزم تک ۸۰۰ میل پر ملک پھیلا ہوا ہے۔ جدہ عرب کا مغربی اور بحرین مشرقی بندرگاہ ہے سو خر الذکر اندرونی ملک کا دروازہ اور حسا اسکی دہلیز ہے۔ قطیف سے قاطف تک قاطف سے ہاف ہوف تک اور ہاف ہوف سے قطیف تک ایک خط کھینچو یہ ایک مثلث بنجائے گی۔ اور اس مثلث میں مشرقی عرب کے تمام بڑے بڑے شہر اور قریے آجائیں گے۔ اس مثلث کے شمال میں ساحل پر بنی حجر کا علاقہ ہے جو بالکل ویران اور غیر آباد ہے۔ مثلث کے جنوب میں القطار کا جزیرہ نما ہے مغرب کی طرف پانچ دن کی مسافت بریدہ تک صحرا پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ جس کی حدود متعین کی گئی ہیں۔ حسا ہے۔ مگر نقشوں پر حسا کا علاقہ بصرہ تک دکھایا جاتا ہے مگر اس مثلث کے باہر نہ ہی ترکی حکومت کا اثر ہے اور نہ ہی حسا کا لفظ اس سے باہر استعمال ہو سکتا ہے۔

القطار کا جزیرہ نما جو طول میں سو میل اور عرض میں پچاس میل ہے۔ بالکل اُجڑا ہوا پڑا ہے۔ اور ایک قسم کا صحرا ہے۔ پالگریو نے اسکا جو خاکہ کھینچا ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "اگر ناظرین قطار کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ میلوں تک خشک پہاڑیوں کا سلسلہ پیش نظر کریں۔ اور پہاڑیاں ایسی کہ سورج سے جھلسی ہوئیں کہ اوپر درخت تک کا تو کیا پتے تک کا پتہ نہیں۔ پہاڑیوں کے دامن پر چوتھائی میل تک بالو کے میدان جو سمندر کے پانی سے تر ہیں۔ اگر ہم پہاڑیوں کے پار علاقہ کیطرف دیکھیں تو لق و دق صحرا کا منظر دکھائی دے گا کہ کہیں کہیں کوئی جھاڑی سی آگئی ہوگی۔ اور اس منظر کو اور زیادہ کریہہ بنانے کے لئے مٹی اور گھاس پھوس کی جھونپڑیاں موجود ہیں۔ یہ جھونپڑیاں تنگ اور بدنما

ہیں۔ اور یہاں جھونپڑیوں کا مجموعہ قطا کا شہر اور قریہ ہے۔ قطا کی آبادی زیادہ نہیں۔ اس کا بڑا شہر ہفوف ہے۔ تمام باشندے موتی نکالنے اور مچھلیاں پکڑنے کا کام کرتے ہیں۔ جب موتیوں کا موسم آتا ہے وہ دو سو کشتیاں لیکر سمندر پر چلتے ہیں۔ اس تمام جزیرہ نما پر ٹرکی اپنا حق جتاتی ہے۔ یہ جزیرہ نما ٹرک سپاہیوں کا زنداں ہے کہ بیچارے کانپتے ہانپتے آتے ہیں۔ اور آتے ہی ملیریا بخار میں مبتلا ہو کر بیماری کی رخصت پر بغداد چلے جاتے ہیں۔ عرب گورنمنٹ سے ہمیشہ بر سر پرخاش رہتے ہیں۔ اور غروب آفتاب کے وقت شہر کی دیواروں سے باہر نکلنا جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

بحرین سے حسا آنے کے لئے پہلے بذریعہ کشتی رد جیر آتے ہیں۔ اور وہاں سے ہفوف کو قافلے کے ساتھ جاتے ہیں۔

ماہ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں طائف کے دار الخلافہ سے واپس آتے ہوئے اور وہاں سے تنہا چلتے ہوئے میں اسی راستہ سے آیا۔ شام کے وقت کشتی پر سوار ہو کر دوسرے دن علی الصباح ہم رد جیر میں اترے۔ اترنے کے ساتھ ہی میں ٹرک کسٹم افسر کے پاس جس کی طرف میں بحرین کے ایک سوداگر سے سفارشی خط لایا تھا۔ گیا۔ رد جیر میں اگرچہ کوئی بازار اور مستقل آبادی نہیں۔ تاہم ایک مٹی کا قلعہ سرکاری عملہ اور ایک خوبصورت کسٹم ہوس ہے۔ گھاٹ میں اگرچہ پانی گہرا نہیں مگر شمالی اور جنوبی ہواؤں سے خوب محفوظ کیا ہوا ہے اور اس لئے جہاز کے اترنے کے حق میں بہت اچھی جگہ ہے۔

یہاں بحرین سے چاول اور دیگر اشیا بکثرت آتی ہیں۔ اور یہاں سے آگے اندرونی ملک کی طرف روانہ کی جاتی ہیں۔ ہر ہفتے کو دو سو یا تین سو اونٹوں کا قافلہ رد جیر سے روانہ ہوتا ہے۔ اگرچہ جبل شمار کو بصرہ اور بغداد کی طرف سے چیزیں آتی ہیں۔ مگر سارا شمالی نجد میں بساطی کا مال قہوہ۔ چاول۔ برنجی کے برتن۔ بحرین اور رد جیر کے راستہ آتے ہیں۔

کسٹم ہوس کے اندر باہر کا سارا میدان بوریوں اور صندوقوں سے معمور تھا اور اونٹوں کو لادنے کی شور ہا سے ہوا میں گونج پیدا ہو رہی تھی۔ میں نے ایک

نجدی صالح نام سے فیصلہ کیا۔ کہ وہ مجھے اپنی جماعت کیساتھ لے چلے۔ اور عصر
کی نماز سے پہلے ہم روانہ ہو گئے۔ کئی گھنٹوں کی مسافت تک تو صحرا ہی رہا۔ جا بجا
بالو کے تودے دکھائی دیتے تھے۔ ایک جگہ سبز پتھروں کا ٹیلہ بھی نظر آیا جب
رات آگئی۔ ہم نے اپنے کمبل صاف ریت میں بچھائے۔ اور کھلی ہوا میں لیٹ گئے
وہ لوگ جو پانی کی مشکیں ساتھ لانا بھول گئے تھے۔ انہوں نے دو تین فٹ زمین
کھود کر پانی نکال لئے۔ اور ان کنوؤں سے پانی کی لہر بہر ہو گئی۔ دن کے وقت
گرمی سخت اور ہوا بند تھی۔ مگر ستاروں بھری رات کیوقت نسبتاً سخت سردی
تھی۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت ہاف ہوف کے کھجوروں کے جنگل دکھائی
دئیے چونکہ ہم سہ پہر تک منزل مقصود تک نہ پہونچ سکے۔ میں نے ایک پاس کے
گاؤں جفر میں رہنے کا ارادہ کیا۔ اس گاؤں میں صالح کے دوست تھے۔ اسکے
دوستوں نے روٹی، مکھن، دودھ، کھجوروں سے حق مہمانی ادا کیا۔ یہ سب چیزیں
تازہ اور لذیذ تھیں۔ شام کے وقت باغوں اور نیم گرم نہروں میں سے تین میل
فاصلے کرکے ہم موضع تیز میں چلے گئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت ہم پھر
سوار ہوئے۔ سات بجے کے قریب ہاف ہوف کی مسجدیں اور دیواریں دکھائی
دیں۔ اس کا نظارہ نہایت خوش نما اور دلکش تھا۔

ہاف ہوف ایک پرانا شہر ہے۔ جب اسکا نام ضجر تھا۔ یہ بھی کندھی اور تقسیم بغداد
کے شہر ہیز سے دوسرے درجے پر تھا۔ یہ دونوں شہر اور درحقیقت حسا
کے تمام قصبے اور قریے زمین دوز دریاؤں کی بدولت آباد ہیں۔ اس صوبہ میں
زمین دریاؤں کی کثرت ہے۔ ان دریاؤں کی طفیل ہیز میں گندم اور چاول
کے کھیت لہلہاتے رہتے ہیں۔ یہاں کا سارا رقبہ قابل کاشت ہے مگر نصف
زمین یونہی پڑی رہتی ہے۔ کوئی شخص زمین کاشت کرنے کے لئے نہیں ملتا
اور بہت یونہی خالی پڑا ہے۔ البتہ گاؤں کے نزدیک زمین مزروعہ ہے قبیلوں
سے دور بدولت ڈیرے ڈل اور شر کی محصولوں کے ڈر سے کوئی شخص کاشت کرنے
کی جرات نہیں کرتا۔ یہ عجب منطق ہے کہ قبیلوں کے نزدیک جو زمین ہے
اوس پر شر کی محصول نہیں ہے اگر محصول کا بھی ڈر ہے۔ تو ساری ہی زمین خالی پڑی

رہے۔ مترجم) عرب کے عثمانی صوبوں میں یہ دو چیزیں (بدو اور ترکی محصول) زراعت کے جانی دشمن ہیں۔ خود ہاف ہوف باغوں سے گھرا ہوا ہے۔ اور اور اس شہر کا نقشہ عرب قصبوں کی طرز کا بتدریج ہے۔ شہر میں والی کا محل۔ بازار۔ اور بازار کے گرد مکان ہیں۔ اور شہر کے گرد ایک خام فصیل ہے۔ خندق اب خشک پڑی ہے۔ اور دیواروں کے ملبہ سے نصف گہرائی تک بھر گئی ہے شہر کا زیادہ سے زیادہ طول ڈیڑھ میل ہے۔ مگر دوسرے مشرقی شہروں کی طرح مکان کھلے ہوئے ہیں۔ یہاں مکانوں کے اندر باغ ہیں۔ یہاں کھجوروں کی کثرت ہے۔ مگر انجیر اور انار کے درخت بھی بافراط ہوتے ہیں۔ نیل کی کاشت کی جاتی ہے۔ کپاس بھی بوئی جاتی ہے۔ اردگرد کے علاقہ میں چاول۔ گنا اور ترکاری ہوتی ہے۔

ایک رومن کیتھولک ڈاکٹر جو ترکوں کا ملازم ہے۔ اور چند یہودیوں کے سوا سارے شہر کی آبادی مسلمان ہے۔ مجھ سے پہلے صرف تین یورپینوں کپتان سیڈلیئر ۱۸۱۹ء پالگریو ۱۸۶۳ء اور کرنل پیلی ۱۸۶۵ء نے ہاف ہوف کو دیکھا ہے۔ اوّل الذکر شہر کی آبادی ۱۵۰۰۰ اور پالگریو بیس اور تیس ہزار کے درمیان بتاتا ہے۔ ۱۸۷۱ء میں ترکوں نے اس شہر پر قبضہ کیا۔ ان کی رپورٹ مطابق شہر میں ۱۵۰۰۰ گھر اور ۲۰۰۰ ملحقہ دیہات ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے متعلق ترکوں کی رپورٹیں از بس مبالغہ آمیز اور غلط ہوتی ہیں۔ اور ان پر کسی طرح پر بھی یقین نہیں ہو سکتا۔ (پادری صاحب کی تو وہی بات ہے۔ گھر سے ہیں آؤل اور سندلیسہ تم دو۔ جن کا ملک ان کی رپورٹ تو غلط۔ مگر پادری صاحب اور ان کے بھائی بندوں کی جو ایک یا دو دن رہیں۔ درست)

مشرقی عرب سے جو راستہ مکہ اور جدہ کو جاتا ہے اس پر الاحسا (ہاف ہوف) پہلا پڑاؤ ہے۔ اس قصبہ کے حلقہ زلفا کے شیخ عبدالرحمٰن بن سعلہ ترکی گورنر کے ماتحت کام کرتا ہے۔ اس راستہ کے متعلق مجھ کو شیخ نے ذیل آگاہی دی ہے۔

اونٹ کی سواری پر حسا سے ریاض تک چھ دن کی۔ ریاض سے جبل شمار

تک نو دن کی۔ ریدہ سے وادی دوسیر تک سات دن کی۔ اور ریدہ سے مکہ تک اٹھارہ دن کی مسافت ہے چنانچہ اگر تین میل فی گھنٹہ چلیں اور راستہ کے مقاموں کو نکال دیں تو جزیرہ نما کو عبور کرنے میں اٹھائیس دن لگتے ہیں۔

ہاف ہوف کا بازار لیوڈنٹ کی عام چیزوں سے معمور ہے۔ یعنی آلات۔ کپڑا سنہری لیس۔ کھجوریں۔ ترکاریاں۔ خشک مچھلیاں۔ لاٹھی۔ نمکین ٹڈیاں۔ پھل صندل کی لکڑی۔ تمباکو۔ پیتل کے برتن وغیرہ۔ غرضیکہ ضروریات زندگی کی سب چیزیں موجود ہیں۔ چوک میں یا شہر کے باہر میدان میں نیلامی بھی ہوتی ہے جھونپڑیوں کے سایہ میں لوہار اور حجام اپنا کام کرتے ہیں۔ رلیفہ کے حلقہ میں عمدہ اور نعتھل کے حلقہ میں زیادہ مکان ہیں۔ ہاف ہوف کے مشرقی کونہ میں متمول اور مغربی گوشہ میں غریب لوگ رہتے ہیں۔

حسا دو چیزوں کے لئے مشہور ہے۔ ایک تو عبا کے لئے جو ازبس نفیس اور خوبصورت ہوتی ہے۔ اس پر سوزن کاری کا کام نہایت کاریگری سے کیا جاتا ہے۔ عربوں کے لباس میں یہ عبا سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ دوسری چیز قہوہ کے لئے پیتل کی پیالیاں ہیں۔ جو دیکھنے میں بڑی خوبصورت اور خوشنما ہوتی ہیں۔ ان دونوں چیزوں کی مشرقی عرب اور نیز بصرہ اور مسقط میں بڑی کھپت ہوتی ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں کی تجارت بڑی رونق پر تھی۔ اور لوگ بڑے خوشحال تھے مگر متواتر جنگوں۔ وہابیوں کی شورشوں اور غلط کاریوں۔ اور ترکوں کی لاپرواہی اور غفلت سے اب وہ بات نہیں رہی۔ خوشحالی کی جگہ مجھولوں نے لے لی ہے اور اب کا حسا وہ حسا نہیں ہے۔ جو کہ جنیوں کے عہد حکومت کے زمانہ قدیم میں تھا۔

پرانی شان و شوکت کی یادگار میں ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ یہاں کا پرانا سکہ ہے جس کو طویلہ کہتے ہیں۔ یہ ایک انچ لمبی پیتل کی مسلاخ کا ہے پیتل میں کچھ کچھ چاندی کی بھی آمیزش ہے۔ دونوں سرے پھٹے ہیں۔ دونوں سروں پر کوفی خط میں محمد السعود لکھا ہے۔ اس سکہ کی تاریخ یا ضرب المثل ثبت نہیں ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ یہ سکہ کسی کرمنیین بادشاہ کا جو سنہ ۹۳۰

میں گذرا ہے۔ ہے۔ مسلمانوں کا کرسچین فرقہ کوفہ کے ایک متعصب اور پر جوش شخص کرماتھ کا پیرو تھا۔ اس شخص نے ۲۷۷ھ ہجری میں پیروؤں کی ایک جماعت قائم کی۔ وہ اپنے آپ کو راہبر راہنما۔ کلام۔ روح القدس۔ وغیرہ کہتا ہے۔ وضو۔ روزہ اور حج کے متعلق وہ قرآن کی تعلیم کا اتنا پابند نہ تھا۔ مگر نمازیں پانچ کی بجائے پچاس کر دی تھیں۔ اس کے بارہ بدو حوارین تھے۔ اور اس کے اتنی جلدی بڑھے کر وہ میدان جنگ میں ... ۔ جنگجوؤں کا لشکر لانے کے قابل ہو گیا۔ اس نے کوفہ اور بصرہ کو تاخت تاراج کیا۔ اور بغداد کو فتح کر لیا۔ ۹۲۹ء میں ابو طاہر نے مکہ کے شہر پر حملہ کر کے اسکو فتح کر لیا۔ اور کرسچین سنگ اسود اٹھا کر قاطف کی طرف لے گئے۔ اُن کی طاقت کا مرکز چند سالوں تک حسا میں رہا۔ یہیں سکہ بھی ضرب کیا گیا۔ جبرا ان کی طاقت اور جہالت کا صرف ایک ہی نشان باقی رہ گیا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ کرسچین والوں کے عقائد سے سخت نفرت کی جاتی ہے۔ مگر ان کا سکہ ابھی تک خرید و فروخت میں استعمال کیا جاتا ہے۔

پہلے ایام میں پیتل کی طرح سونے اور چاندی کے بھی سکے تھے۔ اب تک بھی بعض چاندی کے سکے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ جن پر یہ عربی ضرب المثل لکھی ہوئی ہے "عز من قنع وذل من طمع" حبیب میں یاد ہوتا ہیں تھا۔ پیتل کا دو سکہ روپے کی قیمت کے برابر تھا۔ اور روپیہ۔ ہندی ہندی اور بز کی شناسائی سے مقابلہ میں اپنے چلن پر زور دیتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں اسی جگہ کی پیدائش ہوں تم مجھے خارج نہیں کر سکتے۔ مگر نویں صدی کے کرسچین جنگجو کی روح اگر بازار کو دیکھے تو سیدھی ہو کر دہائی دینے لگے۔ کہاں وہ آن کی شان و شوکت اور کہاں یہ ادوا تنی و سفنی۔

اب وہابی بھی معلوم ہو گئے ہیں۔ اور تمباکو۔ ریشم۔ راگ و رنگ اور شراب کا استعمال گناہ کبیرہ نہیں سمجھا جاتا۔ بہت سے وہابی ریڈیکل بن چکے ہیں۔ اور جو چند باقی ہیں۔ ترک افندیوں کو عیسائیوں جیسی پتلون پہنے۔ منہ میں سگرٹ لیے دیکھ کر اپنی سفید داڑھی نوچتے ہیں۔ اور کہتے ہیں خدا وہ شہر زمانہ پھر لا۔

ہاف ہوف میں ایک فوجی شفاخانہ ہے جس میں ایک سرجن اور ایک ڈاکٹر کام کرتا ہے۔ مگر جس وقت میں نے شفاخانہ دیکھا اُس وقت دوائیوں کا ذخیرہ بہت کم اور صفائی کی حالت بہت بُری تھی۔

بہت تھوڑے سپاہی ہسپتال میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ یا تو وہ فرار ہو جاتے ہیں۔ یا فرلو لے لیتے ہیں۔ عرب لوگوں کے لئے ہسپتال کا کوئی انتظام نہیں۔ میرے آنے سے پہلے یہاں اور ساحل پر سخت ہیضہ نمودار ہوا تھا۔ اور میرے قلیل قیام کے دوران میں چیچک کی متعدی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ اور کئی بچے اُس کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ ایسے ملک میں جہاں تعصب اور جہالت کا زور ہو۔ اور امراض کی روک تھام کے لئے بطور حفظ ماتقدم کچھ کرنے کو مذہب کے خلاف سمجھا جاتا ہو۔ وہاں ایسی بیماریوں کا پھیلنا سخت قہر الٰہی ہے۔

حسا کی گورنمنٹ اس طرح پر ہے۔ سنجق (ترکی صوبہ) تین کازوں (ضلعوں) یعنی نجد۔ قطار۔ اور قاطف میں منقسم ہے۔ اور ہر ایک کاز میں ترکی فوج مقیم رہتی ہے۔ ہاف ہوف میں ۲۰۰ سپاہ۔ اور قطار اور قاطف میں ۳۰۰ سپاہ تعین ہے۔ گورنر کو متصرف پاشا کہتے ہیں۔ وہ صدر مقام میں رہتا ہے۔ اور قائم مقام (ڈپٹی کمشنر) دوسرے دو مرکزوں میں رہتے ہیں۔ عدالتیں عام ترکی ڈھنگ کی ہیں اور ہر ایک عرب قبیلہ کا ایک قائم مقام دار الحکومت میں رہتا ہے۔ جو اپنے قبیلے کے معاملات پر گورنر کو مشورہ دیتا ہے۔ عربوں کے بڑے بڑے قبائل جو ترکی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں یہ ہیں۔ العجمن۔ المورہ۔ بنی حجر۔ بنی خالد۔ بنی حسام۔ المومرہ۔ الحرب المعصفر۔ ترکی گورنمنٹ نے صوبہ میں تین سکول جاری کئے ہوئے ہیں۔ (اب قریباً ہر قصبہ اور قریہ میں سرکاری سکول ہیں۔ مترجم) اور ترکی سرکاری رپورٹ کے مطابق ان سکولوں میں طلباء کی تعداد ۳۵۴۰ ہے۔ اس رپورٹ کے رو سے کل صوبہ کی آبادی ۵۰۰۰۰ ہے۔ آبادی کے لحاظ سے طلباء کی تعداد بہت کم ہے۔ حالانکہ یہ صوبہ کسی زمانہ میں علم و ہنر کا مخزن رہ چکا ہے۔

وہ بڑی مسجد جس کی چوبیں محرابیں اور ستون ہیں۔ ان نوجوانوں سے بھری رہتی ہے۔ جو مولویوں سے دینیات کی تعلیم لیتے ہیں۔ مگر لکھنے اور

قرآن کی شرح کرنے کے دن گذر گئے ہیں۔ اب تو وہابی سوداگر بھی بمبئی کا ذکر کرتے ہیں۔ اور انگریزی پرائمر یا نئی دنیا کا اٹلس دیکھکر خوش ہوتے ہیں۔

شہر میں چار دن رہنے کے بعد میں نے ایک قافلہ کے ساتھ شمال کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ مگر مجھے جانے کی اجازت نہ ملی۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ راستہ مخدوش ہے۔ آخر میں نے ایک کاغذ پر دستخط کئے۔ کہ میری جان و مال یا کسی عضو بدن کے نقصان کی گورنمنٹ ذمہ وار نہیں ہے۔ اب مجھے اجازت مل گئی۔ اس معاہدہ کی ایک نقل میرے پاس بھی ہے۔ میں نے سفر شروع کر دیا۔ صحرا میں کوئی دشمن نہ ملا۔ مگر بخار نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ منگل کی دوپہر کو ہماری چھوٹی سی جماعت روانہ ہوئی۔ مگر وہ میری خواہش کے مطابق وہ صحرا سے ہو کر نہ گذری۔ بلکہ مشرقی رخ ہو کر دو بجے کامی بجیہ میں پہونچی۔ ہم ندی نالوں چاول کے کھیتوں جھیلوں اور چشموں میں سے ہو کر گذرے۔ اور یہ باتیں ان حالات کے بالکل برعکس تھیں۔ جو سکولوں کے جغرافیہ میں عرب کے متعلق لکھی ہیں۔ تاہم چار گھنٹوں کے بعد پھر ہم صحرا میں داخل ہو گئے۔ یہاں اس شدت کی گرمی پڑتی تھی۔ کہ میں بخار سے بیمار ہو گیا۔ اور بحرین واپس پہونچنے تک بخار میں مبتلا رہا۔ قاطف تک تمام راستہ صحرا میں سے ہی ہو کر جاتا ہے۔ بدھ کے دن۔ اگلے دن نو بجے تک ہم چلتے رہے۔ پھر ہم نے ایک گاؤں ام الحمام میں آرام کیا۔ اس گاؤں میں نہ کوئی حمام تھا۔ نہ کوئی درخت نہ گھاس سوائے کیچڑ اور کڑوے پانی کا ایک کچا تالاب۔ اور کھجوروں کے چند درخت تھے۔ یہاں ہم نے سارا دن کاٹا۔ جمعہ کی صبح کو ہم قاطف کی سرحد پر پہونچے۔ کھجوروں کے جھنڈ۔ چاہات برساتی نالے عجیب خوش نما سین پیش کرتے تھے۔ ایک مربع قلعہ کے گرد گھومتے ہوئے باغوں کے بیچوں بیچ ہم سمندر پر پہونچے۔ کسٹم ہوس میں جاکر میں نے پھر آرام کیا۔

قاطف حسا کے عربوں میں مشہور نہیں۔ اسکا جائے وقوع نشیب اور دلدل پر ہے۔ اس کے باشندے نحیف الاندام اور کمزور ہیں۔ رنگ ان کے سیاہ ہیں اور اکثر ملیریا تپ میں مبتلا رہتے ہیں۔ خود شہر کی بناوٹ بہت بری ہے۔ گندہ

پرلے درجہ کا ہے۔ اور آب وہوا سخت خراب ہے۔ تاہم یہاں کی آبادی بہت اور تجارت زوروں پر ہے۔ یہاں کے ایرانی الاصل اور زیادہ تر شیعہ ہیں۔ وہابی اور ترک اُن کو سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اور کافروں سے کچھ ہی اچھا جانتے ہیں۔ موجودہ قاطف قدیم یونانی جغرافیہ دانوں کے قدیم شہر گیرہا کی جگہ واقع ہے۔ مگر اس قدیم شہر کے کھنڈرات کی ابھی تک دیکھ بھال نہیں ہوئی۔ یہاں ایک پرتگیزی قلعہ اسبات کی شہادت دیتا ہے۔ کہ یہ قوم خلیج فارس میں بھی اپنی جبروت و سطوت کا ڈنکا بجا چکی ہے۔

ترکوں نے قاطف کو ۱۸۷۱ء میں فتح کیا تھا۔ اور اسوقت سے اسپر قابض ہیں۔ قاطف سے شمال کی طرف کویت تک تمام ساحل پر کوئی بڑی بستی نہیں تمام ساحل ویران اور سنسان بنی حجر کے جنگجو قبیلہ کے پاس ہے۔ اسکی کوئی چیز بھی موجب انٹرسٹ نہیں۔

بارھواں باب

دریاؤں کا ملک اور کھجور

الجزیرہ اور اسیریا کے وہ سرسبز اور زرخیز میدان جن کو کبھی ایک زندہ قوم کاشت کرتی تھی۔ اور جن کو آبپاشی کرنے کے لئے تمامی انسانی عقل صرف کر دی گئی تھی۔ اب اون پر وحشی اور خانہ بدوش عرب آباد ہیں۔ جبتک یہ سرسبز صوبے اس گورنمنٹ یا بالفاظ دیگر ترکوں کے قبضے میں رہیں گے۔ وہ اسی طرح ویران پڑے رہیں گے۔ اور انسان کے بے احتیاطی سے قدرت کی سب بخششیں ضائع ہو جائیں گی۔ نیبر (۱۷۹۲)

شمال مشرقی عرب کے ہموار میدانوں پر تاریخ کے انقلابات ویرانوں اور کھنڈروں میں کیا کیا یادگاریں چھوڑ گئے ہیں۔ دو دریا ابھی تک اُسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ جو انجیل میں ان کے لئے مقرر ہیں۔ یعنی دریائے فرات

اور دجلہ۔ مگر ان دونوں کے سوائے اور کچھ بھی نہیں رہا جس کو ہم بہشت سے تعبیر کریں۔ ایک سیاح ظالم گورنمنٹ کی بدولت ان وسیع اور زرخیز میدانوں کو ویرانی کی حالت میں دیکھکر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ موجودہ ویرانی کو دیکھکر باور ہی نہیں ہوتا کہ یہاں بھی کبھی ہن برستا تھا۔ ہر ایک جگہ قدیم سلطنتوں کے آثار پائے جاتے ہیں۔ مگر اب تو یتیم بچے عرب آ بیٹھے ہیں یا وا آدم کے وقت کے حالوں سے زمین جوت رہے ہیں۔

کیا یہ علاقہ کبھی انسان کا گہوارہ تھا۔ بابل اور نینوہ قدیم ایشیا کی تحقیقات کرنے والے تھے۔ ٹسبی فون کوفہ اور زبیر مورخ کے لئے۔ بغداد اور بصرہ عزّ داستان لکھنے والے کے لئے۔ شالڈیوں کا اڈا انجیل کے پڑھنے والے کے لئے باعث انٹرسٹ ہیں۔ اسوقت سے کہ ہارون رشید بھیس بدلکر بازاروں اور گلیوں میں چکر لگایا کرتا تھا۔ بغداد نے کتنی عیش کی راتیں دیکھی ہیں! اگر سندباد بصرہ کی تباہی دیکھے۔ تو سر پیٹنے لگے۔ ہاں بصرہ میں ایک ترقی ہوئی ہے کہ اسکی گودی میں چھ دخانی جہاز کھڑے رہتے ہیں۔

موسٹیمیا جس کو عرب الجزایر کہتے ہیں پہلے پہل اس علاقہ تک محدود تھا اور دو دریاؤں کے درمیان اور قدیم دیوار کے جنوب میں جس سے وہ بغداد کو اوپر ایسیمیں ملتے تھے۔ واقع ہے۔ یہاں سے لیکر خلیج فارس تک کے علاقہ کو عراق عجم سے تمیز کرنے کے لئے عراق و عرب کہتے تھے۔ اور کہتے ہیں۔ تاہم موسٹیمیا کا نام عرب کے تمام شمالی مشرقی حصہ پر بولا جاتا ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱۸۰۰۰۰ مربع میل ہے۔ بغداد سے دو تین سو میل اوپر دیار بکر اور مردین تک عرب لوگ آباد اور عربی زبان مروج ہے۔ مگر ہم اپنی داستان کو اسی علاقہ تک جو بصرہ اور بغداد کے درمیان واقعہ ہے۔ اور دریاؤں کے ڈلٹا تک محدود رکھیں گے۔ دونوں بڑے دریا مشرقی ایشیا کو چک۔ آرمینیا اور کردستان میں سے راستہ نکالتے ہوئے بغداد کے نزدیک آکر ایک دوسرے کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ وہاں کئی ندی نالے جنہیں شط العلی بھی کہتے ہیں ان میں گرتے ہیں۔ کرنا پر دونوں دریا مل جاتے ہیں۔ اور ان کا نام شط العرب ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ اس زرخیز و زرین میدان

ہیں سے جن پر بے شمار قریے آباد ہیں۔ اور مصنوعی آبپاشی سے چراگاہیں سبزے کی پوشاک پہنے آنکھوں کو طراوت بخشتی ہیں۔ اور خرما کے بیشمار جھنڈ اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ راستہ نکالتے ہیں۔ یہ انگریزی تجارت۔ اور بغداد بصرہ سٹیمر شپ کی بدولت ہے۔ اس علاقہ میں جس کو سنہ ۱۹۰۲ء میں ویران و بنجر بتایا تھا۔ اور ۱۹۰۴ء میں قحط بھی رونما ہوتا تھا۔ اب پھر جان پڑ گئی ہے۔ اور خوشحالی کے آثار نمودار ہو گئے ہیں۔

ترکوں کے ظلم میں قدرت کی بخششوں کو بالکل بیخ و بن سے نہیں اکھاڑ سکتے۔ اور جب کبھی اس علاقہ پر کوئی دانا اور عادل گورنمنٹ برسر حکومت ہوگی تو پھر وہی مبارک دن آجائیں گے۔ اور آبادی دوگنی تگنی ہو جائے گی۔ موجودہ سلطان عبد الحمید کے عہد مبارک میں اس علاقہ میں بیش از بیش ترقی ہوئی ہے اور اگر یہ فرمانروائے روزگار سلطان کچھ عرصہ اور تخت خلافت پر رونق افروز رہا تو کوئی شک نہیں۔ پھر وہی عباسیہ دن آجائیں گے۔ بغداد کیطرف ریلوے تیار ہو رہی ہے۔ اور ان نہروں کی تیاری کی تجویز ہو رہی ہے جو عہد عباسیہ میں علاقہ کو آبپاشی کرتی تھیں) اس علاقہ کے طبعی آثار نہایت ہونہار ہیں۔ پہلے تو یہ کہ زمین بالکل صاف اور ہموار ہے۔ اور جا بجا نظر کر سبزہ اور مرغزار ہے یہاں کہیں کہیں ٹیلے آگئے ہیں۔ دوسرے خرما کی کثرت ہے۔ تاڑ اور کھجور سے لیکر شفیق تک دریا کے دونوں کناروں پر کھجور کے درخت چلے گئے ہیں۔ ہر ایک جگہ یہ درخت اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ اور شط العرب کے پاس تو وہ اس کثرت سے اور ایسے لذیذ ہوتے ہیں کہ اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔ پہلے پہل دریا کے کنارے پر جو خرمے کے درخت تھے وہ درج رجسٹر تھے اور ان پر محصول لگا ہوا تھا۔ مگر شط العرب کے ان درختوں کو گننا از بس مشکل بلکہ دشوار ہے۔ بھلا کوئی کہاں تک اور کتنے گنے گا۔ زیریں الجزیرہ کا سارا علاقہ درختان خرما سے معمور ہے۔ خرما ہی وہاں کی آب و ہوا کو فرحت بخش بنانے والا۔ اور ملک کی اصلی دولت ہے۔ کھجور باغوں کا نظارہ از بس خوشنما اور دلکش ہوتا ہے۔

وقت اور موسم کے اختلاف سے ان کی خوبصورتی اور خوشنمائی میں

بھی اختلاف پڑتا رہتا ہے۔ طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت درختوں کے
پتے گہرے سبز اور ایسے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں کہ شان خدا یاد آجاتی ہے
کوئی ایک دفعہ دیکھے اور بھول جائے۔ یہ ممکن ہی نہیں۔ دوپہر کے وقت درختوں
کا گھنا سایہ ابر رحمت ہے۔ ریت کی چمک اور سورج کی دمک سے چکا چوند ہوتی
آنکھوں میں طراوت ہوتی ہے۔ اور کلیجے میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔ مگر باغوں کے کنجوں
کا لطف اسوقت آتا ہے۔ کہ شبنم پڑ رہی ہو۔ چاند پوری آن بان سے چمک رہا ہو
پتوں پر نظر کرو۔ موتی چمکتے نظر آئیں گے۔ اور چاندنی رات کے مقابلہ میں سیاہ سایہ
کا نظر آنا۔ آہاہا وہ لطف دیتا ہے کہ دل ہاتھ سے نکلنے لگتا ہے۔

ایک عرب شاعر نے خرمے کے درخت کی تعریف میں وہ زور لگایا ہے کہ فصاحت
بلاغت کا دریا بہا دیا ہے۔

کھجور کا درخت شام۔ ایشیائے کوچک۔ عرب کے تقریباً تمام حصص اور بحیرہ
روم کے جنوبی جزائر میں ہوتا ہے۔ مگر بہتر قسم کی کھجور بالائی مصر اور الجزیرہ
میں ہی پائی جاتی ہے۔ الجزیرہ میں کھجور کی کثرت کا اندازہ اسی ایک بات سے
لگا لو۔ کہ ایک دفعہ ایک بوڑھے انگریز تجار نے کہا تھا کہ دوآبہ کھجور کا پھل ۱۵۰۰۰
ٹن کے قریب سالانہ ہوتا ہے۔

کھجور کے درخت کا ایک ہی تنہ ہوتا ہے۔ جو پچاس فٹ سے لیکر ۸۰ فٹ
تک بلند ہوتا ہے۔ اسکی شاخیں نہیں ہوتیں۔ چوٹی پر پتوں کا جھنڈ ہوتا ہے۔ جو
چھتری کی طرح پھیلا ہوتا ہے۔ کھجور کا پتا پنکھے کیطرح لمبا اسی فٹ اور بارہ
فٹ میں ہوتا ہے۔ تھوڑ۔ کھجور بکثرت ہوتی ہے۔ اور ہوا کے جھونکوں سے
نشوونما پاتی ہے۔ سنسان جنگل میں اس کے پتوں کی سائیں سائیں خاموشی کے
دامن کو چاک کرتی ہے۔ یہ کھجور خواہ اسکا تنہ کترا جائے۔ یا سرسبز ہے
اسی حالت میں کھڑی رہتی ہے۔ مگر جہاں کھجور کی کاشت ہوتی ہے۔ وہاں
جب پتہ خشک ہونے لگتا ہے اسکو فوراً کاٹ دیتے ہیں۔ درختوں کو مختلف کاموں
میں استعمال کرتے ہیں۔ خرما کے درخت کے تنہ پر سال بسال حلقے پڑتے
رہتے ہیں۔ اور اس سے اسکی عمر کا پتہ لگ جاتا ہے۔ لہذا خرمہ کا تنہ [illegible]

کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور ایک شخص جس کا جسم اسی کے پھندے سے بندھا ہوتا ہے ان حلقوں کی بدولت درخت پر آسانی سے چڑھ جاتا ہے۔ اور اس کا پھل توڑتا ہے کھجور کا درخت سو سو سال کی عمر پاتا ہے۔ موسم بہار میں نر اور مادہ کھجوروں کے پھول ایک دوسرے پر چھڑکے جاتے ہیں۔

کھجور کے درخت کے مختلف استعمالات کی بابت عربوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں اور یورپینوں نے کئی قصے حوالہ قلم کئے ہیں۔ اس درخت کا سر حقیقۃً عرب کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ چوٹی سے شروع ہوتے۔ درخت کے پتے ملتا ہے ان میں ایک قسم کے نرم ریشے ہوتے ہیں۔ جو حماموں میں سپنج کا کام دیتے ہیں۔ ان کے سرے پر ایک شگوفہ ہوتا ہے جس میں سفید مادہ بھرا ہوتا ہے۔ یہ لذت اور ذائقہ میں بادام جیسا ہوتا ہے۔ مگر قد اور قامت میں اس سے کئی سو گنا بڑا ہوتا ہے۔ کھانے میں یہ بڑا مزیدار ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کھجوروں کی ایک سو اقسام ہیں۔ اور ہر قسم کا پھل مختلف ہوتا ہے ایک عرب ضرب المثل ہے۔ کہ اگر بیوی دانا اور فہمیدہ ہو تو صرف وہ کھجوروں کے ہی الگ الگ طرز کے کھانے تیار کر کے ایک ماہ تک اپنے خاوند کو کھلا سکتی ہے۔ عرب میں کھجور عربوں کی اصلی غذا ہے۔ اور یہ ہر کھانے میں وہ کسی نہ کسی صورت میں دستر خوان پر رکھی جاتی ہے۔ پرانی کھجوروں کا شربت اور سرکہ بنایا جاتا ہے۔ اور جو لوگ قرآن کی تعلیم کی پروا نہیں کرتے وہ ان کی شراب بھی بنا لیتے ہیں۔ کھجوروں کی گٹھلی پیس کر گایوں اور بھیڑوں کو پلائی جاتی ہے غرض یہ کہ اس قیمتی درخت کی کوئی چیز یونہی رائیگاں نہ جائے۔

کھجور کی چھالوں سے بنے اور تار کر ان کو بید کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ان سے بستر۔ میزیں۔ کرسیاں۔ جھولے۔ پنجرے۔ کشتیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ پتوں سے ٹوکریاں۔ پنکھے۔ رسے بنائے جاتے ہیں تنے میں سے جو ریشہ نکلتا ہے۔ اس کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر ایک لمبائی کے رسے بنائے جاتے ہیں۔ لکڑی اگرچہ ہلکی اور نرم ہوتی ہے۔ مگر بلیوں اور چھاجوں کے کام آتی ہے۔ اور جلانے تک کام دیتی ہے۔ غرضیکہ جب کھجور کا درخت کاٹا

جاتا ہے۔ اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جاتا۔ کھجور کا درخت عرب میں غریبوں کا گھر اور غریب خانہ ہے۔ یہ نہ ہوتا۔ تو لکھوکہا بندگان خدا خوراک اور مکان سے محروم رہ جاتے۔ الجزیرہ کی نصف آبادی کھجوروں کے پتوں کے جھونپڑوں میں رہتی ہے۔

اگرچہ کھجور کی کاشت ہر جگہہ ہوتی ہے۔ مگر بصرہ اسکی تجارت کا مرکز ہے جتنا پھل ممالک غیر کو بھیجا جاتا ہے۔ یہاں جمع کیا جاتا ہے۔ بصرہ میں کھجور کی تین اقسام بڑی مشہور ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ حلوی۔ خضروی۔ اور سمیر۔ یورپین ممالک کیطرف صرف یہ اقسام روانہ کیجاتی ہیں۔ یہ کھجوریں لکڑی کے صندوقوں میں بند کرکے بھیجی جاتی ہیں۔ پچھلے پانچ سالوں میں بصرہ سے جو کھجوریں یورپ اور امریکہ کیطرف روانہ کی گیئں۔ اون کا اوسط ۳۰۰۰۰ ٹن تھا۔ اون میں سے نصف امریکہ بھیجی گئی تھیں۔

کھجور کی دوسری مشہور اقسام زہدی۔ بریم۔ ڈیری اور بنتکی ہیں۔ یہ کھجوریں بوروں یا ٹوکروں میں بند کرکے عرب کے ساحل۔ ہندوستان۔ بحرہ قلزم کے ساحل پر جو ممالک ہیں۔ اور زنگبار کیطرف روانہ کیجاتی ہیں۔ بصرہ کے نزدیک بیس اور قسم کی کھجوریں کاشت کیجاتی ہیں۔ اور اون کا پھل مقامی ضروریات کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ ان کھجوروں میں سے بعض کے نام بڑے عجیب ہیں جیسے کہ خوشبو کی ماں۔ سرخ کھجور۔ قند سرخ۔ سات کی بیٹی۔ دلہن کی انگشت چھوٹا ستارہ۔ پاکیزہ بیٹی وغیرہ۔ دوسرے ناموں کا ترجمہ نہ دینا ہی بہتر ہے۔

میں بالگریو اور دیگر سیاحوں سے اس کے متعلق متفق ہوں کہ الاحسا کی خالص کھجور سب سے افضل ہے۔ اس قسم کی ابھی ابھی الجزیرہ میں کاشت کی گئی ہے۔ بالگریو کہتا ہے۔ وہ خالص کا لفظی ترجمہ جوہر ہے۔ اور یہ ناموزوں نہیں ہے ؟ اس کھجور کا پھل حلوی سے چھوٹا ہوتا ہے۔ مگر یہ اتنا خشک نہیں ہوتا۔ اور کھانے میں زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ اس کا رنگ عنبری ہوتا ہے۔ اسکی گٹھلی چھوٹی اور آسانی سے نگلی جا سکتی ہے۔ میٹھی ایسی ہوتی ہے۔ جیسے

کہ کہانڈ۔ اور اس کھجور سے جو امریکہ آتی ہے۔ بدرجہا افضل تر ہوتی ہے۔

بصرہ میں کھجوروں کا موسم ستمبر میں شروع ہوتا ہے۔ اور جب تک سارا پھل جمع نہ ہو جائے۔ اور جہازوں پر لادا جائے۔ ہر شخص اون میں مصروف رہتا ہے۔ جو کھجوریں یورپ اور امریکہ بھیجی جاتی ہیں۔ وہ اعلےٰ قسم کی ہوتی ہیں۔ نصف ہنڈرویٹ کا ایک صندوق جہاز پر تین یا چار شلنگ قیمت پاتا ہے۔ ادنےٰ قسم کی اور چھوٹی کھجوریں الگ بوروں میں باندھی جاتی ہیں اور ہندوستان کیطرف روانہ کیجاتی ہیں۔ ادنےٰ ترین قسم کی کھجوریں انگلستان کی آبکاریوں کو بھیجی جاتی ہیں۔ غرضیکہ بری بھلی سب کھجوریں لگ جاتی ہیں۔ کھجوروں کے بند کرنے والے صندوق بھرنے کی اجرت تین یا چار قمریان لیتے ہیں سب سے زیادہ کام کرنے والا دن میں چالیس صندوق بھرتا ہے اور دن میں ایک قرن کے قریب کما لیتا ہے۔ وہ لوگ کھجوروں پر ہی گذارہ کرتے ہیں۔ اور اپنے بال بچوں اور والدین کو سارا موسم باغوں میں ہی رکھتے اور کھجوریں ہی کھلاتے ہیں۔

بصرہ میں کھجوروں کا موسم ابتدا یا وسط ستمبر سے شروع ہو کر چھ یا آٹھ ماہ رہتا ہے۔ کھجوروں کے باغوں کی قیمت مختلف ہوتی ہے۔ سودا ایک باغ میں بیٹھکر کیا جاتا ہے۔ جہاں مالک اور گاہک بہت سے تقاضا کرنے کے بعد فیصلہ کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں حلوی کھجوروں کی قیمت ۸۰ ۴ شامی۔ خذروی کی ۸۰ ۲ شامی اور سیر کی ۸۰ ۱ شامی مقرر ہوئی تھی۔ ۱۷ شامی ایک پونڈ کے برابر ہوتے ہیں۔ (ایک پونڈ ۱۵ روپیہ کا ہوتا ہے۔ مترجم) اور مندرجہ بالا قیمت پچاس ہنڈرویٹ کے حساب سے ہے۔

پچھلے پندرہ سالوں سے کھجور کی کاشت میں نمایاں ترقی ہوئی ہے سنہ ۱۹۱۵ء میں سخت طغیانی آئی جس سے دس لاکھ درخت ضایع ہوئے اب نئے باغات لگائے جا رہے ہیں۔ الجزیرہ کے عرب اپنے باغوں کو رونق دینے کے لئے کہاد ڈالنے اور پانی دینے میں از بس محنت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ

جان گئے ہیں۔ آن کی اصلی دولت یہ باغ ہیں۔ ابھی ابھی ان کھجوروں سے شکر بننا شروع ہوا ہے۔ اور جب سے چقندر کی کھانڈ شروع ہوئی ہے اسوقت سے یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ جن کھجوروں کا شربت بنایا جاتا ہے۔ آن سے بہت عمدہ کھانڈ تیار ہو سکتی ہے۔

الجزیرہ میں صرف کھجوریں ہی بکثرت نہیں ہوتیں۔ بلکہ اناج۔ اون صمغ اور کئی دیگر پیداواریں بھی بافراط ہوتی ہیں۔ صرف ۱۸۹۷ء میں ۲۸۸۷۰۰ پونڈ مالیت کی اون باہر گئی۔ اور اس سال بغداد اور بصرہ سے ۵۲۲۹۶۰ پونڈ قیمت کی اشیاء ممالک غیر کو روانہ کی گئیں۔ بصرہ گرد و نواح کے سارے ملک کا بندرگاہ ہے۔ سمندری جہاز ہمیشہ بصرہ کی گودی میں لنگر زن رہتے ہیں۔ ۱۸۹۷ء میں چار سو اکیس ۴۲۱ جہاز اور چھیانوے سٹیمر بندرگاہ سے روانہ ہوئے اور ۷۴۳۱۸ ۱۳۲۱ ٹن بوجھ لے گئے۔ ان جہازوں میں اکیانوے ۹۱ سٹیمر انگریزی تھے۔ ترکی رپورٹ کے موافق کیونٹ ان دونوں ولایتوں کی مندرجہ ذیل آبادی بتاتا ہے۔

	مسلمان	عیسائی	یہودی	کل
ولایت بغداد	۷۸۹۵۰۰	۷۰۰۰	۵۳۵۰۰	۸۵۰۰۰۰
ولایت بصرہ	۹۳۹۶۵۰	۵۸۵۰	۹۵۰۰	۹۵۰۰۰۰

ولایت بغداد کے مسلمانوں میں سے تین چوتھائی سنت والجماعت ہیں اور بصرہ میں تین چوتھائی شیعہ ہیں۔ صابئین عیسائیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کو مندرجہ ذیل فرقوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ لاطینی کلیسیائے یونانی کے پیرو۔ یونان۔ شامی۔ شالڈی کیتھلک۔ ارمنی۔ جارجی ارمنی کیتھلک۔ اور پروٹسٹنٹ۔ پروٹسٹنٹ عیسائی تعداد میں بہت کم ہیں اور باقی تمام عیسائی فرقے ان کے سخت مخالف ہیں۔

بغداد کی ولایت میں تین بغداد۔ حلہ۔ اور کربلا۔ اور بصرہ کی ولایت بصرہ۔ عمارہ۔ منتفق۔ اور نجد میں تقسیم ہے۔ ان چھ اضلاع میں سے بغداد کا ضلع سب سے بڑا ہے۔ اور دونوں ولایتوں کا فوجی مرکز ہے۔ ضلع بغداد شمال کی ایک

طرف اناہ واقعہ برلب فرات اور جنوب کی طرف قوط الامارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ حلہ اور کربلا دریائے فرات کے کنارہ پر واقعہ ہیں۔ اور منتفق کا ضلع ان کے اور ضلع بصرہ کے درمیان واقع ہے۔ امارہ کا ضلع دونوں دریاؤں کے جائے اتصال سے چند میل بجانب شمال شروع ہوتا ہے۔ اور ایران کی طرف اس کی حد بھی غیر متعین ہے۔

یہ دونوں ولائتیں ترکوں کی سول اور ملٹری ریڈ منسٹریشن کی مشینیں بنی ہوئی ہیں۔ عہدوں اور عہدہ داروں کی افراط ہے۔ اور ہر دو میں ہمیشہ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ہر ایک ولایت پر ایک گورنر جنرل یا ولی اور ہر ایک سنجق پر اول یا دوئم درجے کا متصرف یا پاشا مقرر ہے۔ ضلعوں اور شہروں پر قایم مقام اور قریوں پر مدیر متعین ہیں۔ گورنمنٹ کے صدر مقام کو سرائے کہتے ہیں۔ اسمیں ایک انتظامی کونسل ہوتی ہے جسمیں نائب یا قاضی۔ دفتردار۔ مفتی۔ نقیب وغیرہ عہدہ دار شامل ہوتے ہیں۔ ان ولائتوں میں مختلف درجوں کی چند عدالتیں ہیں۔ کسٹم ہوس کا سسٹم بس پیسے بٹورنے کا سسٹم ہے۔ ان کے علاوہ محکمہ تمباکو۔ پوسٹل۔ ڈاکخانہ اور ٹیلیگراف رتارگھر) ڈیپارٹمنٹ۔ حفظان صحت کا محکمہ۔ نمک کا محکمہ۔ اور زائرین کربلا کا دفتر وغیرہ بھی محکمہ ہیں۔ اور ان کی تشریح کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔

تیرھواں باب

ترکی عرب کے شہر اور قریے

کویت جو دریائے ڈیلٹا کے جنوب میں تھوڑے فاصلہ پر خلیج فارس کے کنارے پر آباد ہے۔ نزدیک ہی زمانہ میں ایک قابل قدر شہر بن جائیگا۔ اور سویز یا پورٹ سعید کی طرح مشہور ہو جائے گا۔ مشرقی عرب میں اسکی بندر عمدہ ترین ہے۔ اور شہر کی آبادی دس بارہ ہزار کے قریب ہے۔ یہ شہر غالباً اوس مجوزہ لائن کا آخری اسٹیشن ہوگا جو ہندوستان اور خلیج فارس

کو یورپ سے ملحق کرنے والی ہے۔ اور اگرچہ تمام علاقہ بالکل صحرا ہے۔ شہر کی زندگی کا دارومدار تجارت پر ہے۔ اس شہر میں خلیج فارس کے دوسرے بندرگاہوں کی نسبت زیادہ جہاز ہیں۔ شہر صاف اور ستھرا ہے۔ بعض مکانات بہت نفیس اور عمدہ ہیں۔ جہاز بنانے کے لئے ایک بڑا کارخانہ ہے۔ شہر اور قبیلہ برائے نام ترکوں کے ماتحت ہیں۔ مگر افواہ ہے کہ وہ دن نزدیک ہی ہے۔ جب بحرین کی طرح کویت بھی انگریزوں کی حمایت میں آجائے گا۔ (واقعات نے اس افواہ کی ایک حد تک تصدیق کردی ہے۔ کویت کے متعلق ترکوں اور انگریزوں میں تنازعہ ہے اور موجودہ حالت میں اگرچہ کویت کو دونوں قوموں کی حمایت سے باہر کردیا گیا ہے۔ مگر قرین قیاس ہے کہ انگریزوں کا داؤ چل جائے۔ مترجم)

شمالی حسا اور زین نجد کے بدو اس جگہہ گھوڑے۔ مویشی۔ اور بھیڑیں لاتے ہیں اور ان کو کھجوروں۔ کپڑوں اور آلات سے تبادلہ کرتے ہیں۔ شہر کے نزدیک بدوؤں کا میلہ لگا رہتا ہے۔ کویت سے بصرہ تک جو راستہ جاتا ہے۔ وہ صحرا میں سے ہوکر گذرتا ہے۔ صحرا کے بعد ایک پرانی نہر آتی ہے جیل صنم بائیں ہاتھ رہتا ہے۔ دوسرا کوچ کرنے سے مسافر زبیر جا پہونچتا ہے۔ زبیر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اور قدیم بصرہ کی جگہہ آباد ہے۔ اور موجودہ بصرہ سے تین گھنٹوں کی مسافت پر ہے۔

زبیر میں مسلمانوں کے ایک لیڈر زبیر کی قبر ہے۔ اور اسی کے نام پر اس قریہ کا یہ نام ہے۔ اس قریہ میں ۱۰۰۰ کے قریب گھر ہیں۔ لوگ یہاں کے متمول اور متعصب ہیں۔ قریہ کے ارد گرد باغات ہیں۔ ان میں ایک قسم کا خربوزہ ہوتا ہے جو مٹھاس اور لذت کے باعث سارے ملک میں مشہور ہے۔ کویت سے بصرہ تک دیسی بھی کشتیوں میں ہی سفر کرتے ہیں۔ خلیج فارس کے وہ سٹیمر جو کویت میں نہیں ٹھیرتے۔ بوشہر سے براہ راست فاؤ کیطرف جاتے ہیں۔ فاؤ شط العرب کے دہانہ پر واقع ہے۔ دہانہ کے قریب دریا اس قدر مٹی لاتا ہے کہ تجارت کے راستہ میں ایک روک پیدا کردیتا ہے۔ جب پانی اوتار پر ہوتا ہے تو اس کی گہرائی صرف دس فیٹ ہوتی ہے۔ اور طغیانی کے وقت بھی بصرہ کی طرف

جاتے ہوئے بڑے بڑے سٹیمروں کو کیچڑ سے رگڑ کر اپنا راستہ نکالنا پڑتا ہے
فاؤ کی شہرت صرف اس لئے ہے کہ یہاں بوشہر کا سلسلہ تار ختم ہو جاتا
ہے۔ ۱۸۶۴ میں یہاں ایک انگریزی تار گھر قائم کیا گیا تھا۔ دریا سے اوپر جو ترکی
سلسلہ تار ہے۔ وہ فاؤ پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں قرنطینہ کی نگرانی کے لئے ایک
ترک افسر بھی مقیم ہے۔

شط العرب چالیس میلوں تک کھجوروں کے جھنڈ اور صحرا میں چکر لگاتا ہوا
بہتا ہے۔ یہانتک کہ ہم دریائے کوآن اور ایرانی قصبہ محمرا میں جا پہنچے۔ بصرہ
دریا کے دہانہ سے ستر میل اوپر واقع ہے۔ اور اس کے اور فاؤ کے درمیان
دریا کے دونوں کناروں پر بے شمار بڑے بڑے قریے اور گاؤں آباد ہیں۔ ان قریوں
میں ابو جاسب سب سے بڑا اور کھجوروں کی بڑی بھاری منڈی ہے۔ بصرہ کے دو
حصے ہیں۔ ولیسی شہر۔ اور نیا شہر جو دریا پر واقع ہے۔ ولیسی شہر میں دو بڑے بڑے
بازار سرکاری عمارات۔ اور آبادی کا زیادہ حصہ ہے۔ ولیسی شہر دریا سے دو میل
کے فاصلہ پر ایک کنارے پر جس کو عشر کہتے ہیں آباد ہے۔ دریا کے کنارے
کنارے نہایت عمدہ سڑک بنی ہوئی ہے۔ اور یہ سڑک دونوں شہروں کو آپس میں
ملا دیتی ہے۔ اس کے کنارے کنارے دو رویہ عمارات بنی ہوئی ہیں۔
بصرہ نے پہلے دن بھی دیکھے ہیں اور بُرے دن بھی۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں اس شہر کی آبادی ۱۵۰۰۰۰ سے زیادہ
تھی۔ ۱۸۲۵ میں کل ۶۰۰۰۰ تھی۔ ۱۸۳۱ میں طاعون نمودار ہوا۔ اور نصف
آبادی کو ضائع کر گیا۔ ۱۸۳۸ میں پھر وبا نمودار ہوئی۔ اور شہر کی آبادی کل
۱۲۰۰۰ رہ گئی۔ کہتے ہیں کہ ۱۸۵۴ میں اس کی آبادی کل ۴۰۰۰ رہ گئی تھی۔ آج
کل جابر گورنمنٹ اور سخت محصولوں کے باوجود شہر کی رونق اور آبادی بڑھ
گئی ہے۔ (یہ شخص خواہ مخواہ ترکی گورنمنٹ کے برخلاف زبان کھولتا ہے لطف
یہ کہ جہاں ترکی گورنمنٹ کی بدولت ترقی ہوتی ہے۔ وہیں اُن کے برخلاف زہر
اگلتا ہے۔ مترجم) قضا و قدر کے کارندوں نے سوائے آب و ہوا کے بصرہ
کو لغداد پر ہر طرح ترجیح دے رکھی ہے۔ اور اگر ترکی گورنمنٹ رو بہ اصلاح

یا اوس کا خاتمہ بھی ہو جائے۔ تو یہ شہر اور بھی زیادہ ترقی کرے۔ اور بغداد کو بالکل پس پشت ڈالدے۔

سرکاری ترکی رپورٹ کے مطابق آج کل اس شہر کی آبادی ۱۸۰۰۰ ہے میدانوں اور باغوں میں جو کھنڈرات پڑے ہیں۔ وہ اس شہر کی سابقہ عظمت اور شان و شوکت کی شہادت دیتے ہیں۔ موجودہ دیسی شہر برباد و اداسی چھائی ہوئی ہے۔ اور وہ زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ اب میری خبر لینے والا کوئی نہیں۔ وگرنہ میں یہ روز بد کیوں دیکھتا۔ گلیوں کی غلاظت اور آس کی پاس کی نالیوں سے پانی نہ نکالنے کے باعث یہ شہر سخت مضر صحت ہو رہا ہے۔ زیادہ تر لوگ عشر کا پانی استعمال کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ متمول ہیں وہ کشتیوں کے ذریعہ دریا سے پانی منگاتے ہیں۔ یہ گورنمنٹ کی نالائقی نہیں تو کیا ہے کہ پانی کی کثرت کے باوجود پانی کی بہم رسانی کا انتظام نہیں کیا جاتا اور جھیلوں سے غلیظ پانی نکالنے کا بندوبست نہیں کیا جاتا۔

زبیر کے نزدیک پرانا بصرہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضہ نے ۶۳۶ میں آباد کیا تھا۔ تاکہ دریائے دجلہ اور فرات کی کلید کا کام دے۔ اس شہر نے انتہا ترقی کی۔ جسطرح بغداد سائنس اور فلاسفی کا مسکن تھا۔ اسی طرح بصرہ نظم اور دیگر گرامر کا مرکز تھا۔ بارہویں صدی کے بعد شہر رو بہ تنزل ہونے لگا۔ ۱۶۳۸ میں مراد رابع کے بغداد فتح کر لینے سے سارا ملک ترکوں کے قبضہ میں آگیا۔ اسوقت موجودہ شہر کو بصرہ کا نام دیا گیا۔ پھر یہ شہر عربوں کے قبضہ میں ہوا۔ ۱۸۳۲ سے ۱۸۴۰ تک محمد علی اسپر قابض رہا۔ جب مدحت پاشا بغداد کا گورنر جنرل تھا اُس نے ایک ٹرکش سٹیم نیویگیشن کمپنی اور ترکی جہاز رانی کی کمپنی قائم کر کے شہر کو بڑی ترقی دی۔ اور ویسے بھی اسکی حالت سنوارنے کی کوشش کی۔ مگر اُس کی ساری جد و جہد جلد ہی خواب و خیال ہو گئی۔ انگریزی تجارت نے اس شہر کو اچھی رونق دیدی ہے۔ اور سٹیمروں نے اس کے مردہ جسم میں پھر کچھ جان ڈالدی ہے۔

بصرہ سے نور و رنگ و دانیوں کے سٹیمروں پر سفر ہو سکتا ہے۔ ایک تو

عثمانیہ کمپنی ہے۔ جس کے پاس چھ سٹیمر ہیں۔ اور ایک انگریزی کمپنی جسکے پاس
تین سٹیمر ہیں۔ مگر موخر الذکر کو صرف دو سٹیمر استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ میں نے
دونوں کمپنیوں کے سٹیمروں میں سفر کیا۔ انگریزی سٹیمر بغداد کیطرف ڈاک لیجاتے
ہیں۔ اور ہفتہ وار روانہ ہوتے ہیں۔ اگر دریا کی رفتار کے برخلاف چلیں تو
سفر میں چار یا پانچ دن لگتے ہیں۔ اور اگر پانی کے بہاؤ کیطرف چلیں تو تین دن
اور جب پانی کم ہو زیادہ دن خرچ ہوتے ہیں۔ جہاں جگہ خراب اور پانی کم
ہو۔ جہاز سے کچھ اسباب اتار دیا جاتا ہے۔ اور گہرے پانی میں جاکر پھر رکھ لیا
جاتا ہے۔ پانی کے کم ہونے سے تجارت کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ اگر ترکی
گورنمنٹ ذرا توجہ کرے اور پانی کو ضائع نہ ہونے دے تو پھر کوئی شکایت
نہ رہے۔ اگر پانی اسی طرح ضائع ہوتا رہا۔ اور اس کا کوئی تدارک نہ کیا گیا
تو دجلہ جہازوں کے لئے بند ہو جائے گا۔ جس طرح کہ سک الشیوخ سے
نیچے فرات ہو گیا ہے۔

سٹیمر مجیدیہ جس کا کپتان کوولی ہے۔ اور سٹیمر خلیفہ انگریزی قونصل خانے کے
پاس لنگر ڈالے رہتے ہیں۔ یہ جہاز ہر قسم کے آدمیوں اور ہر قسم کی چیز سے بھرے
ہوتے ہیں۔ ایرانی۔ ترک۔ ہندوستانی۔ ارمنی۔ یونانی۔ بستر۔ بورے
صندوق۔ پانی کے پیپے۔ مرغ۔ بطخیں۔ بھیڑیں۔ گھوڑے وغیرہ سب مہمان
ہیں ہوتے ہیں۔ یہ سٹیمر اور ان امریکن سٹیمروں کے موافق نہیں۔ جو دریائے مسیسپی
میں چلتے ہیں۔ ان سٹیمروں کے صحن ڈبل ہیں۔ اسواسطے سینکڑوں مسافر اور کئی
ٹن بوجھ اٹھا کر لیجاتے ہیں۔

پہلی جگہ جہاں جہاز ٹھہرا کرتا ہے۔ جو دو دریاؤں کی جائے اتصال
پر واقع ہے۔ وہاں سے دریائے دجلہ کے راستہ جہاز بغداد پہنچتا ہے۔
عزرا کی قبر جو بصرہ سے ۲۰ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ یہودیوں کی بڑی زیارت گاہ
ہے۔ دریا کے کنارے پر اس قبر کی جائے وقوع نہایت اعلیٰ ہے۔ اور یہودیوں
کا جہاز سے اترنا اور چڑھنا بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس قبر پر ایک گنبد
بنا ہوا ہے۔ دروازہ پر دو سیاہ سنگ مرمر کے تختے لگے ہوئے ہیں۔ جن پر

عبرانی زبان میں کندہ ہیں۔ عزرا کا یہاں مدفون ہونا بعید از قیاس نہیں
کیونکہ تالمود (یہودیوں کی ایک مذہبی کتاب جسمیں روایتیں درج ہیں) میں لکھا
ہے۔ وہ دریائے دجلہ کے کنارے مقام زمزمہ میں فوت ہوا۔
کہتے ہیں۔ وہ یہودی قیدیوں کی برات ثابت کرنے کے لئے یروشلم سے
سوسا کیطرف آرہا تھا کہ راستہ میں ملک الموت نے آدبایا۔ جوزیفس لکھتا ہے
وہ یروشلم میں دفن کیا گیا۔ مگر بغداد کے یہودیوں کو یقین ہے کہ عزرا دریائے
دجلہ کے کنارے پر ہی مدفون ہے۔ دس گھنٹہ کی مسافت پر ایک عرب بزرگ
کی قبر ہے جسپر کائیوں کی جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ اور چند چنار کے درخت کھڑے
ہوئے ہیں۔ اس کے بعد آمارہ آتا ہے جو ایک بڑا قریہ ہے۔ یہاں کوئلہ کا گودام
رہتا ہے۔ اور بڑے ہوشیار ہیں۔ یہ جگہ ۱۸۶۶ میں آباد کی گئی تھی۔ اور آثار سے
پایا جاتا ہے کہ یہ جلد ہی ایک بڑی بھاری منڈی بنجائے گی۔ علی شرقی علی غربی
اور شیخ سعد گذرنے کے بعد سٹیمر قط الامارہ پر ٹھہرتا ہے۔ یہ قصبہ امارہ سے
بھی بڑا ہے۔ دریا کے مشرقی کنارہ پر آباد ہے۔ اور آبادی انکی ۴۰۰۰
نفوس کی ہے۔

بصرہ سے بغداد تک تمام راستہ میں خاصکر دریا کے اس حصہ پر بدو قبائل
آباد ہیں۔ سیاہ خیموں میں رہتے ہیں۔ ابتدائی طریقوں سے کاشتکاری اور
آبپاشی کرتے ہیں۔ یا سٹیمر کے آنے پر کنارہ پر کھڑے ہوکر شور مچاتے ہیں۔ وہ
بھوکے، شوربے اور خوش باش لوگ ہیں۔ خیرات مانگنے کے لئے از بس منت
سماجت کرتے ہیں۔ اسوقت بڑا لطف آتا ہے جب روٹی کا ٹکڑا یا چند کھجوریں
پکڑنے کے لئے وہ دریا میں کود پڑتے ہیں۔

اس اثنا میں ہم لقبیلا۔ عزیزیہ۔ بغداد یہ گذر کر بستی کسرے (سٹیفون کی
محراب) میں پہونچتے ہیں۔ پاس ہی ایک چھوٹا سا گاؤں سلمان پاک ہے۔ جو
آں حضرت (محمد سرور کائنات) کے حجام سلمان کے نام پر مشہور ہے۔ ادھر
ڈوبیر بٹھانے کے بعد غریب سلمان یہاں پہونچا۔ اور آخر یہیں پیوند خاک ہوا۔ قبر کے
قریب ایک گاؤں آباد ہو گیا۔ بہت سے لوگ اس قبر کی زیارت کو آتے ہیں۔

اور بہت سی کرامتیں اس شخص کیطرف منسوب کیجاتی ہیں۔ الجزیرہ سارے عرب میں بزرگوں۔ ولیوں۔ خانقاہوں۔ زیارت گاہوں کے مشہور ہے۔

تسبنی کسرے زیارت گاہ تو نہیں۔ مگر ہے قابل دید جگہ۔ یہ جگہہ دو شہروں ٹیس فون جو دجلہ کے مشرقی کنارہ پر آباد تھا اور سلوشیا جو مغربی کنارے پر آباد تھا۔ کی یادگار ہے۔ یہ محراب بالکل کھنڈر ہے۔ مگر اس کھنڈر سے ہی سابقہ عظمت کا کھوج ملجاتا ہے۔ اس محراب کی لمبائی ۲۷۵ فٹ اور اسکی بلندی بقول لیفی ۸۶ فٹ اور بقول دیگراں ۱۰۰ فٹ ہے۔ دیواریں ۱۲ فٹ موٹی ہیں اور عالیشان محراب کی چوڑائی ۸۰ فٹ کے قریب ہے۔ ہم کتبی کی تاریخ میں پڑھتے ہیں۔ کہ ساسانیوں کے عہد میں ٹیسی فون کیا تھا۔ مگر ٹیسی فون کی شان شوکت اور عظمت خاک میں ملگئی ہے۔ زیادہ لوگ حجام کی قبر کو دیکھنے آتے ہیں۔ مگر خسروآن کے قدیم تخت گاہ سے کوئی شخص بھی عبرت حاصل کرنے نہیں آتا۔ ٹیسی فون کے کھنڈرات سے روانہ ہونے کے آٹھ گھنٹہ بعد ہارون الرشید کا شہر نظر آنے لگتا ہے۔

بغداد کے نام سے وہ بچہ بھی واقف ہے جس نے کبھی بھی عرب کے قصص سنتے ہیں۔ ترکی سلطنت کا یہ ایک عظیم الشان شہر ہے۔ اور اس کی تاریخ خود سلطنت کی تاریخ سے بھی پرانی ہے۔

۷۶۵ء میں خلیفہ منصور نے اس کو آباد کیا۔ اور یہ پانچسو سال تک اسلامی دنیا کا مرکز اور دار الخلافہ رہا ہے۔ آخر مشرق کی سمت سے ہوا کا ایک جھونکا آیا اور یہ جگمگ جگمگ کرتا ہوا چراغ گل ہوگیا۔ چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اور اسکی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اور صدیوں کی محنت پر لوں ہی میں پانی پھیر دیا۔ یہ شہر اسی میدان پر آباد تھا۔ جو کبھی قدیم دنیا کا سرتاج تھا۔ اور جو آجکل بے لبسی کی حالت میں گذرے ہوئے زمانہ کی شوکت کا اظہار کر رہا ہے۔ آج کل اس میدان کی خوبی یہی ہے کہ اسپر اگلی شان وشوکت کی یاد تازہ کرانے کے لئے کھنڈرات پڑے ہیں۔ بازاروں میں منہ زور سپاہیوں بدبودار گلی کوچوں۔ مسمار مسجدوں۔ دریا پر سڑے ہوئے کشتی کے پلوں۔ بازاروں

میں مصیبت زدہ بھیک منگوں کو دیکھ کر ٹرکی گورنمنٹ کے مظالم پر بے ساختہ لعنت کرنی پڑتی ہے۔ دریا کے مغربی کنارہ پر قدیم شہر ہے۔ جو نارنگیوں اور کھجوروں سے گھرا ہوا ہے۔ مشرقی کنارہ پر نیا بغداد ہے۔ اور یہ بھی بڑا پرانا معلوم ہوتا ہے۔ اس شہر میں سرکاری دفاتر، قونصل خانے، تجارتی کوٹھیاں۔ اور کسٹم ہوس واقع ہیں۔

بغداد ابھی تک بموجودہ چند مشہور شہر ہے۔ ٹرکی سلطنت کے کسی شہر پر مصر اور عرب کا اتنا اثر نہیں۔ جتنا کہ بغداد پر۔ اور جزیرہ نما کے اندرونی قصبات و قریات سے جتنا اس کا تعلق ہے اور کسی شہر کا نہیں۔ یہاں جو عربی زبان مروج ہے نسبتاً پاکیزہ اور خالص ہے۔ اور لوگوں کی معاشرتی زندگی میں بدوانہ طریقوں کی ابھی تک جھلک پائی جاتی ہے۔

چونکہ بغداد تجارت کی جگہ ہے۔ اور اس میں زیارت گاہیں بہت ہیں اسکی آبادی گوناگوں ہے۔ الشیخ عبدالقادر اور امام ابو حنیفہ کی قبریں۔ اور شیعہ اماموں کی مزاریں جن کے گنبد سنہری ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کی زیارت گاہیں ہیں۔ لیوانٹ کی سب زبانیں بغداد کے بازاروں میں بولی جاتی ہیں۔ مگر عربی زبان سب پر غالب ہے

ڈاکٹر ایچ۔ ایم سمتھ لکھتا ہے: "میں ایک دفعہ ایک بیمار کی عیادت کو گیا کمرے میں چھ آدمی تھے۔ اور ہم پانچ زبانیں استعمال کرتے تھے۔ ایک اور موقعہ پر ایک کمرہ میں چالیس آدمی تھے اور وہ چودہ زبانوں کا استعمال کرتے تھے۔"

بصرہ کی طرح بغداد کو بھی طاعون سے سخت نقصان پہونچا ہے۔ سنہ ۱۸۳ میں تو طاعون نے وہ غضب ڈھایا کہ قریباً شہر ہی خالی ہو چلا تھا۔ ایک دفعہ رات کو دریا کناروں پر اچھل آیا۔ ۷۰۰۰ گھر اور ۱۵۰۰۰ آدمی اسکی بھینٹ چڑھے۔ بغداد کی موجودہ آبادی کے مختلف اندازے لگائے جاتے ہیں کوئی ۱۲۰۰۰۰۔ اور کوئی ۱۸۰۰۰۰ بتاتا ہے۔ ایک تہائی یہودی ہیں۔ اور مشرقی عیسائی ۵۰۰۰ کے قریب ہیں۔ بغداد کی تجارت نہ صرف جنوبی علاقہ اور بصرہ سے

ہی ہے۔ بلکہ بغداد اور شمالی الجزیرہ سے بھی ہے۔ ۱۸۹۰ء میں بغداد سے ہندوستان اور یورپ کی تجارت برآمد ۱۰۰۰۰۰۰ پونڈ کی۔ اور صرف یورپ کی تجارت برآمد ۶۰۹۲۲۵ پونڈ کی تھی۔

بغداد کے شمال کیطرف دریا قابل جہازرانی نہیں مگر کردستان کیطرف سے اسباب کی لائی ہوئی چھوٹی چھوٹی کشتیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ کشتیاں ٹوکروں پر بکری کی کھال چڑھا کر بنائی جاتی ہیں۔ واپس جاتی دفعہ ملاح کھال اوتار لیتا ہے اور قافلوں کے ساتھ براہ خشکی جاتا ہے۔ بغداد کی مشہور کشتی کوفی ہے۔ یہ گول ہوتی ہے۔ قطر اس کا چھ یا آٹھ فیٹ ہوتا ہے۔ کنارے اندر کیطرف مڑے ہوتے ہیں۔ اور اون پر رال لگی ہوتی ہے۔ یہ کشتیاں اتنی پرانی ہیں جتنا کہ نینوہ۔

بغداد میں اڑسٹھ سے زیادہ مسجدیں، چھ گرجے۔ اور بیس یہودیوں کے عبادت خانے ہیں۔ بعض مسجدیں جیسے کہ داؤد پاشا وغیرہ۔ بہت اچھی حالت میں ہیں۔ باقی خراب و خستہ حالت میں پڑی ہیں۔ اور لیڈی اپنی بلنٹ کے اس پر بمبارک کی یاد دلاتی ہیں۔ بغداد کی اصلی دولت تو دریائے دجلہ ہے۔ کہ میلوں تک باغوں کو سرسبز کرتا ہے۔ کنارے کے پاس مکانات ہیں۔ بعض مکانوں کے ساتھ خوبصورت باغات ہیں۔ انگریزی ریذیڈنسی کا مکان بوجہ اپنے محل و قوع اور دریا کی طرف منہ ہونے کے سب سے خوبصورت عمارت ہے۔ مگر دوسری قونصلوں کی عمارتیں سونے پر سہاگہ کا کام کرتی ہیں۔ اور دیکھنے والے کے دل پر یورپین سلطنتوں کے جبروت و سطوت کا اثر ڈالتی ہیں۔ بصرہ کی نسبت یہاں یورپین زیادہ ہیں۔

چودھواں باب

دریائے فرات کے نیچے کا سفر

جنرل موکلر انگریزی کانسل جنرل اور ریذیڈنٹ متعینہ بغداد کی مہربانی

اور بعد سے میں ۱۹۱۳ء کے موسم خزاں میں اس قابل ہو گیا کہ بغداد سے حلب کے پار دریائے فرات کے نیچے سفر کروں۔ اور اس راستہ سے اکثر سیاح نہیں جاتے۔ ضروری تیاری کرنے اور ایک نوکر رکھنے کے بعد ہم نے دو خچر کرایہ پر لئے۔ اور قدیم خلفاء کے دارالخلافہ سے ایک قافلہ کے ساتھ کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔

جولائی کا مہینہ تھا اور ہم نے بغداد سے چار گھنٹوں کی مسافت پر پہلا مقام کیا اور رات کو کمبل بچھا کر کھلی جگہ پر سوئے۔ نیم شب سے ایک گھنٹہ بعد خچروں پر زین رکھی گئی۔ اور ہم آگے روانہ ہوئے۔ یہ قافلہ مختلف لوگوں کا مجموعہ تھا۔ حلب کے عرب۔ ایرانی اور ترک سوداگر۔ مقدس مقامات کے زائرین۔ پردہ دار سواریوں پر برقع پوش عورتیں۔ سبز عمامہ والے درویش کے ہاتھوں میں بید کے موٹے موٹے سونٹے لئے ہوئے تھے۔ اس قافلہ کے ممبر تھے۔ چند خچروں پر اون دینداروں کی لاشیں تھیں جو نجف میں دفنانے کی وصیت کر گئے تھے۔ قافلہ رات کے وقت چلتا تھا کیونکہ دن کو سخت گرمی پڑتی تھی۔ دن کے وقت ہم کسی سرائے میں پناہ لیتے تھے سال کے اس موسم میں بغداد اور بابل کے درمیان کوئی چیز بھی قابل التفات نہیں ہوتی۔ نقشوں کے مطابق اس سڑک پر چھ خان (سرائیں) ہیں۔ مگر تین بالکل ویران ہیں۔ اور دوسرے میں زراعت کا مرکز یا قصبہ نہیں ہیں۔ بلکہ قافلوں کے آرام کے مکان ہیں۔ زمین اچھی زرخیز معلوم ہوتی ہے۔ مگر نہریں عنقا ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں آلو بول گیا ہے۔ قدیم تہذیب کے آثار دل۔ ڈھیروں اور کھنڈروں میں کہیں کہیں چند پست سی چھاؤنیاں نظر آجاتی تھیں۔ خانوں کے پاس کچے مکان اور عربوں کے خیموں۔ اونٹوں کی لاشوں کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ ہاں کہیں کہیں غزالوں کے ایک دو ریوڑ آجاتے تھے۔ جو دریا میں سے پانی پینے آتے تھے۔ حلہ تک تو یہی حالت تھی۔

خان اس بڑے احاطہ کو کہتے ہیں کہ اس کے گرد کچی یا پکی اینٹوں کی دیوار کھنچی ہو۔ اندر کئی کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ چھ چھ اور آٹھ فٹ بلند ہوتی ہیں۔ ایک کوٹھڑی میں چلے جاؤ۔ اور قافلہ کی روانگی تک آرام کرو۔ احاطہ کے وسط میں ایک کنواں اور نماز کے لئے ایک بڑا چبوترہ بنا ہوتا ہے۔ جب ساری

کوٹھریاں رک جائیں۔ تو باقی لوگ اس چبوترہ پر آرام کرتے ہیں۔ اور اس کے پاس اپنا کھانا پکاتے ہیں۔ باقی احاطہ جانوروں اور حیوانوں کے کام آتا ہے ان خانوں میں عربوں کی معمولی اشیاء خوردنی دستیاب ہو جاتی ہیں۔ مگر آرام بڑی گراں قیمت پر ملتا ہے۔

خان المحسودہ جہاں ہم دوسرے دن پہونچے ایک گاؤں کا جس میں ۳۰۰ کی آبادی ہے۔ مرکز ہے۔ تین بجے صبح ہم محسودہ سے روانہ ہوئے۔ مگر سڑک پر توقف کرنے کی وجہ سے ہم قبل از دوپہر دریا پر نہ پہونچ سکے۔ حلہ کا بازار اور کاروبار پہلے دریا کے کنارے بابل کیطرف ہوتا تھا۔ مگر اب کشتیوں کے پل کے پاس بابل کے کھنڈرات سے چار میل اوپر ہوتا ہے۔ محصول ادا کرنے کے بعد ہم دریا پر سے گذرے۔ اور خان پاشا میں مقیم ہوئے۔ یہ خان تنگ اور گندہ تھا۔ مگر شہر کے درمیان اور دریا کے نزدیک تھا۔ بصرہ کے شمال میں دریائے فرات کے کنارے پر حلہ سب سے بڑا قصبہ ہے۔ کھجوروں کے عالیشان جھنڈ اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ دریا کے کنارے کنارے جہاں تک نظر جاتی ہے چلے گئے ہیں۔ یہ شہر گندم۔ جو۔ اور کھجوروں کی بڑی تجارت گاہ ہے۔ مسلمان آبادی کا دو تہائی شیعہ ہے۔ اور باقی سنت الجماعت اور زیادہ تر ترک ہے۔ وہ باقی عیسائی اور بہت سے یہودی ہیں۔ مگر حلہ یا دریائے فرات کے دوسرے شہروں کی آبادی کا اندازہ لگانا از بس مشکل ہے۔ حلہ کے پاس دریا کا پاٹ ۲۰۰ گز سے کم ہے۔ اور رفتار اوسکی بہت دھیمی ہے۔ شہر کے شمال مغرب میں کچھ فاصلہ پر کربلا ہے۔ کربلا ایک چھوٹا سا قریہ ہے۔ مگر بارہ اماموں کے ماننے والے ہزارہا مسلمان یہاں ہر سال زیارت کو آتے ہیں۔ اس جگہ پیغمبر صلعم کے نواسے (حضرت) حسین (رض) بن (حضرت) علی (کرم اللہ وجہہ) کا مزار ہے اہل تشیع کا خیال ہے کہ خلافت کے اصلی حقدار وہ تھے۔ جو شیعہ یہاں رہنے پاتے ہیں۔ اوس کو اگلے زمانہ کا کوئی ڈر نہیں۔ ان کو اس جگہ پر یہاں تک اعتقاد ہے کہ کئی شیعہ بوقت وفات وصیت کر جاتے ہیں کہ ان کو کربلا میں مدفون کیا جاوے ہندوستان سے کئی نعشیں مصالح لگا کر یہاں لاکر مدفون کیجاتی ہیں۔ حلہ کے

جنوب میں نجف ہے۔ یہاں حضرت علی شہید کئے گئے تھے۔ یہ جگہ بھی از حد متبرک خیال کیجاتی ہے۔

کربلا میں صرف ایک ہی چیز مٹی کی ٹکیاں بنتی ہیں۔ یہ گول یا مستطیل شکل کی دو انچ کے قریب لمبی ہوتی ہیں۔ ان پر حضرت علی یا فاطمہ الزہرہ کا نام کندہ کیا ہوتا ہے۔ شیعہ لوگ نماز پڑھتے وقت اس ٹکی کو پیشانی کے نیچے رکھتے ہیں۔ کربلا کے متعلق تمام لوگوں کی یہی رائے ہے۔ کہ جو کچھ بداخلاقیاں اور غلط کاریاں مکہ کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہی یہاں کے لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔

۳۱۔ جولائی کو ہم حلہ سے ایک دیسی کشتی پر بیٹھکر روانہ ہوئے۔ دریائے فرات کا پانی دجلہ سے زیادہ گدلا ہے۔ مگر اس میں اتنے بھیر نہیں ہیں۔ کنارا اکثر جگہ سے ٹوٹا ہوا ہے۔ ہم ساری رات کشتی پر ہی رہے۔ اور دوسرے دن سہ پہر کے وقت دیوانیہ میں پہونچے۔ کنارے پر بہت قصبے اور قریے ایسے نظر آئے۔ جن کی آبادی اچھی خاصی معلوم ہوتی تھی۔ کھجور کے درختوں کی کثرت تھی عرب شیخوں کی دو تین قبریں بھی دکھائی دیں۔ دیوانیہ میں سارے کا گورنمنٹ سیدھا کیطرف گیا۔ جہاں حلہ کا گورنر نادہند عربوں سے محصول طلب کر رہا تھا۔ وہ بشاشت خندہ پیشانی پیش آیا۔ شاید اسواسطے کہ میرا پاسپورٹ دیکھ چکا تھا۔ دیوانیہ کی آبادی تھوڑی ہی ہے۔ اور اسکی شہرت زیادہ تر کھجوروں کی کثرت اور گندم کی تجارت کی وجہ سے ہے۔

یہاں کے عرب بڑے لٹیرے ہیں۔ وہ دیسیوں کی کشتیوں پر چھاپہ مارتے ہیں۔ ۱۸۴۳ء میں انہوں نے پیمائش کرنے والی ایک انگریزی جماعت پر بھی ہاتھ دراز کیا تھا۔ پس میں اس جگہ سے دو سپاہیوں مسلح اور مسلم کو اپنی حفاظت کے لئے ساتھ لیکر روانہ ہوا۔ یہ دونوں سپاہی بڑے خوش باش تھے۔ یہ دونو سپاہی وردیوں سے لیس لاس ہوکر کشتی کے زیرین حصہ میں سو گئے۔ ہماری ہی روٹی اور کھجوریں نوش کیں۔ اور اپنی بندوقوں کو بھی صاف کرتے جاتے تھے۔ ان بندوقوں پر ڈ ابلیو۔ ایس۔ سیر نگ فیلڈ۔ سٹینڈرڈ رائفل۔ ۱۸۶۳ء لکھا تھا۔ ہم سماوا بخیر و عافیت پہونچ گئے۔ راستہ میں ہم ام نجمس۔ ابو جواریب۔ رمیثہ

اور شویت کے پاس سے گذرے۔ مگر راستہ میں جو چیزیں زیادہ دیکھنے میں آئیں
وہ یہ تھیں کہ دریا جا بجا شاخوں میں بٹ جاتا تھا۔ کنارے پر سر سبز گھاس لہلہا رہی تھی۔ اور
ان میں مٹی کی جھونپڑیاں اور ننگے عرب نظر کو خیرہ کر رہے تھے۔ یہ دریائی قبائل
خانہ بدوش نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی جگہ مستقل طور پر رہتے اور مچھلیوں اور دریائی
بھینسوں پر گذارہ کرتے ہیں۔ ان سیاہ رنگ حیوانوں کو دریا میں سے عبور
کرتے ہوئے دیکھنے سے بڑا لطف آتا ہے۔ ان کے پیچھے عرب تیرتے ہوئے چیختے اور
چلاتے ہیں۔ یہ جگہ کبھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وطن تھی۔

رتلتھ کے قریب ظلم قبیلہ کے لوگ رہتے ہیں۔ یہاں ہم نے کشتی کو لنگر انداز
کر دیا۔ کیونکہ ہمارے ساتھی رات کے وقت البتاروں میں سے گذرنا مناسب
نہ سمجھتے تھے۔ چند عرب ہماری کشتی پر آئے۔ وہ توڑے دار بندوقوں سے
مسلح تھے۔ بہت سے لوگ اس وقت نیند کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ اور ہم کو
کھانے کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ سامنے ایک مٹی کا قلعہ تھا۔ وہاں سے ترکی
فوج سے دو کباب کئے ہوئے مرغ ملے۔ ان میں سے بھی رات کو ایک ایک
ہو کے لوٹ کے کام آیا۔ ہم صبح سویرے روانہ ہوئے۔ اور البتاروں کو بخیریت
گذر کر چار گھنٹوں کے بعد سماوا پہنچے۔ یہاں ہم نے حاجی نصیر کے خان میں دوسری
منزل پر ایک کمرہ لیا۔ اس کمرہ سے بازار میں خوب نظر پڑتی تھی۔ محرم کا پہلا
دن آ گیا۔ اور سارا شہر ماتم کے دریا میں غوطہ زن ہو گیا۔ تمام دکانیں بند ہو
گئیں۔ شیعہ لوگ ماتم کی تیاریاں کرنے لگے۔ اور سنت الجماعت گلیوں میں پناہ
کی جگہ ڈھونڈھنے لگے۔ میں سوچتا ہی تھا کہ مقامی افسر نے حکم بھیجا۔ کہ کسی
ایک حالت میں خان سے باہر نہ نکلنا۔ اگر نکلے اور شیعہ لوگوں نے کوئی آزار پہنچایا
تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ میں دوسرے دن تک اندر ہی بیٹھا رہا۔ اور کھڑکی
میں سے لوگوں کو سینہ کوبی کرتے۔ عورتوں کو روتے چلاتے۔ خونی نشان
اور شہادت کے نظارے دیکھتا رہا۔ یا علی۔ یا حسین یا حسین کی صداؤں سے
ہوا میں گونج پیدا ہو رہی تھی۔ یہ لوگ اتنا پیٹتے اور اتنا چلاتے تھے کہ ان کے
ہاتھ تھک گئے اور گلے بیٹھ گئے۔ عام مسلمان تو کلمہ کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ مگر

اہل تشیع کو اس کی پروا نہیں۔ وہ تو نجف کے شہیدوں کا ہی دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کے ہی وسیلے بہشت کی حوروں سے بوس و کنار ہونے کی ٹھانے ہوئے ہیں۔

سموا اور ایک مشہور شہر نصیریہ کے درمیان ہم زہرہ۔ القسہ و آج کلات (یہاں ایک ترکی مدبر۔ اور جلّہ بصرہ سلسلہ تار کا ایک ٹیلیگراف اسٹیشن ہے) العیکا العین۔ البوطر۔ اور آل اسینہ قبیلوں کے پاس سے گذرے۔ سمو کے نیچے دریا چوڑا ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے کنارے کھجوروں اور سبز کھیتوں کی بدولت نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں ہم پھر ایک ترکی پل پر پہنچ گئے۔ ترکی میں ہر جگہ محصول دینا پڑتا ہے۔ اور ہر چیز محصول کے دائرے میں ہے۔ جہازوں اور ماہی گیری پر محصول کشتیوں اور پلوں پر محصول۔ تمباکو اور نمک پر محصول۔ خیر یہ تو ہوئے مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہر ایک بندرگاہ پر اسی اسباب پر بار بار محصول لیا جاتا ہے دریائے فرات کے کنارے پر جو شہر آباد ہیں ان میں نصیریہ نسبتاً موجودہ فیشن کا ہے اور اس کے مکان بھی اچھے بنے ہوئے ہیں۔ اسکا بازار بڑا اور فراخ ہے۔ اور یہاں کی سرکاری عمارات بھی خوبصورت ہیں۔ ساحل کے نزدیک ایک چھوٹا سا گنبوٹ لنگر زن رہتا ہے۔ اس پر چند سپاہی متعین ہیں۔ جب اسکی سیٹی بجتی ہے تو عرب لوگ اسکو دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور سچ پوچھو تو سارے وادی فرات میں گنبوٹ ہی ایسا ہے۔ جو موجودہ تہذیب میں سے اس کے حصے میں آیا ہے۔ نصیریہ کے سامنے دو احاطے ہیں جنمیں گندم رکھی جاتی ہے۔ تاکہ عرب ڈاکوؤں سے محفوظ رہے۔ تین گھنٹے کی مسافت پر مقیر یا شا الڈیوں کے اُجلے کھنڈرات پڑے ہوتے ہیں۔ دن نمودار ہونے سے پہلے ہماری کشتی نے لنگر اٹھایا۔ اور پانچ گھنٹوں میں ہم سوق الشیوخ میں پہنچ گئے۔

عبدالفتح جس کے ایرانی قہوہ خانہ میں ہم ٹھہرے ایک جہاندیدہ آدمی ہے۔ اس نے بمبئی۔ عدن۔ جدہ کی سیر کی تھی۔ اور کئی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ کسی قدر انجیل کی بھی واقفیت تھی اور دو انگریزی لفظ بھی جانتا تھا۔

پھر بھیجو Send again۔ اس عورت کو کھڑا کر دو Stay here۔
ان دو لفظوں کے جاننے پر وہ بڑا نازاں تھا۔ وہ ایک عمدہ منتظم ہوٹل تھا۔ یہ اسکی
چالاکی اور باتوں کی ہی چاشنی تھی۔ جس نے تین دن تک ٹھہرائے رکھا ورنہ اس شدت
کی دھوپ میں کھجوروں کی سقف کے نیچے بیٹھنا محال تھا۔

شوق الشیوخ کے جنوب میں دریا پھیل کر ایک جھیل سا بن جاتا ہے
یہاں پانی کی گہرائی اتنی کم ہے کہ بڑی کشتیاں اپنا اسباب چھوٹی کشتیوں پر لاد
دیتی ہیں۔ اس توقف کی وجہ سے کرنا پہنچنے سے پہلے ہمارے پاس آذوقہ
ختم ہوگیا۔ اور اہل کشتی ایسے متعصب تھے کہ زیادہ قیمت پر بھی چاول اور گھی
نہ دیتے تھے۔ وہ ہم کو نجس اور کافر کہتے تھے۔ اور کشتی کا ملاح کہتا تھا کہ وہ
بصرہ پہنچ کر اپنی کشتی کو دھو کر پاک کرے گا۔ کیونکہ کافروں کے بیٹھنے سے یہ
ناپاک اور پلید ہوگئی ہے۔ شوق اور کرنا کے درمیان راستہ سخت خطرناک
ہے۔ ہم تین دن تک دریا میں رہے اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کشتی ریت پر پھنس
جاتی تھی۔ اور ہم سارے نیچے اتر کر اسکو پھر پانی میں ڈالتے تھے۔ اس سارے
مسافت میں کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں الکتیبہ نظر آیا۔ اس طرف زیادہ تر وحشی بدو آباد
ہیں۔ جو نصف دن دریا میں ہی رہتے ہیں۔ اور کمر تک بھی جسم نہیں ڈھانپتے۔ آخر
ہم کرنا اور وہاں سے شط العرب کے عظیم دریا میں سے گذرتے ہوئے بصرہ کے
کسٹم ہوس میں پہنچے۔ اس زرخیز و زرریز وادی کا جو علم و ہنر اور شرقی تہذیب
کا مرکز رہی ہے۔ زمانہ آئندہ کیسا ہوگا؟ کیا یہ ہمیشہ ہی ترکی ٹوپی اور ہلال کا شکار
بنی رہے گی؟ ظالم اور خراب گورنمنٹ اور سنگین محصول اس ملک کی لعنت ہیں ترکی
اس ملک کو بالکل تباہ اور برباد کر رہی ہے۔ گڈریے دیہاتی۔ خانہ بدوش۔ کاشتکار
سب کے سب ترکی مظالم سے نالاں ہیں۔ کب اور کیسے نجات آئے گی؟ ان دو سوالوں
کا جواب اس باب کے چند سطروں میں ملیگا۔ جو عرب کے پالیٹکس پر لکھا گیا ہے
وادی فرات میں اگر ترکی ریلوے جاری ہوئی۔ تو اور بھی تباہی و بربادی
چھا جائیگی۔ مگر اگر کسی دوسری گورنمنٹ نے ریلوے جاری کی۔ تو وہ ملکی وسائل
کو نشو و نما دینے میں ازبس کارآمد و مفید ثابت ہوگی۔

پندرہواں باب

عرب کا اندرونی علاقہ معلوم شدہ اور نامعلوم شدہ

نجد کو اندرونی صوبجات۔ عرب میں شیر ببر کی غار ہیں۔ کہ بہت کم آدمی وہاں تک جانے کی دلیری کرتے ہیں۔ اور جو جاتے بھی ہیں۔ وہ واپس نہیں آتے۔ پالگریو۔

یہ ایک نہایت خوفناک صحرا ہے۔ اونٹ وہاں کے سیاہ اور پہاڑیاں ننگی ہیں۔ ایک وسیع ریگستان دعاباز کے شہر تک چلا گیا ہے۔ ڈوٹی۔

وہ علاقہ جس کا کوئی یقینی نام نہیں۔ ہم اسکو اندرونی علاقہ کرکے پکارتے ہیں۔ اور وہ چار بڑے اضلاع میں منقسم ہے۔ ان میں سے تین تو نسبتاً اچھی طرح دیکھے بھالے ہوئے ہیں۔ مگر چوتھا دنیا کی نظروں سے بالکل پنہاں ہے۔ ان اضلاع کے نام یہ ہیں۔ روباہ الخالی۔ نجران۔ خاص نجد۔ اور جبل شمر۔

یہ ایک تعجب خیز بات ہے کہ انیسویں صدی کے آخر پر ہمارے اپنے کرہ کے اتنے حصص کے حالات ہمارے علم سے باہر ہوں۔ جنوب مشرقی عرب اور وسط ایشیا کے چند حصص کی نسبت ہمارے پاس شمالی قطب اور چاند کے بہتر نقشے موجود ہیں۔ اگر عمان کے قصبہ حرارہ سے جنوبی نجد کے شہر الحاق تک اور وہاں سے یمن کے قصبہ مریب تک اور مریب سے حرارہ تک خط کھینچے جائیں۔ تو ایک مثلث بنجائے گی۔ مثلث کے دو خط ۵۰۰ میل اور قاعدہ ۸۰۰ میل لمبا ہوگا۔ کل رقبہ مثلث کا ۱۲۰۰۰۰ میل ہوگا۔ اور اس رقبہ کے حالات پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ گویا کہ وہ قطب شمال کے نامعلوم شدہ حصہ میں واقع ہے۔ آج تک کوئی یورپین سیاح یا محقق اس رقبہ میں داخل نہیں ہوا یہ رقبہ حمرا اور عارہ قبایل کے ملک۔ تمام مغربی عمان روباہ الخالی۔ صحرا دہنا اور الحاقف کے پراسرار علاقہ پر مشتمل ہے۔ اس موخرالذکر علاقہ کی بابت قرآن

میں بھی اشارہ ہے۔ عرب اس کو بحر ریگ کہتے ہیں۔ قافلوں کے لئے یہ ایک ملک الموت ہے۔

بہت سے نقشوں میں اس زیر بحث علاقہ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے بعض نقشوں میں مکہ سے لیکر عمان تک صحرا کا سین دکھایا ہے۔ مگر کوٹلی کے نقشہ میں اسکو زرخیز اور آباد علاقہ دکھایا گیا ہے۔ کہ جہاں عرب قبایل رہتے ہیں اور قافلے ادہر سے ادہر۔ اور ادہر سے ادہر آتے جاتے ہیں۔ آج کل جو کچھ ہم اس علاقہ کی بابت جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ساحل کے سیاح یہاں کے عرب کی شکایت کرتے ہیں۔ ربع الخالی نے جو چند قصبوں کے نام دئے ہیں۔ اون سے یہ فرض نہ کرلینا چاہیئے کہ سارا علاقہ ایک مسلسل صحرا ہے۔ شمال میں جبل اتقل اور وادی بیرین ہے۔ وادی شبوان اور وادی حیونا اس شاخ میں کچھ فاصلہ تک بہتی ہیں۔ اور وسطی علاقہ میں چند جگہوں کے ایسے نام ہیں۔ کہ جو بتاتے ہیں۔ یہ علاقہ صرف بحر ریگ ہی نہیں۔ چنانچہ بلاد الظہر (پہولوں کا ملک) اور انجوز دو نام ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس علاقہ کا بہت سا حصہ اب ویران اور غیر آباد ہے۔ مگر یہ ہمیشہ سے ہی ایسا نہ ہوگا۔ اس میں ضرور کئی قدیم آثار اور جغرافیی اسرار ہوں گے۔

زمین کی خدائی تقسیم کے متعلق ایک دفعہ وادی فاطمہ کے ایک عرب نے ڈوٹی کو کہا۔ اللہ نے دیکھو تہائی زمین بنی نوح کو دی ہے۔ تیسرا حصہ یاجوج ماجوج کو دیا ہے۔ یاجوج ماجوج پست قد لوگ ہیں۔ اور ایک دیوار کے ذریعہ ہم سے الگ کئے گئے ہیں۔ قیامت کے نزدیک وہ دیوار سے نکلیں گے۔ اور دنیا کو تہ و بالا کریں گے۔ ظالم ترک اور بد اعتقاد ایرانی ان کے ہمدم ہوں گے۔ مگر تم انگریز لوگ تمہارے ساتھ ہونگے۔ دنیا کا چوتہا حصہ ربع الخالی ہے " ڈوٹی کہتا ہے " میں نے کبھی کبھی عرب کو اس خطرناک علاقہ کی بابت گفتگو کرتے سنا۔ شاید یہ ریگستان ہے جس میں ریت سمندر کی لہروں کی طرح اوڑتی رہتی ہے۔ اس کو صرف ایک شخص موسم بہار میں سانڈنی پر سوار ہو کر داخل ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ اس کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اب چونکہ میری صحت خراب ہو گئی ہے

مدینہ میں اس معمّہ کو ضرور حل کرتا"۔ یہ علاقہ اب تک ایک راز سربستہ ہے۔ عمان میں کہتے ہیں۔ کہ اس میں سے ہو کر جائیں۔ تو تک ستائیس دن کی راہ ہے۔ غالباً ایک شخص عمان کے مرتفع علاقے سے بآسانی اس راز سربستہ علاقہ میں داخل ہو کر اگر کمپنی نہیں تو زبید صحیح وسلامت پہونچ سکتا ہے۔

نجران کا ضلع جو کبھی عرب کا عیسائی صوبہ تھا۔ اور جو گنج شہیداں ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ یمن کے شمال اور عسیر کے مشرق میں واقع ہے۔ دوسری وادی نسبت بدضلع ۳۰۰ میل لمبا ہے۔ اور سو میل چوڑا ہے۔ اس میں پانی کی افراط ہے اور یمن کے بہترین حصّوں میں سے یہی بہتر ہے۔ پہلے پہل ۱۸۷۰ء میں جا نباز سیاح ہلوی یمن کی طرف سے اس میں داخل ہوا۔ جنوبی حصے میں یہودیوں کی آبادی اس نے بکثرت دیکھی۔

اس نے مخالفت۔ رجلہ۔ اور قریات القبیل کے قصبے دیکھے۔ وادی حبونا میں داخل ہوا۔ مگر وادی دوسر تک نہ پہونچ سکا۔ وہ وادیوں کی سرسبزی کا مداح ہے۔ اور لکھتا ہے۔ کہ اس حصہ ملک میں تمام ملک کی نسبت کھجوریں زیادہ اور عمدہ ہوتی ہیں۔ گنڈ ہ سار وگتے بکثرت ہیں۔ عرب کہتے ہیں۔ وادی دوسر میں کھجوروں کے جھنڈ تا ۳ کی تین منزلوں تک چلے گئے ہیں۔ تمام لوگ زراعت پیشہ عرب ہیں۔ مگر عمان کے عربوں کی طرح وہ آپس میں ہمیشہ لڑائی فساد کرتے رہتے ہیں۔

وادی دوسر کے مشرق میں جو علاقہ ہے۔ اسکو آفلج یا آفلج الافلج کہتے ہیں وہ دو دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اسمیں بھی کھجوروں کے نخلستان پائے جاتے ہیں۔ یہاں سے ریٰد چھ دن کی مسافت پر ہے۔ مگر راستہ سخت خراب ہے۔ اور اس کے آس پاس کوئی گاؤں اور قریہ نہیں ہے۔ ۱۹۱۲ء میں یکن وادی دوکسر کی حد پر تھا۔ اور میرا خیال تھا۔ کہ میں صنعاء سے بحرین تک سفر کرنے کے قابل ہو جاؤنگا۔ کیونکہ ترکوں کے جاسوسوں کی زد سے باہر ہو جاؤں۔ تو پھر راستہ صاف ہے۔

ہلوی کے بقول نجران اور وادی دوکسر کے باشندے متعصب نہیں ہیں۔

یمن میں یہودیوں سے جیسا عمدہ سلوک نجران میں ہوتا ہے کہیں بھی نہیں ہوتا۔ نجران کا علاقہ عرب کے زرخیز علاقوں میں شمار ہوسکتا ہے۔ ہر جگہ پانی کی افراط ہے۔ نجران اور جنوبی دوسرے مسلمان بدعتی ہیں۔ وہ عمان کے لوگوں کیطرح باطنی فرقہ کے ہیں۔ اور عبداللہ بن عباد کے پیرو ہیں۔

تاریخی لحاظ سے نجران خاص انٹرسٹ کے قابل ہے۔ قیصر اگسٹس نے الیس گیلس کے ماتحت جو ۱۱۰۰۰ فوج آباد عرب کی مال و دولت لوٹنے کے لئے روانہ کی تھی۔ وہ یہاں تباہ وبرباد ہوئی تھی۔ یہ سپاہی میدان جنگ میں تباہ نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ اون کے رفیق۔ سنیلی وہوکہ دیکر اون کو ایسے علاقہ میں لے گئے جہاں کا نشان تک نہ تھا۔ پیاس کی مصیبت میں گرفتار ہوکر بہت سے راہی ملک عدم ہوئے۔ اور چند گرتے پڑتے واپس آئے۔ گیلس کی زبانی اُسکا دوست اور مصر کا وزیر سٹرابو نے عرب کے صحرا کا وہ خاکہ کھینچا ہے۔ کہ اس سے بہتر کھینچنا ممکن بھی نہیں۔ وہ لکھتا ہے وہ ایک مسلسل ریگستان ہے۔ کہ جس میں کہیں کہیں کھجوروں کے درخت اور پانی کے گڑھے ہیں۔ جابجا خاردار جھاڑیاں اُگی ہیں۔ خانہ بدوش عرب خیموں میں رہتے ہیں۔ اور اونٹوں کو چراتے ہیں۔"

نجد۔ عرب کا دل۔ خالص عرب۔ اور شاعروں کا گھر ہے۔ اس کے مشرق میں ترکی صوبہ حسا جنوب میں صحرا۔ مغرب میں حجاز۔ اور شمال میں جبل شمر ہے۔ ان حدود کے اندر کا علاقہ القاسم۔ الوشم۔ العارض۔ اور یمامہ پر مشتمل ہے۔ نجد کی نسیم اور باد صبا عرب شاعروں کی جولانی طبع کا مشغلہ رہی ہے۔

نجد کا علاقہ مرتفع ہے۔ جبل طویق وسط میں ہے۔ سطح سمندر سے اوسکی بلندی ۴۰۰۰ فٹ ہے۔ بعض پہاڑیاں ۵۰۰۰ فٹ بلند ہیں۔ یہ پہاڑیاں مرغزاروں اور درختوں سے معمور ہیں۔ یہ پہاڑیاں الگ الگ ہیں۔ سارے علاقہ میں کئی وادیاں ہیں۔ جن کو پہاڑ ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ ان وادیوں میں نجد کی آبادی اور سرسبزی جمع ہے۔ وادی کی زمین ہلکی ہے۔ اور اسمیں ریت ملی ہوئی ہے۔ پندرہ فٹ کی گہرائی پر کنوئیں کا پانی نکل آتا ہے۔ قاسم میں پانی کھارا ہے۔ اور زمین شور ہی ہے۔ مگر نجد کے دوسرے حصوں میں

پانی میں لوہے کی جز و پائی جاتی ہے۔ بقول بالگریو۔ نجد کی آب و ہوا دنیا
میں بہترین ہے۔ ہوا خشک ساحل کے زہریلے مادہ سے معرا۔ صاف اور
ستھری ہے۔ موسم گرما میں گرم مگر جھلسنے والا نہیں ہوتا۔ سردی کی ہوا سخت
چبھنے والی ہوتی ہے۔ نجد ایک قسم کی چراگاہ ہے۔ یہاں بھیڑیں تمام عرب
میں مشہور ہیں۔ ان کی پشم نہایت عمدہ اور لطافت اور نرمی میں کشمیری
بھیڑوں جیسی ہوتی ہے۔

بقول بالگریو۔ نجد میں اونٹوں کی کثرت ہے۔ اور نجد اصل اونٹوں
کا جنگل ہے۔ اونٹوں کا رنگ بھورا اور خاکستری ہوتا ہے۔ مغرب اور جنوب
کی طرف حرا کے علاقہ میں سیاہ رنگ کے اونٹ ہوتے ہیں۔ نجد میں گائے
اور بیل اچھی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ پرندوں اور جانوروں کا شکار
بکثرت ہے۔ بٹیر۔ تیتر۔ غزال۔ خرگوش۔ جنگلی بکرا۔ جنگلی سور۔ ہرن
جنگلی بیل کثرت سے ہوتے ہیں۔ سانپ زیادہ نہیں ہوتے۔ مگر چھپکلیاں ٹڈیاں
اور بچھو افراط سے ہیں۔ مغربی نجد اور وادی دواسر میں شتر مرغ بھی پایا جاتا
ہے۔ بدو ان جانوروں کا شکار کرکے ان کے پر حج کے دنوں میں دمشق کے
سوداگران کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ ڈوٹی کے وقت ایک موٹے شتر مرغ
کا پر چالیس ڈالر کو فروخت کئے گئے تھے۔ ناقوں پر بیٹھ کر یہ لوگ شتر مرغ کو آگے
سے گھیرتے ہیں۔ اور پھر اپنی بندوق سے نشانہ بناتے ہیں۔ عرب شتر مرغ
کے سینے کو بہت چاہت سے کھاتے ہیں۔ اور اس کی چربی ان کے نزدیک
بہت سی بیماریوں کی دوا ہے۔ اور چربی کی آدھی پیالی نصف شتر کی قیمت
کو بکتی ہے۔ شتر مرغ اب عرب میں کثرت سے نہیں پایا جاتا۔ پہلے بڑی کثرت
سے ہوتا تھا۔ آج کل تو یہ حالت ہے کہ عرب کے بہت سے حصوں کے
لوگ اس کا نام بھی نہیں جانتے۔

نجد اونٹوں اور گھوڑوں کا ملک ہے۔ اگرچہ نجد میں اعلیٰ قسم کا گھوڑا
ہوتا ہے۔ مگر یہ سمجھنا کہ وسط عرب میں ان کی کثرت ہے۔ اور ہر عرب کے
پاس اچھا گھوڑا ہے۔ غلطی ہے۔ ڈوٹی لکھتا ہے "یہ بیدہ۔ یا اچھا یا

یا نجد کے کسی اور قصبے میں نہ ہی گھوڑوں کا ذخیرہ ہے۔ نہ ہی اون کی وہاں خرید و فروخت ہوتی ہے" وہ گھوڑے جو بصرہ یا کویت سے بمبئی کیطرف آتے ہیں نجد کے نہیں ہوتے۔ وہ ہوتے نجد کی نسل سے ہیں۔ مگر آتے جبل شمر اور وادی الجزیرہ سے ہیں۔ وہ شخص جو نجد کے گھوڑے کی خوبصورتی دیکھنا چاہتا ہے۔ لیڈی این بلنٹ کی کتاب سیاحت نجد یا کرنل ٹوینڈی کی کتاب عربی گھوڑا۔ اسکا ذہن اور اُس کے لوگ کا مطالعہ کرے۔

اس کتاب کے ہیرو۔ گھوڑا۔ اور سائیس وخدمت گار عرب ہیں۔ عرب اپنے گھوڑے پر از بس مہربان ہوتے ہیں۔ کوئی عرب اپنے گھوڑے کو گردن سے نہیں باندھتا۔ پاؤں میں لوہے یا چمڑے کا حلقہ ڈال کر اسکو زنجیر یا رسی سے جکڑ کر لوہے کی میخ سے باندھ دیا جاتا ہے۔ عرب کا گھوڑا بڑا تیز رفتار اور کئی میلوں کا دم رکھتا ہے۔ وہ سواری کے لئے پالا جاتا ہے۔ دیکھنے کے لئے نہیں رکھا جاتا ہے۔ ایک شخص جن کو گھوڑوں کی پہچان نہیں۔ ان نجدی گھوڑوں کو لنڈن یا نیو مارکٹ کے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں سے ترجیح نہ دیگا۔ مگر میں اس امر کا فیصلہ اُن لوگوں کی رائے پر چھوڑتا ہوں جنکا اوپر ذکر کیا گیا۔

نجد کی گورنمنٹ کو دیکھکر معلوم ہو جاتا ہے۔ عرب کے خود مختار حکمراں کیسے ہیں۔ ڈوٹی نے عبدالرشید کی حکومت کے متعلق جو کچھ عربوں کی زبانی سنا یہ ہے۔ (اب عبدالعزیز بن سعود کی حکومت ہے) جن لوگوں کو وہ انعام واکرام سے ساتھ ملا سکتا ہے۔ ملا لیتا ہے۔ اپنے حریفوں کے برخلاف تلوار کا استعمال کرتا ہے۔ جن کو وہ خطرناک سمجھتا ہے۔ اون کو پاؤں کے نیچے روند دیتا ہے۔ وہ جابر حکمراں نہیں ہے وہ قائل و قصاص ہے" بعض خانہ بدوش قبائل اسکو غاصب اور ظالم سمجھتے ہیں۔ مگر قصبوں اور تیرلوں کے رہنے والے اُس سے خوش ہیں۔ کیونکہ انکا مقولہ ہے۔ بہت سے ظالموں کی نسبت ایک ظالم بہر صورت اچھا ہے۔ نجد کے مذہبی لوگ اس کو نجس کہتے ہیں۔ کہ اُس نے اپنی تلوار سے اپنوں کے سر تن سے جدا کئے۔

بھوکے ننگے بدو شکایت کرتے ہیں۔ کہ مہمان نوازی پر قسم کثیر صرف کی

جاتی ہے۔ مگر مہمانوں کو سوائے چاولوں کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اور وہ اسی پر
قناعت کرکے اللہ کا شکر بجالاتے اور امیر کی تعریف کرتے ہوئے اپنی راہ پکڑتے
ہیں۔ بقول ڈوٹی۔ ایک سو اسی جو کی روٹیاں۔ چاول اور مکھن عام مہمانوں کو
دیئے جاتے ہیں۔ جو مہمان متمول اور صاحب حیثیت ہوتے ہیں۔ اُن کے لئے
ایک اونٹ یا گائے ذبح کیجاتی ہے۔ عبدالرشید کا مہمانی پر ۱۵۰۰ پونڈ سالانہ
سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ ملک کی آمدنی اچھی معقول ہے۔ اور ۱۸۷۷ء میں
جب ڈوٹی نجد میں گیا تو اسوقت بھی عبدالرشید اچھے ٹھاٹھ میں تھا۔ اس کے
پاس بے شمار مویشی ۔۔۔۔ ۴۰۰۰ اونٹ ۔۔ ۳۰۰ اصلی نسل کی گھوڑیاں ۱۰۰ گھوڑے
۰۰ سے زیادہ حبشی غلام۔ علاوہ سونے چاندی کے برتنوں۔ حیل کی اراضی اور جوف
کے باغات کے ہیں۔

ان عربی صوبوں کے مقابلہ میں جو ترکوں کے زیرنگیں ہیں۔ امیر نجد کی
رعایا کو نسبتاً ہلکے محصول دینے پڑتے ہیں۔ اور اس کے بدو سپاہی سلطان
کے باقاعدہ سپاہیوں سے تنخواہ بھی زیادہ پاتے ہیں۔ مسٹر اور مسز بلنٹ اور
ڈوٹی کے بیانوں سے پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ کی نسبت جب وہابیوں کا زور
تھا اور جس کا ذکر پالگریو نے کیا ہے۔ نجد کی حکومت زیادہ تر فیاض اور کم متعصب
ہے۔ اب وہابیوں کا پہلا زور ٹوٹ گیا ہے۔ اور نجد دنیا سے تجارتی تعلقات
بڑھ رہا ہے۔ نجد کے بہت سے نوجوان تجارتی کاروبار کے لئے بغداد، بصرہ۔
اور بمبئی میں آتے ہیں۔

ڈوٹی لکھتا ہے۔ نجد اور مشرقی تیمہ خلیج فارس سے تعلقات رکھتے ہیں کہ
شام سے۔ جیسا کہ مغربی نجد رکھتا ہے۔ اس لئے نجد کا پھاٹک الجہرہ سے ہے
حالانکہ نجد بالکل پچھڑا ہے۔ مگر یہاں کے لوگ ذکی اور ذہین ہیں۔ اور پچھلے سالوں
سے وہاں اخبار بھی آنے شروع ہوگئے ہیں۔ انگریزی پیٹنٹ دوائیاں عنیزا
کے بازار میں فروخت ہوتی ہیں۔ اور عرب بمبئی اور کلکتہ کے حالات سے باخبر
ہیں۔ بقول پالگریو۔ قاسم اور جنوبی نجد کے لوگ شمالی لوگوں سے زیادہ ہوشیار
اور فہیم ہیں۔ حیل۔ ریاض۔ بریدہ اور عنیزا کے سوا نجد میں کوئی بڑا قصبہ

ہیں۔ ہر جگہہ بدو قبائل آباد ہیں۔ اور صحراؤں میں بھی اور نخلستانوں میں بھی کاشت کرتے ہیں۔ مگر نجد کی آبادی عمان یا یمن کی طرح گھنی نہیں۔ بلکہ نجران اور وادی دوسر جیسی بھی نہیں۔

نجد کے موجودہ دارالخلافہ حیل کی آبادی دس ہزار کے قریب ہے۔ یہ حیل عجا کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ حیل ۳۰۰۰ فٹ بلند ہے۔ بلنٹ نے اس جگہہ کو ۱۸۷۸ء میں دیکھا تھا۔ مگر اسکا محل وقوع ٹھیک ٹھیک نہ بتایا تھا۔ اسکا خیال تھا کہ مبادا ترک اس سے باخبر ہوکر اسطرف رُخ کر دیں۔ (مگر اب تو مسٹر بلنٹ کو یہ سنکر غش آجانا چاہیئے۔ کہ امیر نجد ترکوں کی حمایت میں آگیا ہے۔ مترجم)

ہمارے پاس حیل کے تین دستی نقشے تھے۔ ایک تو پالگریو کا۔ جو اس نے شہر کا کھینچا ہے۔ دوسرے ڈوٹی کا۔ جس میں امیر کے محل اور مہمان خانے کا خاکہ بھی درج ہے۔ تیسری لیڈی بلنٹ کا۔

شہر کے گرد ایک فصیل اور چند دروازے ہیں۔ ایک بڑی منڈی بھی۔ شاہی محلات ہیں۔ اور مساجد بھی کافی وافی ہیں۔ یہ صاف اور پاکیزہ شہر ہے۔ اسکی طرز بہت عمدہ ہے۔ بقول ڈوٹی کے۔ اگر یہاں امیر کا ظلم و سلطنت نہ ہو۔ تو شہر رہنے کے قابل ہے۔ شہر ایک گھنٹہ کے چکر میں ہے۔ ایک احاطہ کے درمیان محل ہے اس کے نزدیک جامع مسجد۔ اور ٹھیک اس کے سامنے بڑا بازار ہے۔ بڑا قہوہ خانہ جس میں امیر ملاقات کرتا ہے۔ ۸۰ فٹ لمبا بہت اونچا اور عالیشان ہے اس میں بہت سے ستون کھڑے ہیں۔ جو چھت کے شہتیروں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ روزمرہ کی صفائی کے سبب یہ ستون دھوئیں سے سیاہ ہوئے ہیں دیواروں کے ساتھ بلند نشست گاہیں ہیں۔ جن پر اعلیٰ درجہ کے غالیچے بچھے ہوتے ہیں۔ دروازے کے پاس ایک تانبے کا حوض ہے۔ جس میں تازہ پانی بھرا رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک پیالہ بھی زنجیر سے لٹکا رہتا ہے۔ تاکہ جس کو پیاس لگے۔ پانی پی لے۔ قہوہ خانے کے بالائی سرے پر قبروں کی شکل کے دو چولہے ہیں۔ سردی کے موسم میں ان میں لکڑی جلائی جاتی ہے۔ جس سے سارا کمرہ خوب گرم ہو جاتا ہے۔ انہیں چولہوں پر قہوہ تیار کیا جاتا ہے۔ قہوہ کی کیتلی

سے آگ کے شعلے اس طرح سے نکلتے ہیں گویا کہ لوہار کی بھٹی دہک رہی ہے۔
نجد کے محلات پر اینٹوں کے برجے بنے ہوتے ہیں۔ جو باہر کی طرف سے
سفید ہوتے ہیں۔ یہ کھجوروں کے مقابلے میں شہر کو ایسی شان بخشتے ہیں۔ کہ شہر دلہن
کی طرح سجا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

شہر کی دیواروں سے باہر میلے کچیلے بدوؤں کی ہیئت کذائی اور کالے کلوٹ
پہاڑوں کا سین نہایت ہی بھونڈا سا معلوم ہوتا ہے جبل ایک ویران علاقہ
میں آباد ہے۔ اس کا جائے وقوع نخلستان پر نہیں۔ مگر شہر کے باشندوں نے کوشش
اور محنت سے راغ کو باغ بنا لیا ہے۔ زمانہ قدیم میں یہاں شمر کے عرب
آن کر آباد ہوئے تھے۔ اور اس جگہ کا ذکر عنتر کی نظموں میں بھی
آیا ہے۔

الریاض یا ریاض مشرقی نجد کے وہابیوں کا ہیڈ کوارٹر اور وہابی ریاست کا صدر
مقام تھا۔ یہ شہر علاقہ عارض کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے شمال اور جنوب میں
جبل تویق ہے۔ اور یہ جبل سے ۲۰۰ میل فاصلہ جنوب مشرق کی جانب آباد ہے
یہ ایک بڑا شہر ہے۔ بقول پالگریو۔ اسکی آبادی ۳۰۰۰۰ نفوس کی ہے۔ مگر اس کی
موجودہ حالت بالکل تاریکی میں ہے۔ کیونکہ پالگریو کے بعد کوئی یورپین وہاں
نہیں گیا۔ ہمارے راہبر کے زبانی معلوم ہوا۔ کہ یہ بالکل دمشق کے موافق ہے۔
پالگریو کے الفاظ یہ ہیں وہ ہمارے سامنے ایک وسیع وادی ہے۔ اس کے بعد ڈھلوان
شروع ہوتی ہے۔ اور ڈھلوان کے دامن میں دار الخلافہ واقع ہے۔ یہ ایک بڑا شہر
مربع کی شکل میں بنا ہوا ہے۔ اس میں کئی اونچے اونچے مینار اور گنبد ہیں۔ شہر کی
حفاظت کے لیئے ایک مضبوط شہر پناہ ہے۔ کئی مکانات اور بے شمار جھونپڑے
ہیں۔ فیصل کا ایک بڑا قلعہ ہے۔ اس کے پاس ہی محل ہے جس میں اسکا بڑا بیٹا
عبد اللہ رہتا ہے۔ شہر کے ارد گرد تین میل تک اور خاص کر جنوب کی طرف تمام
کھجوروں کے جھنڈوں اور باغوں سے معمور ہے۔ پانی کی کثرت ہے۔ شہر کی نزدیک
ترین دیوار سے ہم ایک چوتھائی میل کے فاصلہ پر کھڑے تھے۔ وہاں بھی پانی کے
بہنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ جنوب کی طرف اس وادی کے آگے ایک اور وادی

ہے۔ جس کو یمامہ کہتے ہیں۔ سرسبزی میں وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ اسمیں کھجوروں
کی کئی جھنڈ اور قریے آباد ہیں۔ سب سے بڑا قصبہ منفوحہ ہے۔ یہ قریباً قریباً ریاض کے برابر
ہے۔ یہاں کا نظارہ نہایت دلکش اور خوشنما ہے۔ یہ شرف عرب کو ہی حاصل ہے
کہ کہیں تو بہشت کا جلوہ دکھاتا ہے۔ اور کہیں جہنم بن کر نمودار ہوتا ہے۔ ایک طرف باد
نسیم چل رہی ہے۔ دوسری طرف بادِ سموم غضب ڈھا رہی ہے۔ دورنگی دھوپ چھاؤں
کا دلآویز موقع عرب ہی پیش کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق شام اور اسکی اس کے
مقابلہ میں ہیچ ہے یا
مگر جب سے حیل صدر مقام ہوا ہے۔ زید کی آبادی کم ہوگئی ہے۔ اور جب سے ترکوں نے
قبضہ کیا ہے۔ ہاف ہوف کی نسبت یہاں کی تجارت کم ہوگئی ہے۔
اب جبل شمر اور شمال مشرقی صحرا باقی رہ گئے ہیں۔ اس علاقہ کی بڑی خوبی یہ ہے
کہ نفود کثرت سے ہیں۔ اور خانہ بدوش لوگ آباد ہیں۔ عرب کی اصلی جھلک جبل شمر
میں نظر آتی ہے۔ ہر جگہ بکری کے بالوں کے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ جو رنگ کے سیاہ
ہوتے ہیں۔ اور عربی نظم میں اکثر یاد کئے گئے ہیں۔ اس علاقہ کے نقشہ میں جہاں
کہیں قصبوں کے نام درج ہیں۔ وہ در اصل قصبے نہیں۔ بلکہ مویشیوں کو پانی پلانے
کی جگہ یا قبائل کے خیمے لگانے کے میدان ہیں۔ خلیج عقبہ سے لیکر دریائے فرات
تک۔ بلکہ شمال کیطرف حماۃ تک یہ لوگ مرغزاروں کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ اس کو اپنا
ملک بتاتے ہیں۔ ان قبائل میں سے بہت امیر نجد کے ماتحت ہیں اور اسکو خفیف
سالانہ خراج دیتے ہیں۔ بعض ترکوں کے زیر نگیں ہیں۔ اور بعض کسی حکمران کے
ماتحت نہیں۔ اور اپنے اپنے شیخوں کا حکم مانتے ہیں۔ اور قدیم بدوانہ رسموں
پر چلتے ہیں۔
برک ہارڈٹ۔ ان لوگوں کے حالات اسطرح پر قلم بند کرتا ہے۔ گویا کہ ان کے
درمیان سکونت پذیر رہا ہے۔ اور ان کے ہر سیاہ و سفید سے بخوبی واقف ہے۔ وہ
ان کے خیموں۔ ان کے اسباب۔ آلات۔ برتن۔ خوراک۔ پیشہ۔ صنعت۔ سائنس۔ بیماری
مذہب۔ شادی۔ گورنمنٹ۔ فنون جنگ وغیرہ پر خامہ فرسائی کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے
کہ یہ لوگ اجنبیوں کی خاطر کرتے ہیں۔ مسافروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ بڑے انتقام

کیش اور خونخوار ہیں۔ اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ نوکروں اور غلاموں سے
کیسا سلوک کرتے ہیں۔ ان کے میلے اور تہوار کیسے ہوتے ہیں۔ ان کے خانگی تعلقات
اور دنیاوی کاروبار کس رنگ میں ہوتے ہیں۔ ان کی زبان کیسی ہے۔ مردوں کو
کس طرح دفناتے ہیں۔

برک ہرڈٹ نے اپنی کتاب کا معتدبہ حصّہ بدو قبائل کے نام گننے اور اُن کی
شاخیں بتانے میں صرف کیا ہے۔ اس کتاب کا بڑا حصّہ اُن لوگوں کے لئے جو
جزیرہ نما کے شمالی حصّہ کی سیر یا اس میں سے گذرنا چاہتے ہیں۔ ازبس مفید ہے
سب سے بڑا قبیلہ انیزی ہے۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں۔ اور سال بھر بھی گشت کرتے
رہتے ہیں۔ موسم گرما میں وہ ملک شام کی حدود کے پاس رہتے ہیں۔ اور سردیوں
میں دریائے فرات کی طرف صحرا میں چلے جاتے ہیں۔ جب خیمے تھوڑے ہوتے
ہیں۔ تو وہ دائرے کی شکل میں لگائے جاتے ہیں اور اسکو دواڑ کہتے ہیں۔ اگر
خیمے زیادہ ہوں تو قطاروں میں لگاتے ہیں۔ ایک قطار کے پیچھے دوسری قطار
ہوتی ہے۔ قیام اکثر ندی نالوں کے کناروں پر کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے کیمپ کو
منزل کہتے ہیں۔ شیخ یا سردار کا خیمہ اُس طرف لگایا جاتا ہے۔ جس طرف سے مہمانوں
یا دشمنوں کے آنے کا احتمال ہو۔ انیزی قبیلے کے خیمے سیاہ بکریوں کے بالوں کے
بنے ہوتے ہیں۔ بعض قبائل کے خیموں پر سیاہ اور سفید دھاریاں ہوتی ہیں۔ ان
لوگوں میں خواہ کوئی کتنا ہی مالدار ہو۔ ایک سے زیادہ خیمہ نہیں بناتا۔ ہاں اگر دوسری
بیوی ہو۔ اور وہ پہلی کے ساتھ رہنے میں خوش نہ ہو تو دوسرا خیمہ لگاتا ہے
مگر بدو عربوں میں کثیر الازدواجی کا رواج بہت کم ہے۔ مگر طلاق کی رسم عام ہے
خیمہ کے اندر بہت تھوڑا سامان ہوتا ہے۔ اونٹ کی کاٹھی۔ چند برتن۔ کھانے اور
اشیاء خوردنی ہوتی ہے۔ وبس۔

جناب ابراہیمؑ کے دنوں سے بدو ایک لٹیری قوم بنگئی ہے۔ یہ وہ سالوں
سے ہل چلا رہے ہوتے۔ اور ان کے گلے چر رہے ہوتے کہ حملہ کرتے اور حملہ
کر کے مویشیوں کو لیجاتے۔ اور بندگان خدا کو تلوار کی گھاٹ اتار لیتے۔ آج تک
بدوؤں کا یہ منشا اُن تمام لوگوں کے برخلاف ادا ہوتا رہا ہے جو متمدن شہر میں رہتے

ہیں۔ یہ قبائل ہمیشہ ہی ایک دوسرے سے مشغول پیکار رہتے ہیں۔ بقول برک ہارٹ
کے۔ بدو ہمسائے تھوڑی دیر کے لئے بھی صلح سے نہیں رہتے۔ وہ لڑتے ہیں۔ مگر انکی
لڑائی طویل نہیں ہوتی۔ صلح بھی جھٹ پٹ ہوتی ہے۔ جنگ بھی فوراً چھڑ جاتی ہے
بدوؤں میں نمک کا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ بشرطیکہ انہوں نے کھایا ہو۔ عام لڑائیاں
کم ہوتی ہیں۔ اس واسطے جانوں کا نقصان کم ہوتا ہے۔ فریقین کی بڑی کوشش چھاپہ
مار کر حریف کو حیران کرنے یا اسکا کیمپ لوٹنے کی ہوتی ہے۔

قصاص کے خوف سے خونخوار لڑائیوں سے گریز کیا جاتا ہے۔ جو کچھ لوٹ
میں ان کے ہاتھ آتا ہے۔ معاہدہ کے مطابق آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ بعض
وقت مال غنیمت کو شیخ اپنے رفیقوں میں حصہ مساوی بانٹ دیتا ہے۔ بعض وقت
ہر ایک شخص جو کچھ لوٹتا ہے اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ بدوؤں کی لوٹ مار کو
غزا کہتے ہیں۔ اور اس کے متعلق یہ بات قابل غور ہے۔ کہ حضرت محمد (صلعم)
کا پہلا سوانح نویس ابن اسحاق قریشیوں کے ساتھ رسول خدا کے جنگوں کو
اسی نام سے لکھتا ہے۔ اندھیری رات کے وقت حملہ نہیں کرتے۔ کیونکہ رات
کے وقت ممکن ہے۔ غلطی سے وہ عورتوں کے خیموں میں داخل ہو جائیں۔ اور
اس بات کو وہ بڑا معیوب سمجھتے ہیں۔

دشمن قبیلہ کی عورتوں کا بھی بڑا پاس کیا جاتا ہے۔ مرد۔ عورت۔ یا غلام
کو گرفتار نہیں کیا جاتا ہے۔ ہاں جو اسباب ہاتھ آئے۔ وہ چھوڑتے نہیں۔ عرب
لٹیرے ہیں۔ قاتل نہیں۔ ان سے پناہ مانگو یقیناً پناہ دے دیں گے۔ جب وہ مار
نے کے لئے نیزہ اٹھا لیتے ہیں۔ اس حالت میں بھی پناہ دے دیتے ہیں۔ مشغول
پیکار قبائل کی صلح تیسرے قبیلہ کے کیمپ میں شیخ کے خیمہ میں ہوتی ہے۔
زیادہ تر فساد کنوؤں۔ پانی کی جگہوں۔ اور مرغزاروں پر ہوتا ہے۔ یعنی وہی حالت
ہے جو قدیم زمانہ میں دنیا کی تھی۔

برک ہارٹ لکھتا ہے "بدوؤں کے لوٹنے کا طریقہ خوب دلچسپ ہے" اگر ہم ان کے
سارے طریقوں کو حوالہ قلم کریں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ ہم یہاں ایک
مثال درج کرتے ہیں۔ اور وہی کافی ہوگی۔ فرض کرو تین لٹیرے ایک کیمپ

پکڑا کر مارنا چاہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک اُس خیمہ کے پیچھے کھڑا ہو جاوے گا جس کو وہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ وہ پاس کے رکھوالے کتوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ یہ کتے اوسکو دیکھکر اوسپر حملہ کرتے ہیں۔ وہ اُن کے آگے بھاگتا ہے۔ کتے دور تک اُسکا تعاقب کرتے ہیں۔ کتوں کے چلے جانے سے میدان پہرہ داروں سے خالی ہو جاتا ہے۔ دوسرا لوٹیرا اونٹوں کیطرف جاتا ہے۔ ان کی ٹانگوں پر سے رسیاں کاٹ دیتا ہے۔ اور جتنوں کو چاہتا ہے کھڑا کر دیتا ہے۔ پھر وہ ایک اونٹنی لیکر کیمپ سے باہر جاتا ہے۔ دوسرے اوس کے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اس اثنا میں تیسرا لوٹیرا ہاتھ میں سونٹا پکڑے خیمے کے دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ کہ کوئی باہر نکلے تو یہ سونٹوں کی مار کرے۔ اگر لوٹیرے اپنے کام میں کامیاب ہو جائیں تو اپنے ساتھی سے جا ملتے ہیں۔ ہر ایک کسی مضبوط اونٹ کی دم پکڑ لیتا ہے۔ اور اسکو زور سے کھینچتا ہے۔ اونٹ گھبرا کر سرپٹ دوڑتا ہے۔ لوٹیرے دموں سے لٹکے ہوئے گھسٹتے چلے جاتے ہیں۔ جب اچھا فاصلہ طے ہو جاتا ہے تو وہ دموں کو چھوڑ کر دیتے اونٹوں پر سوار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے کیمپ کی طرف دواں دواں روانہ ہوتے ہیں۔ بیشتر اس کے کہ ہم ان لوٹیروں پر الزام لگائیں ہم کو ان کی مجبوریوں کا خیال کر لینا چاہیے۔

ڈوٹی اور دیگر سیاحوں کا بیان ہے کہ شمال مغربی عرب کے تین چوتھائی بدو ہمیشہ قحط کی بلا میں مبتلا رہتے ہیں۔ اون کی قسمت میں کھانا بہت ہی کم لکھا ہے موسم گرما میں جب بارش کے نہ ہونے سے گھاس نہیں ہوتی تو اونٹنیاں دودھ نہیں دیتیں بس پھر تو ان غریبوں پر قہر الٰہی نازل ہو جاتا ہے۔ گھروالی چھپ چھپ کر چاول پکاتی ہے کہ مبادا اتفاقیہ کوئی مہمان نہ آجائے۔ بھوکا عرب اترہ کی پتیاں اور خشک چھالیاں پیکر اپنے معدہ کو جلاتا ہے۔ عورتوں کا تو بہت برا حال ہوتا ہے بچے مارے بھوک کے زمین پر تڑپتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بدو نے ڈوٹی کی زبانی سنکر کہ ہمارے ملک میں خدا کا فضل ہے۔ روٹی کپڑا بکثرت ہے۔ ہر طرح امن امان ہے۔ اگر کوئی حاجت مند ہو تو قانون اوسکی مدد کرتا ہے تو اوس بدو کی آنکھوں میں حسرت سے آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور وہ عربوں کی بدقسمتی پر بہت تاسف

ملنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ کافی کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے ہم بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں۔ روٹی ہم کو اچھی نہیں ملتی۔ پانی ہماری قسمت میں نہیں۔ ویرانوں اور صحراؤں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ کہیں قیام نہیں۔ کوئی جائے آرام نہیں۔ جبتک دم میں دم رہتا ہے۔ ہم رہتے ہیں۔ اور غم رہتا ہے۔ جب اوسکا دل بھر آیا۔ تو آسمان کیطرف منہ اوٹھا کر پکارا "اے عالموں کے رب ہم پر رحم کر۔ اپنے اون بندوں پر رحم و کرم کر۔ جن کو تو نے پیدا کیا ہے۔ وہ بھوکے پیاسے ننگے ہیں۔ اے اللہ۔ اون پر رحم کر"

چونکہ اب ہم شمالی عرب کے صحراؤں اور خیموں کو الوداع کہتے ہیں۔ ہم اس خانہ بدوش عرب کی دعا کے ساتھ آمین کہتے ہیں۔ ہم ان بدوؤں کے متعلق کبھی رائے قائم نہیں کرتے۔ مبادا ہم پر بھی وہی مصیبت نازل ہو جائے۔ اور ہم بھی سخت آزمائش میں ڈالے جائیں۔

سولھواں باب

زمانۂ جہالت

اسلام کی ماہیت سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ (آں حضرت) محمد (صلعم) کے معبوث ہونے سے پہلے جو عرب کیحالت تھی۔ اوس پر نظر ڈالی جائے۔ اسی سے ہم کو اون اسباب کا پتہ لگ جائے گا جنہوں نے ہیرو پروفیٹ (بہادر پیغمبر) کو اپنے زمانہ کی نسل اور آنے والی نسلوں کا سرتاج بنا دیا۔ (آں حضرت) محمد (صلعم) کے حالات زندگی لکھنے والے اسی زمانہ کو جو آں حضرت کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ وقت جہالت کہتے ہیں۔ کیونکہ بقول اُن کے لوگ سچے مذہب سے کوسوں دور تاریکی میں پڑے بھٹک رہے تھے۔ اون مورخوں نے جہاں تک اُن سے ہو سکا ہے۔ عرب کی جہالت کو خوب زور اور مبالغہ سے بیان کیا ہے۔ تاکہ ان ہی کے کارناموں کی اہمیت بڑھے۔ ان مورخوں کے بیانات پر سیل اور دیگر

مورخوں نے اعتبار کر کے محمدؐ سے پہلے عرب کی حالت کا غلط اندازہ لگایا ہے۔ یہ خیال کہ وہ (آں جناب سرور کائنات) نئے مذہب کی تلقین کرتا۔ اور لوگوں کو تہذیب کے اعلیٰ ترین درجہ پر لاتا تھا۔ نیم صداقت لئے ہوئے ہے۔

اسلام کے وقت عرب کے کسی حصہ نے ایسی ترقی و تہذیب حاصل نہیں کی۔ جو عیسائی یا یہودی حمیری خاندانوں کے وقت یمن نے حاصل کی تھی۔ عرب میں عیسائیت اگرچہ کمزور تھی۔ مگر اوسکا اثر اچھا پڑتا تھا۔ محمدؐ کے نمودار ہونے سے پہلے یہودی جزیرہ نما کے قریباً ہر ایک حصہ میں گھسے ہوئے تھے۔

زمانۂ جہالت میں جزیرہ نما میں کئی قبایل اور خاندان آباد تھے۔ پولیٹکل لحاظ سے وہ ایک نہ تھے۔ مگر قومی رشتہ میں اپنے آپ کو ایک ہی سمجھتے تھے۔ ہر ایک گروہ آپس میں متفق اور دوسرے گروہوں کا مخالف ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض چرواہے۔ بعض خانہ بدوش اور بعض جیسے کہ اہل مکہ و اہل طائف سوداگر تھے کئی صدیوں تک یمن لوبان کی تجارت اور مشرقی دنیا میں تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے مالا مال رہا ہے۔ سپرنگر جزیرہ نما کے قدیم جغرافیہ میں لکھتا ہے اوائلی تجارت کی تاریخ لوبان کی تاریخ ہے۔ اور عرب لوبان کا ملک تھا۔ وہ قافلے جو مصر اور ہند کی دولت مغرب کیطرف لاتے تھے۔ صحرا کی تہذیب پر ان کا اثر ضرور پڑتا ہوگا۔ مرئب کے تالاب گرد و نواح کے علاقہ کو سرسبز رکھتے تھے۔ اور صنعا کے شمال کا ملک کاروانوں سے پٹا رہتا تھا۔ ڈبلیو رو برٹسن سمتھ تو یہاں تک کہتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب کا نام مغربی مورخوں کو یاد تھا۔ اور وہ دولت و حشمت کے لئے مشہور تھا۔ چند ہزار سالوں تک عرب کسی غیر ملک کے زیر فرمان نہیں ہوا۔ نہ ہی مصری۔ نہ شامی۔ نہ ہی بابلی اور نہ ہی قدیم ایرانی یا مقدونی۔ عرب یا اوس کے کسی حصہ کو فتح کر سکے۔ مگر پیغمبر کے مبعوث ہونے سے پہلے عرب کے مغروریا دیہ نشینوں کو رومیوں۔ ابی سینیا والوں۔ اور ایرانیوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ۲۵ق م میں اگسٹس نے اپنے جنرل گیلس کو ایک جرار لشکر کے ساتھ عرب کی طرف روانہ کیا۔ اور اس نے شمالی عرب کی نبطیا ریاست فتح کر لی۔

سنہ ۱۱۶ء میں رومیوں نے الجزیرہ کو مسخر کر کے جزیرہ نما کے سارے مشرقی ساحل کو زیر و زبر کیا۔ حیرہ شاہان ایران کا مطیع ہو گیا۔ اور غسان رومی جنرلوں کا فرمانبردار بن گیا۔

سر ولیم میور رقم کرتا ہے۔ اسبات کا ایک مسلمان مورخ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ کہ غسان کی تباہی پیغمبر کی کامیابی کا راستہ صاف کر رہی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ۔ کہ عرب ممالک غیروں کے حملوں کا نشانہ بن رہا تھا۔ اور عربوں میں یہ مادہ تیار ہو رہا تھا۔ کہ کوئی پولیٹیکل لیڈر ملے۔ تو یہ غیروں کا جوا اتارنے کی جدو جہد کرے۔ اور پھر اپنی وہی آزادی حاصل کرے۔ تھوڑا سے کچھ عرصہ پہلے ارمن گورنر نے مکہ پر بھی حملہ کیا۔ سنہ ۶۱۰ء میں تخت نشین ہوتے ہی قیصر ہرقلیس نے عثمان کو جو عیسائی ہو گیا تھا۔ مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ اور قریشیوں کو حکم دیا کہ اسکی فرمان برداری کریں۔" محمدؐ کی پیدائش سے ایک صدی پیشتر ابی سینیا والوں نے جو حملے کئے تھے۔ وہ سب کو معلوم نہیں ہے۔ ابن اسحاق لکھتا ہے۔ یمن میں بہتر سال تک اون کی حکومت رہی۔ عربوں کی اپیل کرنے پر ایرانیوں نے اون کو یمن سے نکالا۔ جب محمدؐ عالم شباب کو پہونچا۔ عرب پولیٹیکل سازشوں اور دھڑے بندیوں کا مرکز بن رہا تھا۔ سارا جزیرہ نما۔ رومیوں۔ ابی سینیا والوں۔ اور ایرانیوں کی حکومت سے بیزار ہو رہا تھا۔ اور کسی ایک شخص کے پیچھے جو آزادی دلانے کی حامی بھرے۔ لگنے کو تیار تھا۔ (یہاں اتنا ہی بتا دینا کافی ہے) کہ آں حضرت سرور کائنات نے پولیٹیکل انقلابات پیدا کرنے کی کبھی کوشش نہ فرمائی تھی۔ آں جناب کی ساری توجہ اُن لوگوں کی اخلاقی۔ روحانی حالت سنوارنے کیطرف مبذول رہی۔ جو پولیٹیکل باتیں اون کے ماتحت تھیں۔ اُن پر آں حضرت کو خواہ مخواہ توجہ کرنی ہی تھی۔ ایام جہالت کے زمانہ میں عورتوں کی پوزیشن بہت ردی تھی۔ عرب کے بہت سے حصوں میں دختر کشی کی مکروہ رسم جاری تھی۔ غالباً اس کا آغاز افلاس و ناداری کے سبب ہوا ہوگا۔ مگر آخر ہوتے ہوتے یہ خرابی ایک رسم بن گئی۔ پروفیسر نلکن ایک اور وجہ بھی بتاتا ہے۔ کہ جنگوں کی بدولت عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک عرب شاعر لکھتا ہے۔ کہ ایک شخص کی بھتیجی نے گرفتاری کے بعد جب

جب وہ ایک شخص کے حوالے کی گئی۔ تو اُس نے جدا ہونے سے انکار کر دیا۔ اسبات سے
اُس کا چچا غضب میں آگیا۔ اور اُس نے اپنی ساری ہی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا۔ اور
اُس کے بعد کسی لڑکی کو زندہ نہ رہنے دیا۔ ایک خوبصورت لڑکی جسکو ماں نے بچا لیا تھا
اُسکو بھی پکڑ کر اُس نے زندہ گاڑ دیا۔ اُس لڑکی کی چیخوں سے عرش تک کانپ رہا تھا
مگر یہ خوفناک رسم عام نہ تھی۔ (اسبات کی آپ کے پاس کیا سند ہے۔ کہ یہ رسم عام نہ
تھی۔ عرب تو عرب۔ ہندوستان جو اُس زمانہ میں نسبتاً زیادہ مہذب تھا۔ اُس میں
بھی یہ رسم زوروں پر تھی۔ مترجم) ایک ممتاز عرب صعصع نامے نے دختر کشی کی رسم
کو مٹانے کی کوشش کی تھی۔

محمدؐ نے ایک ایسا وحشیانہ طریقہ نکالا۔ کہ جس سے ایک ہی لڑکی زندہ درگور نہ ہو
بلکہ سارا ہی عالم نسواں ہلاک ہو۔ اور یہ طریقہ پردہ سسٹم ہے۔ پادری صاحب پردے
کو وحشیانہ طریقہ بتاتے ہیں۔ اور ہم عورتوں کو بے پردہ رہنے کو وحشیانہ پن سے بدتر جانتے
ہیں۔ جو زنا۔ حرامکاری۔ پردہ نہ ہونے کے سبب یورپ اور امریکہ میں ہو رہی ہے کیا
پادری صاحب اُس سے بے خبر ہیں؟

پردے پر جتنے اعتراض خود مسلمان اور غیر مذاہب والے کرتے ہیں۔ اُسکی
تردید ذرا تعانت ہی کر رہے ہیں۔ کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ مسلمان عورتیں بلحاظ
عصمت صحت۔ معاشرت میں اُن قوموں کی عورتوں سے کم ہیں۔ جو پردہ میں
نہیں رہتیں۔ مسلمان عورتیں تعلیم یافتہ نہیں۔ تو اس میں پردہ کا کوئی قصور نہیں
آج کل کے مسلمان مرد بھی تو تعلیم یافتہ نہیں۔ تو کیا وہ بھی پردہ میں رہتے ہیں۔ اور کیا
پچھلے زمانہ میں کی مسلمان عورتیں پردہ میں نہ رہتی تھیں۔ اُن میں سے کئی مشہور عالم
ہوئی ہیں۔ اور اگرچہ یورپ اور امریکہ والوں کو اپنی عورتوں پر ناز ہے۔ مگر اُن جیسی
کوئی عورت پیش تو کرے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑا تباہ
ہوئے۔ اُن کی تباہی دیکھکر دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ اسلام کی بدولت تباہ ہوئے
ہیں۔ ہائے مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ کہ اپنے سا نہ معصوم اور پاک مذہب کی بھی ہتک
کر رہے ہیں۔ بہرحال یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے۔ کہ اسوقت جو پردہ مسلمانوں
میں رائج ہے۔ وہ اسلامی پردہ نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کا خود اختیار کردہ پردہ ہے

اور کوئی شک نہیں۔ بعض حالات میں یہ پردہ قید کی حد تک پہونچا ہوا ہے۔ مگر مسلمانوں کے اعمال کا ذمہ دار اسلام یا پیغمبر نہیں ہے۔ مترجم)

پردہ کی وجہ پیغمبر کی ایک شادی ہوئی۔ جو آں جناب نے خدا کے حکم سے کی تھی۔ اوسوقت سے پہلے عرب میں کوئی شخص پردہ کی رسم کو نہ جانتا تھا۔ یہ اسلام کی ہی کرتوت ہے۔ کہ مشرقی سوسائٹیاں عورتوں کی موجودگی کے فوائد سے محروم رہتی ہیں۔ (یہ فوائد عیسائیوں کو ہی مبارک رہیں)

کیتن۔ پردہ کے متعلق کہتا ہے۔ کہ ترقی کی مخالفت کی جڑ پردہ ہی ہے۔ بالخصوص بت پرستی کے زمانہ میں حرم سسٹم رائج نہ تھا۔ عورتوں کے بہت سے حقوق تھے۔ اور اون حقوق کا پاس کیا جاتا تھا۔ ہم نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ زنوبیہ کے علاوہ ملکہ اور شہزادیاں اپنے قبایل پر حکومت کرتی رہی ہیں۔ فری ٹیگ اپنی عربی ضرب الامثال میں اون عورتوں کی فہرست دیتا ہے۔ جو زمانہ جہالت میں مقدمات کا فیصلہ کرتی تھیں۔ نولڈیک کے بقول سنگین کتبوں اور سکوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شمال عرب میں عورتوں کو اچھا خاصہ اقتدار حاصل رہا ہے۔ اون کی اپنی جاگیریں اور جائدادیں ہوتی تھیں۔ اور وہ بطور خود تجارت کیا کرتی تھیں۔ عرب اپنی عورتوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اون کی حفاظت میں اپنی جانوں کا دیدینا کوئی بڑی بات نہ سمجھتے تھے۔ ایک باپ اپنی بیٹی کسی ایسے شخص کو نہ دیتا تھا۔ جو اوس کے موزوں نہ ہو۔ اور اسکی شادی بغیر اوسکی منظوری کے نہ کرتا تھا۔ ابن ظہیر نے عنبر کو کہا۔ "اگر تم کو موزوں بر نہ ملے۔ تو سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اون کی شادی قریب کرو۔" پروفیسر جی۔ اے ولکن لکھتا ہے کہ عورتوں کو اپنے خاوند پسند کرنے کا اختیار تھا۔ اور خدیجہ کی مثال پیش کرتا ہے۔ کہ اس نے بطوع رغبت اپنا ہاتھ محمد کے سپرد کیا۔ اسیر عورتیں بھی غلام نہ بنائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ حاتم کے شعروں سے واضح ہوتا ہے۔

"جو عورتیں ہمارے پاس اسیر ہو کر آتی ہیں۔ ہم اون کو روٹی کی تکلیف نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اپنی عورتوں میں جو ازلبس شریف ہیں۔ ملا لیتے ہیں۔ اور وہ بہیں سفید گورے رنگ والے بیٹے دیتی ہیں۔"

زیادہ خاوند کرنے اور زیادہ بیویاں رکھنے کا دستور عام تھا۔ طلاق دینے کا حق خاوند اور بیوی کو یکساں طور پر حاصل تھا۔ چونکہ لوگ خانہ بدوش تھے جھٹ پٹ شادی ہوتی تھی۔ اور فوراً ہی طلاق ہو جاتا تھا۔ مگر یمن اور نجران کے عیسائیوں اور یہودیوں کی یہ حالت نہ تھی۔ شادی کے دو طریقے رائج تھے۔ ایک تو متعہ کہ مرد عورت آپس میں معاہدہ کر لیتے تھے۔ اور معاہدہ کا نشانہ کوئی نہ ہوتا تھا۔ اس حالت میں بیوی اپنے ہی گھر رہتی تھی۔ اور کسی طرح بھی خاوند کے زیر اثر نہ ہوتی تھی۔ اولاد بھی ساری عورت کی ہی سمجھی جاتی تھی۔ اس طریقہ شادی کو معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے طریقہ کو نکاح کہتے تھے۔ کہ مرد عورت کو خرید کر یا پکڑ کر اپنی ملکیت میں لاتا تھا۔

سٹٹھو نے قبل از اسلام عورتوں کی پوزیشن کو اس طرح بیان کیا ہے:-
"یہ ایک عجیب بات ہے۔ کہ محمدؐ کے مناسب احکام کے باوجود خاندان اور سوسائٹی میں عورتوں کی وقعت کم ہو گئی ہے۔ قدیم عرب میں کئی مثالیں ہم کو ایسی ملتی ہیں کہ عورتیں آزادی سے چلتی پھرتی تھیں۔ اور موجودہ مشرق کی عورتوں سے مدرجہا بہتر حالت میں تھیں۔ خود عرب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اسلام کی بدولت عورتوں کی پوزیشن کم ہو گئی۔ اور دن بدن ہو رہی ہے کیونکہ محمدؐ نے جو قانون عورتوں کے حق میں بنایا ہے marriage of dominion کی بدولت ضعیف ہو گئی ہے۔ اور اس اصول کو کہ عورتیں اپنے خاوندوں کے برخلاف اپنے رشتہ داروں سے مدد لیتی ہیں۔ کسی قدر پس پشت ڈال دیا ہے"! (اسلام نے جو حقوق عورتوں کو دئے ہیں وہ موجودہ یورپ اور امریکہ نے بھی اپنی عورتوں کو نہیں دئے۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اوسکا عشر عشیر بھی نہیں دیا ہے۔ یہ کریڈٹ اسلام کو ہی حاصل ہے۔ کہ اوس نے عورتوں کی پوزیشن قائم کی۔ اسلام کے رو سے بالغ عورتوں کو اختیار ہے کہ اپنا خاوند آپ انتخاب کریں۔ مرد کو اگر طلاق دینے کا اختیار ہے۔ تو عورت بھی خلع کر سکتی ہے۔ عورت کی جائداد یا جاگیر پر خاوند کو کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہوتا۔ عورتیں جیسا کہ غیر مذاہب والے سمجھتے ہیں۔ مردوں کی ماتحت نہیں۔ بلکہ اون کے حقوق مردوں کے برابر

برابر ہیں۔ ہاں مرد کو کسی قدر فضیلت دیگئی ہے۔ جوانیس ضروری ہے۔ اور جس کے بغیر دنیا کے کاروبار چل ہی نہیں سکتے۔ مترجم)

جہالت کے زمانہ میں لوگ فن تحریر جانتے تھے۔ اور شعر وسخن کا بڑا زور تھا۔ تین باتیں کمالیت کا نشان سمجھی جاتی تھیں۔ فصاحت۔ شہسواری۔ اور مہمان نوازی۔ فصیحوں کی بڑی قدر تھی۔ اون کا کلام سننے کے لئے اور اون کو انعام و اکرام دینے کے لئے بڑے بڑے جلسے ہوتے تھے۔ یہ جلسہ ایک مہینہ تک ہوتے رہتے تھے۔ اور شاعروں اور فصیحوں کا کلام سننے کے لئے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے تھے اور ساتھ ہی تجارت کرتے تھے۔ عربوں کا علم اُس وقت قبیلہ کی تاریخ۔ نجوم۔ اور خوابوں کی تعبیر تک محدود تھا۔

مسلمانوں کی روایت کے مطابق مکہ میں فن تحریر رائج نہ تھا۔ بلکہ محمدؐ کے جانی دشمن ابوسفیان کے باپ حرب نے سنہ ۶۰۰ع کے قریب رائج کیا تھا۔ مگر یہ روایت صریح غلط ہے۔ کیونکہ مکہ اور یمن کے دارالخلافہ صنعا میں مدت سے آمد و رفت قایم تھی۔ اور صنعا کے لوگ فن تحریر اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک روایت ہے۔ کہ عبدالمطلب نے سنہ ۵۲۰ع میں اہل مدینہ کو مدد کے لئے لکھا۔ (پادری صاحب ذرا یہ بتائیں۔ کہ عرب کے متعلق مسلمانوں کی تاریخوں اور روایتوں کے علاوہ اون کے پاس کونسی سند ہے۔ یونہی بکواس کر دینی کہ یہ بھی غلط ہے وہ بھی غلط ہے شیوہ دانشمندی نہیں۔ مترجم)

یہودی اور عیسائی جو ہجرا سے دوسو سال پہلے سے مکہ کے مقامات میں رہتے تھے لکھنا جانتے تھے۔ ان کے پاس لکھنے کی چیزیں کافی تھے۔ اور بھیڑ کی کھال تھیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ مصری ریشم پر سنہری لکھی ہوئی سات نظمیں کعبہ میں لٹکی ہوئی تھیں۔

محمدؐ نے اپنی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں شاعروں سے نفرت ظاہر کی۔ اور وہ حق بجانب تھا۔ کیونکہ ایک شاعرہ نے اوس کے برخلاف ہجو یہ نظم لکھی تھی قرآن میں لکھا ہے۔ "وہ لوگ جو بھٹک گئے۔ شاعروں کے پیرو ہیں" اور مشکوٰۃ میں لکھا ہے۔ ایک غزل سے پیپ اور ریم بہتر ہے۔ جب دو مشہور شاعر لبید اور حسن نے اسلام قبول کر لیا۔ تو پیغمبر ذرا نرم ہو گیو۔ اور کہتے ہیں ۲۰ ورک

(آن جناب) کہا۔ (فرمایا) در نظم انشا کا مقصد ہے۔ مگر وہ اچھا ہے۔ تو یہ بھی اچھی ہے
اگر وہ بری ہے تو یہ بھی برا ہے۔

[illegible]

عربوں کے مذہب کے متعلق ایک اسلامی مورخ الشہرستانی لکھتا ہے۔ وہ قبل از اسلام مذہب کے لحاظ سے عرب چند جماعتوں میں منقسم تھے۔ اون میں سے بعض تو خدا۔ قیامت انسان کے خدا کی طرف مراجعت کرنے کے منکر تھے۔ اور کہتے تھے۔ خود قدرت میں جان بخشنے کی طاقت ہے۔ مگر وقت اس جان کو ضایع کر دیتا ہے۔ بعض خدا کو مانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ خدا نے نفی سے سب کچھ پیدا کیا۔ مگر قیامت کے قائل نہ تھے۔ بعض خدا کو مانتے تھے اور اون کا ایمان تھا کہ سب کچھ خدا نے ہی بنایا ہے مگر پیغمبروں کو نہ مانتے تھے۔ اور دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔ اور یقین رکھتے تھے کہ یہ دیوتا اگلے جہان میں ان کی شفاعت کریں گے۔ ان دیوتاؤں کے لئے وہ حج کرتے۔ نذرانے چڑھاتے۔ قربانیاں کرتے اور کئی دیگر مذموم رسومات ادا کرتے بعض چیزوں کو وہ خدا کا اوتار مانتے۔ قبل از اسلام یہ تھا عرب کے زیادہ لوگوں کا مذہب۔ مگر یہ تعجب کی بات ہے۔ کہ اس مسلمان مورخ نے عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور اس کے متعلق اس کی خاموشی خاص معنی رکھتی ہے۔ جب عرب قبائل خدا کی وحدانیت کو بھلا بیٹھے تو انہوں نے صابئین مذہب ستارہ پرستی اختیار کر لی۔ اور اس کا بڑا ثبوت یہی ہے۔ کہ وہ اپنے دیوتاؤں کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور علم نجوم اچھی طرح جانتے تھے۔ تاہم ستارہ پرستی میں خلل آگیا۔ اور دوسرے دیوتاؤں کی پرستش ہونے لگی۔ اور کئی توہمات پیدا ہو گئے۔ قدیم عرب ہر قسم کے مذہبی مفروروں کے لئے جائے پناہ تھے۔ جو شخص آتا مذہبی اعتقادات میں کوئی نہ کوئی نئی بات داخل کر دیتا۔ آتش پرست مشرقی عرب میں۔ یہودی خیبر، مدینہ اور یمن میں مختلف فرقوں کے عیسائی یمن کے شمالی حصہ میں آکر آباد ہوئے۔

محمد کے زمانہ سے کئی صدیاں پہلے سے مکہ بت پرست عرب کا مرکز۔ یہاں کعبہ تھا۔ جس میں فی دن کے حساب سے ۳۶۰ بت تھے۔ یہاں حجاز کے قبائل آکر جمع ہوتے اور سنگ اسود پر پیشانی رگڑتے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے اور

متبرک شجروں پر کپڑے چڑھاتے۔ نجران کھجور کا ایک متبرک درخت تھا۔ اور وہ بھی حج کا بڑا مرکز بنا ہوا تھا۔ عرب میں ہر جگہ متبرک درخت اور متبرک پتھر تھے۔ اور اون سے مرادیں مانگنے کے لئے عرب لوگ جمع ہوتے تھے۔ جنون اور بھوتوں کا اعتقاد عام تھا۔ مگر ان میں اور دیوتاؤں میں بڑا امتیاز تھا۔ دیوتاؤں میں شخصیت مانی جاتی تھی۔ جنوں میں نہیں۔ دیوتاؤں کی پرستش کیجاتی تھی۔ جنوں کا صرف ڈر کیا جاتا تھا۔ دیوتا کی ایک ہی شکل ہوتی تھی۔ مگر جنوں کے متعلق خیال تھا کہ وہ کئی شکلیں بدلتے ہیں۔ جنوں کے متعلق جو کچھ اسلامی دنیا مانتی ہے۔ یہ سب بت پرست عربوں کی نقل ہے۔ جن لوگوں نے الف لیلہ پڑھی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں جنوں کا کیسا اعتقاد ہے (الف لیلہ۔ واہ صاحب۔ سند تو خوب پیش کی۔ مسلمان ایسے جنوں کو نہیں مانتے جن کی آپ نے تشریح کی ہے۔ البتہ الیسے جن خداوند یسوع مسیح نکالا کرتے تھے۔ مترجم)

عرب ہمیشہ سے وہیں چلے آتے ہیں صحرا کا کوئی ٹیلہ۔ درخت یا چشمہ ایسا نہیں جس پر وہ پھولوں کے ہار نہ چڑھاتے ہوں۔ قدیمی عرب متبرک مقامات پر ستون یا گنبد بنا دیتے تھے۔ اور حلقہ کے اندر خون کا بہانا۔ درختوں کا کاٹنا شکار کا کھیلنا ممنوع سمجھتے تھے۔

یہ ہے وجہ تسمیہ مکا اور مدینہ کے گرد و نواح متبرک ہونے کی۔ قربانیاں عام ہوتی تھیں۔ خون پتھر کے قربان گاہوں پر ڈالا جاتا تھا۔ اور گوشت جاتری لوگ کھا جاتے تھے۔ دیوتاؤں کو پہلے پھل دیئے جاتے تھے۔ اور اون پر سے شراب لنڈھائی جاتی تھی۔ قدیم حج کے وقت بالوں کی نذر بھی چڑھاتے تھے۔ آجکل بھی ایسا کیا جاتا ہے۔

ڈبلیو رابرٹسن یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہ ہر ایک عرب قبیلہ کا اپنا ایک متبرک جانور ہوتا تھا۔ اور اسکی ایک بڑی معقول دلیل یہ ہے کہ اکثر قبیلوں کے نام جانوروں کے نام پر رکھے جاتے تھے۔ اور یہ خاص خاص جانور عرب کے چند حصوں میں متبرک سمجھے جاتے تھے۔ قدیم عرب اپنے جسموں کو رنگتے اور بیل بوٹے کھینچتے تھے۔ محمد نے اس رسم کو بند کر دیا۔ مگر شمالی عرب میں بدوؤں کی عورتیں

ابھی تک اپنے جسموں پر نقش و نگار کرتی ہیں۔

خون اور نمک کی سوگند تمام عرب میں مروج تھی۔ سوگند کا طریقہ تھا کہ دونوں فریقین اپنا اپنا ہاتھ خون کے پیالے میں ڈالتے اور اوسکو چکھتے۔ دوسری جگہوں پر اپنی رگ کھول کر تازہ خون ملاتے۔ پھر ایک دوسرے کا خون چوس کر درمیان میں جو سات پتھر ہوتے اون پر خون ملتے۔ آخر عربوں نے انسانی خون کی جگہ بھیڑ یا اونٹ کا خون مقرر کر دیا۔

عرب کے بڑے بڑے دیوتاؤں کے نام یہ تھے۔ اون میں سے دس کے نام قرآن میں آئے ہیں۔

جبل۔ یہ آدمی کی شکل پر تھا۔ اور شام سے لایا گیا تھا۔ ود۔ یہ آسمانوں کا دیوتا تھا سواع۔ عورت کی شکل پر تھا۔ یغوث۔ شیر ببر کی شکل پر تھا۔ یعوق۔ گھوڑے کی صورت رکھتا تھا۔ نسر۔ عقاب کی طرح تھا۔ العزا۔ لات۔ منات۔ دوار۔ جھف نیلا حجب۔ صبحب۔ وغیرہ۔

ان کے علاوہ مکہ کے بت کدہ میں اور کئی بت تھے جن کے نام بھول گئے ہیں۔ سب سے بڑا بت تھا جس کو وہ ذوالجبر یا خدا کہتے تھے۔ یہ نام قدیم شعروں میں کئی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جہالت میں بھی لوگ ایک واحد خدا کو جانتے تھے۔ اسی کو وہ نذر لے چڑھاتے تھے۔ اور اس کے نام پر معاہدہ کرتے اور سوگند اٹھاتے۔ اللہ کا دشمن۔ ابا کی طرح اس وقت بھی عربوں کی نفرت کی بڑی علامت تھی۔ دیکھو سن۔ ارقام کرتا ہے اور پرستش میں اللہ سب کے پیچھے تھا۔ اون دیوتاؤں کو ترجیح دیجاتی تھی۔ جو کسی خاص خاندان کے انٹرسٹ کی حمایت کرتے اور اپنے پوجا کرنے والوں کی پرائیویٹ خواہش پوری کرتے تھے۔ اللہ کا ڈر یا دیوں کی تعظیم اون پر خفیف اثر کرتی تھی۔ بڑے تہواروں کی غرض یہ ہوتی تھی کہ متبرک مہینوں میں جنگ و جدل ملتوی رہیں۔ یہ مشترک عرب۔ [illegible] نظموں میں لکھا ہے۔ درحقیقت یہ درجہ کے بیدین تھے۔

مکہ کے قدیم باشندے تجارت کی غرض سے دوستی کرتے تھے۔ اور بھی رشتہ ان کا آج کل ہے۔ ان کی تجارت تہواروں کی بدولت تھی۔ اور تہوار جیسے یہ [illegible]

تھے۔ کہ حرام میں امن رہے۔ اور اسی وجہ سے متبرک مہینوں میں جنگ و جدل ملتوی کر دیئے جاتے تھے؛؛ اسمیں کوئی شک نہیں۔ کہ محمدؐ کے سٹیج پر نمودار کے وقت قدیم توہمی بت پرستی میں فرق پڑ چکا تھا۔ کئی بت ایسے تھے کہ اون کو کوئی جاننے والا یا کوئی اون کی پوجا کرنے والا بھی نہ رہا تہا۔ ستارہ پرستی بھی معدوم ہو چکی ہتی۔ البتہ شمالی عرب میں ابھی تک پائی جاتی تہی۔ اس کا اثر جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا۔ زائل بھی بھی نہ ہوا۔ اور آج کل کے بدؤوں میں بھی ستارہ پرستوں جیسے توہمات پائے جاتے ہیں۔ اکثر لوگوں میں پرلے درجہ کی ضعیف الاعتقادی پائی جاتی ہتی۔ محمدؐ کے زمانہ کو ایک شخص نے کہا ؎جب وہ کوئی خوبصورت پتھر دیکھتے ہیں۔ تو اُسی پر گر پڑتے ہیں اور پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر حسب خواہش کوئی پتھر نہ ملے تو ریت کا ایک تودہ بنا کر او سپر اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ اور اُسی تودہ کی پرستش شروع کر دیتے ہیں؛؛

مکہ اور مدینہ کے باحیثیت لوگوں نے ایسی تمام باتوں کا اعتقاد چھوڑ دیا تہا۔ (مگر یہ بھی ڈھنگ پولیٹکل اور تجارتی رنگ میں تہا۔ یہ شخص بالکل واقعات کے برعکس لکھ رہا ہے۔) مدینہ اور مکہ کے لوگ آں حضرت سرورکائنات کے مبعوث ہونے کے وقت پکے بت پرست ہو چکے تھے۔ (مترجم)

ان تمام چیزوں اور اعتقادات پر یہودیوں اور عیسائیوں کا بتدریج اثر پڑ رہا تھا یہ لوگ بت پرستوں سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ چنانچہ حنیف لوگ کا تذکرہ ہم آن ہی کی بدولت سنتے ہیں حنیف اون چند عربوں کو کہتے ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ کسی کو اسکا شریک نہ گردانتے تھے۔ اُسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اور اوس سے ہی گناہوں کی معافی مانگتے تھے۔ طائف۔ مکہ اور مدینہ میں حنیف لوگ پائے جاتے ہتے۔ وہ درحقیقت صداقت کے طلبگار تھے۔ وہ بت پرستی سے سخت متنفر تھے۔ ان ابتدائی حنیفوں میں محمدؐ کا چچازاد بھائی ورقہ اور زید بن عمر مشہور ہیں۔ پہلے پہل محمدؐ نے بھی حنیف نام رکھا تہا اور اپنے آپ کو ابراہیم کے مذہب پر بتایا تہا۔ مگر بعد ازاں حنیف کی جگہ مسلم نام رکھا۔ حنیف اور اسلام میں ایک قدم کا فرق ہے۔ ابتدائی وحدانیت۔ ستارہ پرستی بت پرستی ضعیف الاعتقادی۔ حنیف کو پکڑا۔ اور پیغمبر نے تلوار کے زور سے ان کو وحدانیت میں ڈالا۔ ایسی وحدانیت میں جو اوس کے ارادوں کی سویرا اور معاون

ہوئی۔ جہالت کا زمانہ بہی کا زمانہ تھا۔ ہر ایک چیز اوس شخص کو لبیک کہنے پر تیار تھی۔ جو موقع سے فایدہ اوٹھانا جانتا تھا۔ وہ یہ شخص محمد تہا۔ (اس شخص کے بیان کی تردید ہو سکے اپنے ایک عیسائی بہائی مسٹر آرنلڈ سابق پروفیسر ایم۔ اے۔ او کالج علیگڈھ کی کتاب۔ پریچنگ آف اسلام کا فیصلہ کن کتاب کا اردو ترجمہ دفتر اخبار وطن سے ملسکتا ہے۔ مترجم)

ستر ہواں باب

اسلام اپنے گہوارے میں اور مسلمانوں کا خدا

اسلام نے صحرا میں جنم لیا۔ ستارہ پرستی اسکی ماں تھی۔ اور موسوی مذہب اسکا باپ۔ مشرقی عیسائیت اس کی اتالیق۔ (ایڈون آرنلڈ)

ایک پیغمبر بغیر معجزات کے۔ ایک مذہب بغیر اسرار کے۔ ایک ضابطہ اخلاق بغیر کشش کے۔ جس نے خون کی پیاس پیدا کردی۔ اور جو جوش سے اوٹھا اور پال کہا کر بیٹھ گیا۔ (شلیگل کی فلاسفی آف ہسٹری) (قرآن۔ قرآن کی تعلیم۔ اوس پیغمبر کی تقدس اور بزرگی۔ اُس کی زندگی۔ اوسکا اخلاق اور روحانیت اُس کا معجزہ ہے اور ایسا معجزہ جو اب تک قایم ہے۔ کہاں ہیں وہ لولے۔ لنگڑے۔ گونگے۔ جن کو مسیح اچھا کرتا تہا۔ ایک تو ہمارے سامنے تصدیق میں لاؤ۔ یا اپنی بائیبل سے ثابت کرو۔ وہ خدا کا کلام ہے۔ مگر آؤ ہم تم کو قرآن میں سے الیواسرار بتائیں۔ کہ تم اوسپر قربان ہونے لگو۔ کہاں ہیں۔ ایک رخسارے پر طمانچہ کہا کر دوسرا رخسارہ آگے کرنے والے آئیں اور قرآن کی تعلیم اخلاق دیکہیں۔ کہ اس میں کشش ہے یا نہیں۔ کاش ایکدفعہ قرآن کو غور سے پڑھو۔ تو معلوم ہوجائے کہ کشش کس کو کہتے ہیں۔ خون کی پیاس دیکہنی ہو۔ تو یروشلم کے پرانے کہنڈروں اور یورپ کے میدانوں میں دیکھو۔ آن کی بان دیکہنی ہو تو خود اپنی عیسائیت کا تماشہ دیکہ لو۔ کہ ایک خدا سے دو اور دو سے تین۔ اور آج کل تین سے ایک بہی نہ۔ اوستاد صفائی ہو

تو الیسی ہو رہی ہے)

اسلام کی ابتدا - کیرکٹر اور تاریخ پر قرآن اور محمد پر نہ صرف عربی اور عبرانی زبان میں - بلکہ یورپ کی کئی زبانوں میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں - مختلف کتابوں میں اتنا اختلاف ہے - جتنا مشرق کا مغرب سے - اور باسورتھ کا - بری ڈوکسی ابتدائی یورپین مورخوں نے محمد کو کاذب اور اوس کے مذہب کو کذب لکھنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا - (اجی ہاں ابتدائی یورپین مورخ تھے بڑے لایق - کہ اپنے تن بدن تک کا تو ہوش نہ تھا)

کارلائل - اپنی کتاب "دی ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں دوسری طرف پلٹا ہے تو اتنا پلٹ گیا ہے کہ ہیرو پر وفیٹ پر جو باب اوس نے لکھا ہے - اوس کو لاہور محمدن تنشری سوسایٹی نے الگ پمفلٹ کی صورت میں شایع کرایا ہے - کارلائل نے اسلام نے اسلام کی حقیقت کو اتنا کم سمجھا ہے کہ اسکو عیسائیت کی ایک قسم بتایا ہے - جو کچھ کارلائل نے لکھا یہ تو ان تعریفوں اور مدحوں کی ابتدا تھی - جو جلد بعد میں لکھی گئیں اور جنہوں نے محمد کو نہ صرف ایک بڑا ریفارمر بلکہ در اصل رسول اللہ اور اوس کے مذہب کو ایک سچا مذہب بتایا -

سید امیر علی نے جو سوانح عمری لکھی ہے - اوس میں اوس نے اس مشہور آفاق نبی (آں حضرت صلعم سے مراد ہے) کے کیرکٹر کو بالکل بے عیب اور بے داغ ثابت کر دکھایا ہے - اور ہر برائی کو اوس کے کیرکٹر سے ایسا نکالا ہے - جیسے مکھن سے بال نکالتے ہیں - علیگڈھ کالج ہندوستان کے پروفیسر ٹی - ڈبلیو آرنلڈ نے جو ابھی ابھی ایک قابل قدر کتاب لکھی تھی - اس میں اوس نے نہایت قابلیت سے ثابت کیا ہے - کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا - بلکہ بغیر تلوار کی مدد کے پھیلا ہے -

جو کچھ بک برٹون نے ۱۶۶۲ء میں لکھا ہے - اوسکو بھی دیکھو - وہ لکھتا ہے وہ اب اس محمد یا محمد پر خیال کرو - خدا نے اس کو مجنونانہ دماغ دیا - وہ ایک غریب اسماعیل تھا - ایک بیوہ سے شادی کر لی - مالدار ہو گیا - بس پھر کیا تھا - ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گیا - اس کو مرگی کی بیماری تھی - اور شیطان اوس پر غالب تھا - یہ دیکھکر اسکی بیوی بھی افسوس کرنے لگی - کہ میں نے اس سے شادی کیوں کی - اوس نے اوس کو اوس

دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ مجھ کو مرگی کا دورہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ ایک حالت ہے جس میں میں جبرائیل سے ہمکلام ہوتا ہوں۔ بس ہوتے ہوتے یہ کاذب اور دغاباز پیغمبر مشہور ہو گیا۔ اور یہودیت۔ عیسائیت۔ ستارہ پرستی سے نقل کر کے اور کچھ اپنے دماغ سے کام لے کر ایک مذہب قائم کر دیا۔ ہمارے اپنے زمانہ میں سر ولیم میور، کوئیل اور دوسروں نے محمدؐ کی زندگی اور کیرکٹر کے زیادہ صحیح حالات درج کئے ہیں۔ پنڈت جی ابھی تک یا تو بہت ادھر یا بہت ادھر۔ مگر آخر یہ نکلنے پر کھڑا ہوگا (ضرور نکالنے پر کھڑا ہوگا۔ اور جب وہ کھڑا ہو گیا۔ بس سمجھو یورپ اور امریکہ اسلام کے دائرے میں کھڑا ہو گیا۔ مترجم)

اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ہم محمدؐ کی زندگی یا اس کے مذہب پر بحث کریں ہم نے دو نقشوں کے ذریعہ اس مذہب کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک نقشہ سے مذہب کی نشوونما۔ دوسرے سے بیرونی وسائل سے اس کی ابتدا کی فلاسفی معلوم ہو جاوے گی۔ یہ نیا مذہب نہیں۔ بلکہ دوسرے مذاہب کی ایک ترکیب ہے اس میں سوائے اس کے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کہ محمدؐ نے پرانی باتوں کو نئے سانچے میں اپنے مطلب کے مطابق ڈھالا ہے۔ اور تلوار کے ذریعہ ان کی اشاعت کی ہے اسلام کے یہ مختلف عناصر عرب میں اس وقت جمع کئے گئے۔ جب کہ جزیرہ نما میں بہت سے مذاہب داخل ہو چکے تھے۔ اور کعبہ ایک بت کدہ بن رہا تھا۔ جب تک ایک شخص کو زمانہ جہالت کے ان عناصر کا علم نہ ہو۔ اسلام اس کے لئے ایک معمہ ہے۔ اگر بت پرستی، یہودیت اور عیسائیت کی واقفیت ہو جائے تو اسلام فوراً سمجھ میں آ جاتا ہے۔ تیرہ سو سال کا زمانہ گذر جانے کے باوجود اسلام میں جو باتیں بت پرستی سے اخذ کی گئی ہیں۔ ابھی تک قابل شناخت ہیں۔ اس بات کا کریڈٹ یہودی ہیر گیلر کو حاصل ہے۔ کہ ہم کو معلوم ہوا۔ اسلام کسی حد تک یہودیوں اور تالمود کے زیر بار احسان ہے۔ آنوا ایبلڈ ڈبلیو سنٹ کلیر ٹسڈل نے ابھی ابھی ثابت کیا ہے کہ محمدؐ نے آتش پرستوں اور صابئیوں سے بھی بہت سی باتیں لی ہیں۔ اور عیسائی مذہب کی باتیں اخذ کرنے کا پتہ تو قرآن سے ہی لگ جاتا ہے۔ قرآن کے بائیسویں باب میں ایک آیت ہے۔ جس میں محمدؐ نے ان ذرائع کو شمار کیا ہے۔ جن سے

اُس نے نئے مذہب کی بنا ڈالی تھی۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ اُس وقت وہ شک میں تھا
کہ کونسا فرقہ سب سے زیادہ معتبر ہے۔ "وہ جو ایمان لے آئے۔ اور یہودی اور صابئین
اور عیسائی اور آتش پرست۔ اور وہ جو خدا کے ساتھ اون کو شریک کرتے ہیں۔ خدا
قیامت کے دن اون میں فیصلہ کر دے گا" پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ
اسلام۔ زبور۔ توریت۔ اور انجیل کو آسمانی کتاب سمجھتا ہے۔ اور اُسکا قول ہے کہ
ہر ملک میں خدا کے سمجھانے والا بھیجا۔ اور یہ کہ آں حضرت سے پہلے بھی ڈرانے والے آتے
رہے۔ پس اس قول کو مدنظر رکھ کر اب دیکھو۔ کہ یہودیت۔ عیسائیت کی باتیں اختیار
کرنے میں اسلام کہاں تک مورد الزام ہے۔ ان مذاہب کی جو باتیں ٹھیک حالت میں
تھیں۔ اسلام نے لے لیں۔ آں حضرت قدرتی مذہب کو مکمل کرنے کے لئے مبعوث ہوئے
تھے۔ اون مذاہب کو کس طرح سے نظر انداز کر سکتے تھے۔ جو خدا کی طرف سے آ چکے
تھے۔ دیکھنا یہ ہے کو اصلی صورت میں لا کر مکمل کیا گیا ہے۔ یا نہیں۔ اور خدائی منشا
کی تکمیل ہوئی ہے یا نہیں۔ حضرت مسیح کے عہد تک بت پرستی کا قلع و قمع نہ ہوا تھا
عورتوں کے حقوق کی کوئی تعین نہ ہوئی تھی۔ ان باتوں کو بہ طریق احسن پورا کرنے کے
لئے ایک پیغمبر آیا۔ اپنا مشن پورا کر گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس پیغمبر کیطرف وہ باتیں
منسوب کی جائیں جو اُس نے نہیں لکھیں۔ یا نہیں کیں۔ بجائے اس کے کہ یہودی و عیسائی
اسلام کے شکر گذار ہوں۔ کہ اون کے مذاہب کو تاریکی سے نکالا گیا ہے۔ یہ لوگ اولٹا
اوس کے منہ آتے ہیں۔ اور واقعات پر اور اسلام کی تعلیم اور اوسکی غرض و غایت
پر نظر نہیں کرتے۔ اور اگر آں حضرت سرور کائنات مبعوث نہ ہوتے۔ تو کیا پادری
صاحب کہہ سکتے ہیں کہ دنیا سے بت پرستی معدوم ہو کر وحدانیت کا ڈنکہ بج جاتا۔ یا
عیسائیوں کو یہ سبق آجاتا۔ اور اون میں مسیح اور مریم کی بت پرستی بند ہو جاتی۔ یا
لوتھر کو ریفارمیشن کا خیال سوجھتا۔ یا دنیا کو امن و آمان حاصل ہوتا۔ اخوت اور برادری
کی بنا پڑتی۔ علم و ہنر کا چرچا ہوتا۔ مہذب گورنمنٹوں کا رواج پڑتا۔ یا قوانین کی
عملداری ہوتی۔ اور بنی نوع انسان کو وہ کامل آزادی ملتی۔ جو اسلام کی
طفیل آجکل دنیا کے تمام حصّہ کو حاصل ہے۔ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔
پادری صاحب ذرا گریبان میں منہ ڈالیں۔ ہسپانیہ۔ سسلی۔ روس کی تاریخ پڑھیں

جہاں مسلمانوں کے آنے سے پہلے عیسائی موجود تھے آج بھی ہیں۔ مگر عیسائیوں کی حکومت سے پہلے جن ممالک میں مسلمان تھے۔ وہ آج نہیں ہیں۔ بلکہ سب تلوار کی گھاٹ اوتار دیئے گئے ہیں۔

موجودہ یورپ اور امریکہ کو اپنی تہذیب پر بڑا ناز ہے مگر ان کی بھی یہ حالت ہے کہ اسلامی سلطنتوں میں اپنے مشنری مقرر کر رکھے ہیں۔ مگر اسلامی سلطنتوں کے مشنریوں کو اپنی مملکت میں نہیں آنے دیتے۔ خود بقول پادری صاحب عرب میں عیسائی اور یہودی موجود ہیں۔ مگر سپانیہ اور سسلی کے مسلمان کیا ہوئے اون کو کس ظالم کی تلوار خون آشام نے کنج عدم میں پنہاں کر دیا۔ اے مکرم عیسائیو۔ اسلام اور مسلمانوں کے احسانات کا یہ عوض دینے لگے ہو۔ انہیں سے سیکھ کر اون کے مقابل آنا۔ کہاں کی سعادت مندی ہے۔ دیکھنا کہیں نمکحرامی کی لعنت گلے کا ہار ہو کر مصیبت کا دن نہ دکھائے۔ مترجم)

اسلام کا خدا۔ گبن۔ اسلامی عقیدے کے پہلے حصّہ کو ازلی و ابدی صداقت بتاتا ہے۔ یعنی۔ (لا الٰہ الا اللہ، کو) مگر زیادہ انحصار تو اس بات پر ہے۔ کہ اسلام کے خدا کا کیرکٹر کیسا ہے۔ جو دیگر تمام خداؤں کو برطرف کر کے اون کی جگہ آپ بیٹھتا ہے۔ اگر خدا کے اوصاف میں الوہیت اور ربانیت نہیں۔ تو تمام مذہب کی بنیاد ہی غلط ہے۔ خدا کے متعلق اسلامی عقیدہ کے مطالعہ کرنے میں تعجب انگیز غفلت کی گئی ہے۔ قریباً تمام عالموں کا یہ خیال ہے کہ قرآن کا خدا بھی خدا ہے۔ اور ان ہی اوصاف سے مملو ہے۔ جو توریت اور انجیل کا خدا ہے۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ (بیشک یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ موجودہ توریت اور انجیل کا خدا خدا نہیں۔ قرآن کا خدا تو بے عیب اور پاک ہے۔ مترجم) اوّل سب سے پہلے تو یہ ہی کہ خدا کے متعلق مسلمانوں کا خیال منفی ہے۔ خدا بے مثل و بے چون ہے۔ اور کسی مخلوق سے جو اس کے مشابہ ہو۔ اوس کا کوئی تعلق یا رشتہ نہیں ہے۔ اسکی تعریف سوائے منفی کے ہو ہی نہیں سکتی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر ظاہر کرتا ہے۔

کلّما یخترع فی بالک فاربنا مخالف ان ذالک

(پادری صاحب اتنے ہیر پھیر میں کیوں پڑے۔ کیا آپ ان باتوں سے ثابت کر دینگے
کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ خدا روح القدس۔ اور بیٹا کو ملا کر ایک خدا بنانا۔ اور ایک کے
تین بنانا آپ کو مبارک رہے۔ مسلمانوں کا تو وہی ایک خدا ہے۔ "قل ہو اللہ احد (اللہ الصمد)
لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ اللہ اکبر"

ہماری و تمہاری اس کی بڑی صفتیں ہیں۔ اس کا کیریکٹر صیغہ متکلم و حاضر سے معلوم
ہے۔ ایڈون آرنلڈ نے اپنی نظم "Pearls of the Faith"
"پرلز آف دی فیتھ" میں خدا کے ننانوے نام جوڑے ہیں۔ ان میں سے پدرانہ
شفقت۔ محبت۔ بے لاگ انصاف۔ اور بے غرضی کی بو تک نہیں آتی۔ عیسائیوں
کا عقیدہ کہ "خدا محبت ہے" مسلمان عالم کے نزدیک کفر اور جاہل کے نزدیک
معمہ ہے۔ (خدا جانے اس شخص کی عقل پر پتھر پڑے ہیں۔ جو ایسی بہکی بہکی باتیں
کرتا ہے۔ تحقیق ہی اسلام کے خدا پر اور حوالہ دیتا ہے۔ ایڈون آرنلڈ کا۔ پادری صاحب
قرآن کے پہلے ہی صفحہ پر سورۂ فاتحہ ہے۔ اسکو پڑھیئے اور قرآن کو سرسری طور سے
پڑھ جائیے۔ تو آپ کو معلوم ہو کہ اسلام کا خدا کیسا ہے۔ شروع خدا کے نام
سے جو نہایت رحم والا مہربان ہے۔ (۱) مسلمانوں کہو کہ ہر طرح کی تعریف خدا ہی
کو سزاوار ہے۔ جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ (۲) نہایت رحم والا اور مہربان۔
(۳) انصاف کے دن یعنی قیامت کے روز کا مالک۔ (۴) اے خدا ہم تیری عبادت کرتے
ہیں۔ اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ (۵) ہم کو (اپنی مہربانی سے) سیدھے راستے
پر چلا۔ (۶) یعنی ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔ نہ ان
لوگوں کے رستے جن پر تیرا غضب نازل ہوتا رہا۔ اور نہ گمراہوں کے رستے۔ پادری
صاحب ان چند سطور ہی کو غور سے پڑھیئے۔ کیا اس میں پدرانہ شفقت۔ محبت۔
انصاف اور جو کچھ بھی ہے۔ نہیں آجاتا۔ اور کیا اس سے نمایاں طور پر ثابت
نہیں ہو جاتا۔ کہ مخلوق کا خدا سے کیا تعلق یا رشتہ ہے۔ ہاں جان بوجھ کر حق کو گر
چھپاتے ہو تو تمہاری مرضی۔ مترجم)

بالکل جو اسلام سے برخلاف ادبار ہی کہا ہے نہیں ہوا تھا۔ اور شیخیوں
تک عربوں کے درمیان رہا تھا۔ وہ اسلام کو ہمہ اوست کا مذہب قرار

دیتا ہے۔ پالگریو نے جو خاکہ اسلام کے خدا اور محمدؐ کے خیالات جو خدا کی نسبت ہیں
اون کا کھینچا ہے اُس نے واقعی کمال کیا ہے۔ اُس کا ہر لفظ اون بیانات سے ملتا
ہے جو ہم ہر روز مسلمانوں سے سنتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کا خدا
داؤد کا خدا یا وہ خدا نہیں تھا جو بیت المقدس میں مسیح کی شکل میں نمودار ہو کر
مصلوب ہوا۔

پالگریو لکھتا ہے۔

"کوئی خدا نہیں سوا خدا کے"۔ انگریزی محاورے میں اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک
کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور یقیناً عربی زبان میں بھی اس کا یہی مطلب ہے۔ مگر ان
لفظوں سے کچھ اور بھی مترشح ہوتا ہے۔ ان لفظوں کو اگر ان کے وسیع اور مکمل معنی
میں لیا جاوے۔ تو وہ نہ صرف اعلیٰ وجود (خدا) کی ذات اور کیفیت کو شرکت سے
مبرا کر لیتے ہیں۔ اور اوس کو لم یلد و لم یولد ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ عربی زبان اور عربوں
کے محاورے کے مطابق ثابت کرتے ہیں کہ یہ اعلیٰ وجود ہی صرف ایک زبردست
ہے۔ یہی طاقت ہے۔ وہی فعل ہے۔ جو کل کائنات میں ساری و جاری ہے۔ باقی
تمام وجود خواہ وہ مادہ ہے یا طاقت ہے ہو خواہ مادی ہو خواہ جسمانی ہے
یا روحانی۔ وہ کچھ بھی نہیں۔ بلکہ ایک سایہ ہیں۔ وہی طاقت ہے وہی متحرک۔ وہی حرکت
وہی اثر وہی فعل خدا ہے۔ باقی سب خیال ہے۔ پس اس "لا الہ الا اللہ" میں
وہ سسٹم سمویا ہوا ہے جس کو ہمہ اوست کہہ سکتا ہوں۔ سب پر حاوی۔ سب پر
غالب۔ سب کچھ آپ ہی بنانے والا اور مٹانے والا۔ نیکی بدی کا مالک وہی ایک
خدا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس طرح مندرجہ بالا اوصاف کے مطابق
لامحدود، ازلی و ابدی۔ تمام مخلوقات سے جو اس کے سامنے کسی طرح کی کوئی
وقعت نہیں رکھتی۔ شکل و صورت میں یگانہ۔ خدا اپنے فعل میں خود مختار ہے۔
اس کے لئے کوئی قانون کوئی حد نہیں۔ وہ آپ ہی آپ ہے۔ جو اور جس طرح
چاہتا ہے۔ بناتا ہے اور کرتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے کوئی نامہ و پیام نہیں رکھتا
کیونکہ مخلوق کی طاقت اور فعل اوسی کا ہے۔ وہ خود ان بندوں سے کچھ
نہیں لیتا۔ کیونکہ وہ کچھ بھولے وہ اس میں ہیں۔ اُس کے پاس ہیں اس سے ہیں

دوسرے کوئی بندہ دوسرے پر بزرگی و برتری نہیں رکھتا۔ تمام اُسی ایک طاقت کے آسرے ہیں۔ جو اُن سے نقصان اور فائدہ کے کام کراتی ہے۔ سچ یا جھوٹ بولاتی ہے عزت یا ہتک کراتی ہے۔ خوشی یا رنج دلواتی ہے۔ بندے کا کسی کام میں کوئی واسطہ نہیں۔ وہی ایک ہی۔ جو چاہتا ہے۔ کراتا ہے۔

ایک شخص خیال کرے گا۔ جب یہ وجود ایسا زبردست اور طاقت ور ہے۔ تو وہ جذبات۔ خواہشوں اور تمناؤں سے مبرا اور منزا ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ وہ اپنی مخلوق سے حسد کرتا ہے۔ اور اُن کو کہتا ہے۔ کہ جو تعریف مجھے سزاوار ہے اور کسی کو نہیں۔ سب حمد و ثنا میرے ہی لئے ہے۔ اس حسد کی ہی وجہ سے کہ وہ انعام دینے کی نسبت سزا دیتے۔ خوشی کی نسبت رنج دے۔ بنانے کی نسبت ڈھانے کی دھمکی زیادہ دیتا ہے۔

اُس کی بڑی خوشی اس میں ہے کہ اُسکی مخلوق اپنے آپ کو اُسکا غلام سمجھے اُسکی بزرگی اور عظمت کا اقرار کرے۔ اُس کی طاقت کو اپنی طاقت سے بالاتر اُسکی فکر کو اپنی فکر سے زیادہ زبردست۔ اُس کی مرضی کو اپنی مرضی سے زیادہ مضبوط اُس کے فخر کو اپنے فخر سے اعلیٰ تر جانے۔ با الفاظ دیگر یہ کہ سوائے اُس کے کوئی طاقت نہیں۔ سوائے اُس کے کوئی فکر کوئی مرضی کوئی فخر نہیں۔

گر وہ خود ناقابل پہونچ بلندیوں پر بیٹھا ہے۔ اپنے آپ میں خوش ہو رہا ہے۔ کوئی اُسکا بیٹا۔ رفیق۔ یا مشیر نہیں ہے۔ وہ آپ ہی آپ ہے اور کوئی بھی نہیں۔ خدا کے جو اوصاف اوپر بیان ہوئے ہیں۔ وہ بے معنی اور لغو سے معلوم ہوں گے۔ یہ اوصاف وہی ہیں۔ جو قرآن میں خدا کے دیئے ہیں جس شخص نے قرآن کو اُس کی اصلی زبان میں پڑھا ہے (کیونکہ اس غرض کے لئے صرف ترجمہ ہی کافی نہیں) وہ ان باتوں کے ماننے میں ذرا بھی تامل نہ کرے گا۔ مندرجہ بالا فقرات کا ہر جملہ قرآن کے مصنف کے خیالات کا آئینہ ہے۔ اور یہ کہ محمدؐ کا خیال ایسا ہی تھا اُس کی تصدیق ایک اور معصر کی قلم سے بھی ہوتی ہے۔ (اُس میں بعض باتیں بالکل ٹھیک اور بعض بالکل غلط ہیں۔ جہاں تو پالگریو صاحب نے اپنی طرف سے ایزاد کر کے لکھا ہے۔ وہ تو بالکل اسلامی اصولوں اور قرآن کی تعلیم کے برخلاف

ہے کوئی شک نہیں۔ مسلمانوں میں ایک فرقہ ہمہ اوست کا قائل ہے۔ مگر جس کے خیالات بھی ایسے نہیں۔ جو پالگریو نے قرآن کیطرف منسوب کئے ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ ایک بحث ہے اور اس کے جواب میں ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ ناظرین اس غرض کے لئے مولوی امیر علیصاحب کی سپرٹ آف اسلام کا مطالعہ کریں۔ اس کا ترجمہ بھی عنقریب دفتر وطن سے شائع ہوگا۔ مترجم)

قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ محمدؐ ایک حد تک خدا کے ذاتی اوصاف سے تو واقف تھا۔ مگر اُسکی کیفیت کے متعلق بالکل مغالطے میں تھا۔ اور واقعی تھا بھی ایسا ہی۔ کیونکہ محمدؐ کو گناہ اخلاقی برائی۔ بالقدس اور روحانی کمالیت کی بالکل ہی خبر نہ تھی۔ (او بیہودہ شخص خدا سے ڈر جس معصوم پیغمبر نے دنیا کو گناہوں کی نجاست سے بچایا۔ اور صراط مستقیم دکھایا۔ اُسکی شان میں تو ایسے گندے الفاظ مبرا کیے ہیں۔ اور وقش بکم ... [illegible] استعمال کرتا ہے۔ مہربانی کرکے خدا اخلاقی۔ فلاسفی۔ علم الٰہی وغیرہ کے متعلق جو تفصیل و بسط کیساتھ قرآن میں لکھا ہے۔ اُسکا ہزارواں حصہ بھی کسی اور کتاب میں دکھا دے۔ مترجم)

مسلمانوں کا ایک بڑا عالم اور بزرگ امام الغزالی خدا کی نسبت لکھتا ہے۔ وہ جسم نہیں ہے۔ کہ صورت رکھتا ہے۔ وہ مادہ بھی نہیں۔ کہ محدود ہو۔ وہ جسموں کی طرح بھی نہیں کہ تقسیم ہوسکے یا ناپا جاسکے۔ نہ وہ خود مادہ ہے اور نہ اُس میں مادہ پایا جاتا ہے۔ وہ خود حادثہ نہیں۔ کوئی حادثہ اُس میں نہیں پایا جاتا۔ نہ وہ کسی چیز کیطرح ہے۔ نہ کوئی چیز اوس کی طرح ہے۔ نہ اوسکی مقدار ہے۔ نہ حد۔ اور نہ احاطہ۔ اُس کی سمائی لامحدود ہے۔ اوس کی نزدیکی اجسام کی نزدیکی کی طرح نہیں ہے اُسکی کیفیت اجسام کی کیفیت کی طرح نہیں۔ وہ کسی چیز میں موجود نہیں۔ اور نہ ہی کوئی چیز اُس میں موجود ہے۔"

خدا مرضی کا مالک ہے۔ اور یکہ و تنہا ہے۔ ہر شخص اور ہر چیز کی بُرائی بھلائی کا دار و مدار اُسی پر ہے۔ اُس میں پدرانہ شفقت نام کو نہیں۔ چونکہ جہنم کو بھرنا ضرور ہے۔ اسلئے اللہ کافروں کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے متعلق قرآن کے بیانات لغو اور حدیثوں کے بے معنی سے ہیں۔ اسلام نے خدا کو مرضی کا پتلا۔ مطلق العنان۔ مشرق کا ظالم بادشاہ

کہا ہے۔ اخلاقی قانون کا کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ اور اُسکی طاقت انصاف سے
نہیں۔ مخلوق کی پرستش اسلام کے رو سے گناہ کبیرہ ہے۔ تاہم اللہ نے
کو اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ پیغمبر کے گناہوں کو بخشنے
کے وقت جیا۔ وہ پیار بن جاتا ہے۔ رسیاں اتنا ہی
ن صاحب اسلام کے اصولات اور تعلیم سے بالکل بے بہرہ
رن خود نہیں پڑھا۔ ادھر ادھر سے باتیں سن لی ہیں۔ یا جو کچھ دل
ہمارا ہے۔ خدا اسپر اور اس کے ہم مشربوں پر رحم کرے۔ مترجم)
۔ سچا خدا نہیں جس کو ہم خداوند یسوع مسیح کی وساطت سے پایا ہے
(کاش پادری صاحب خدا بائبل کے خدا کا خاکہ ہی کھینچ کر دکھاتے۔ مترجم) کوئی شخص سوائے
بیٹے کے اور اُس شخص کے جس پر بیٹا ظاہر کرے۔ باپ کو نہیں جانتا۔ جس نے اوتار کا
انکار کیا۔ وہ خدا کا اصلی کیرکٹر جاننے سے محروم رہ گیا۔ اسلام میں الوہیت بالکل
نہیں۔ اور اُس کا خدا محبت نہیں۔ (اس پادری نے جو فقرے دئے ہیں۔ اُن میں
اسلامی عقائد لکھے ہیں وبس)

اٹھارھواں باب

پیغمبر اور اُسکی کتاب

سنہ ۵۷۰ء میں عبداللہ بن عبدالمطلب مکے کا سوداگر تجارتی کاروبار پر مکہ
سے مدینہ کیطرف گیا۔ اور وہاں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اُسی سال اُسکی بیوی
(حضرت) آمنہ کے مشکوئے معلے میں ایک لڑکا بمقام مکہ پیدا ہوا۔ اس لڑکے کا نام
محمدؐ تھا۔ اس عرب لڑکے کی پیدائش کے ایک سو سال بعد اللہ کے نام کے ساتھ اسکا
نام مسقط سے لیکر مراکو تک دس ہزار مساجد میں پانچ دفعہ دن میں لیا جاتا ہے
نیا مذہب تین براعظموں پر طوفان کیطرح پھیل رہا تھا۔
اس تعجب خیز ترقی کی کیا وجہ ہے؟ اس کے متعلق مختلف وجوہ عرب کا پیغمبر

کی گئی ہیں۔ جن کا لب لباب یہ ہو:
مشرقی عیسائیوں کی کمزوری اور اون کے مذاہب کی خراب حالت۔ روسی اور ایرانی سلطنتوں کی ابتر حالت۔ نئے مذہب کا گرم جوش تلوار اور تعصب کی طاقت۔ محمدؐ کی دانائی۔ اُس کی آب و تاب، تعلیم کی جزوی صداقت۔ محمدؐ کے جانشینوں کا تدبیر و سلیقہ۔ لوٹ مار کی اُمید اور فتوحات کی خواہش۔ یہ ہی اسباب اسلام کی ابتدائی حیرت انگیز ترقی کے تھے۔
محمدؐ ایک ایسا پیغمبر تھا کہ جس کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا۔ مگر وہ عقل و شعور سے بہرہ مند تھا۔ ہم اُس کے متعلق جس بات کا چاہیں انکار کر سکتے ہیں۔ مگر اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ایک بڑا آدمی اور صاحب لیاقت تھا۔ مگر وہ قدرتی طور پر ہی ایسا نہ تھا۔ اس کی ترقی کا راز۔ اُس کی طاقت اور اسی طریقہ میں مضمر ہے جس سے وہ مذہبی لیڈر بن گیا۔ سب سے پہلے پولیٹیکل ڈنگل نے اُس کے لئے میدان صاف کیا۔ سال قبل میں یمن کے عیسائیوں کو جو کعبہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ شکست ہوئی۔ اس فتح سے نوجوان اور ذکی محمدؐ نے ملک کی آئندہ پولیٹیکل حالت کا اندازہ لگایا۔ اور کوئی شک نہیں۔ اُس نے تاڑ لیا کہ عرب میں کونسی جگہ رومیوں اور ایرانیوں کے برخلاف جد و جہد کرنے کا مرکز ہوگی۔ اس کے بعد مذہبی حالت نے اُسکی تائید کی۔ مذہبی لیڈری کے لئے مناسب وقت آچکا تھا۔ اور مکہ پہلے ہی نئی تحریک کا مرکز بن چکا تھا جنہوں نے بت پرستی کی وبائی رسم ترک کر دی تھی۔ اور اُن کو یہ اُمید تھی کہ ہمارے درمیان ایک پیغمبر پیدا ہوگا۔ نئے مذہب کی عمارت کے لئے ہر طرح کا مصالح موجود تھا صرف ایک دور اندیش معمار کی ضرورت تھی۔ (پادری صاحب۔ خود ہی غلطی کر گئے۔ جو واقعات آپ ہی نے درج کئے ہیں۔ کیا اون کے ہوتے واقعی ایک پیغمبر کی ضرورت تھی یا نہیں۔ اور کیا ان واقعات کے ہوتے ہوئے آپ محمدؐ کی نبوت یا امامت پر کوئی شک کر سکتے ہیں۔ مترجم)
خاندانی حالات بھی ایسے تھے۔ کہ اوسکی کامیابی کا راستہ بنا رہے تھے۔ بالفاظ دیگر محمدؐ کو خاندانی رسوخ حاصل تھا۔ وہ صرف ایک اونٹ ہانکنے والا نہ تھا۔ جیسے ساربان۔ گڈریہ۔ غریب۔ مفلس لکھ چکے ہیں۔ دروغ گو را حافظہ نباشد

کی نقل واقعی ٹھیک ہے۔ مترجم)
قریش کا قبیلہ مکہ کا حکمران قبیلہ تھا۔ مگر اس وقت بھی سارے عرب کا مرکز تھا
اور محمد کا دادا عبدالمطلب ایک ذی اختیار اور بارسوخ شخص تھا۔ یتیم محمد
عبدالمطلب کا بالک تھا۔ آٹھ سال کی عمر تک وہ اسی بارسوخ اور ذی اختیار شخص
کی ظل عاطفت میں پرورش پاتا رہا۔ یہاں اس نے حکومت کرنے کے ڈھنگ سیکھے
اور ان کو کبھی فراموش نہ کیا۔ اس شخص۔ اس کی سوجھ اور اس کی تعلیم کا محمد
کے کیریکٹر پر اچھا گہرا اثر پڑا۔ اس شخص کا اپنا دل و دماغ حکومت کے قابل تھا۔
دلنشین اطوار۔ خوبصورت چہرہ۔ اور کاروبار میں کامل واقفیت نے ایک مالدار بیوہ
خدیجہ کو اسیر مائل کر دیا۔ گبن اقرار کرتا ہے۔ وہ ایک دانا اور تجربہ کار عرب خاتون
تھی۔ اس نے اپنے خاوند پر اچھا اقتدار رکھا۔ اور دانائی اور سلیقہ سے اس کے ساتھ
نبھائی۔ اس کی دانائی و نفرمانگی کا بڑا ثبوت یہی ہے کہ جب تک وہ قید حیات میں
رہی اس کے خاوند نے دوسری شادی نہ کی۔ مگر اس کی وفات پر جب عالم شباب
گزر چکا تھا۔ اس نے بیوہوں کی ایک جماعت بھرتی کر لی۔ چونکہ خدیجہ خود چشمید بیور(ر)
تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے خاوند کو وحدانیت کی تعلیم اپنے رنگ پر دینے کے
لئے اکسایا ہو۔ محمد نے اس عورت سے پچیس برس کی عمر میں شادی کی تھی۔ ۴۰
سال کی عمر میں اس کو وحی آسمانی شروع ہوئی۔ اور اس نے نئے مذہب کی منادی
شروع کی۔ سب سے پہلا جو شخص اس پر ایمان لایا اس کی بیوی تھی۔ اور یہ تو
بھی ایسا ہی چاہئے تھا۔ اور پھر اس کے دو بیٹے علی اور زید۔ اس کے بعد اس کا دوست اور
متمول سوداگر ابوبکر ایمان لایا۔ نئے مذہب کی بنیاد اسطرح شروع ہوئی۔
مشہور ہے کہ محمد درمیانی قد سے ذرا بلند۔ چہرہ گول۔ بارعب تھا۔ سر اُسکا
بڑا اور بہت خوشنما۔ کہ اس سے نرمی اور دانائی ٹپکتی تھی۔ اور بال سیاہ سے
اس کی آنکھیں سیاہ و بڑی تھیں۔ لمبی گھنی داڑھی تھی۔ ہر قدم پر شگفتگی ٹپکتی
تھی۔ اور وہ جلد جلد چلا کرتا تھا۔ تمام مورخ اسبات پر متفق ہیں کہ ہمسروں
اور چھوٹوں سے تابعداری اطاعت کرانے کا وہ خاص ڈھنگ جانتا تھا۔
زیادہ ہی صاحب کی چھاتی پر تو سانپ لوٹ جاتے ہوں گے۔ کہ عرب کا پیغمبر

اپنی ہی زندگی میں ایسا کامیاب ہوگیا۔ اور عیسائیوں کا خداوند مسیح کا مارا ادہر
اودہر بھٹکتا رہا۔ اور آخر مصلوب ہو کر جان بحق ہوا۔ (مترجم)
جیمز فریمین کلارک کہتا ہے۔ کہ مندرجہ ذیل شعر محمد پر بھی صادق آتے ہیں
(ترجمہ انگریزی نظم) دماغ شاہوں کا تھا۔ اور حکومت کرنے کا خاص ڈہنگ رکھتا
تھا۔ بید الفش اوس کی نیک گھڑی کی تھی۔ اور نپولین کو مات کرتا تھا۔ ہزاروں دلوں
کو مٹھی میں لیتا اُس کا ادنے کرتب تھا۔ لاکھوں دلوں کو یکجا کرنا اوس کے بائیں ہاتھ
کا کھیل تھا۔"
محمد کے چال چلن کے متعلق رائے میں بڑا اختلاف ہے۔ مگر چند عالموں نے
جو رائے قائم کی ہے۔ اوس کو بآسانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔
میور۔ ڈوڈ۔ لینڈ جر اور دوسروں کا خیال ہے۔ کہ وہ صاف دل اور سچا
تھا۔ ان پر الہاموں پر اوسکو خود یقین تھا۔ مگر بعد ازاں کامیابی سے سرشار
ہو کر اوس نے پیغمبری کو ذاتی مفاد و اغراض حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔ وہ
اس بات سے باخبر تھا کہ اپنے الہاموں سے لوگوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔
باسورتھ اور اس کے ہم خیال اسبات پر زور دیتے ہیں کہ وہ درحقیقت رسول
اللہ تھا۔ اُس کی زندگی بالکل بے عیب اور پاک تھی۔ البتہ آخری عمر میں اُس سے
چند غلط کاریاں سرزد ہوئیں جنہوں نے اُسکی عظمت کے آفتاب پر گہن لگا دیا۔
قدیم مورخ جن سے میں بھی متفق ہوں۔ کہتے ہیں۔ کہ محمد شروع سے لیکر
آخر تک دغابازانہ اور فریبی رہا ہے۔ (العوذ باللہ) یہ شخص واقعات کے سمجھنے بوجھنے
ایسی دریدہ دہنی کرنے کی جرات کرتا ہے۔)
سکول جس کی کتاب میرے نزدیک ایک عالمانہ کتاب ہے۔ اور جس کو میں
بالکل صحیح مانتا ہوں اور اُس کا تجربہ۔ جو اُسے اسلامی ممالک میں بہت سی سال
سفری رہنے سے حاصل ہوا ہے کہتا ہے۔ وہ کہیں محمد کی پہلی یا آخری عمر
میں کوئی اختلاف نہیں پاتا۔ وہ جو اختلاف نظر آتا ہے۔ محض خدیجہ کی بدولت
ہے۔ وہ ہمیشہ وہی تھا۔ اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے مختلف ڈہنگ
اختیار کرتا رہا تھا۔

محمدؐ کی صاف دلی کو اگر ایک طرف رکہدیا جائے۔ تو کوئی شخص بہی اُس کے چال چلن کا اُس کے زمانہ کے قانون کے مطابق یا اوس کے قانون کے مطابق جو اُس نے خود بنایا۔ یا انجیل کے قانون کے مطابق ڈیفنس نہیں کر سکتا۔

خداوند یسوع مسیح کے قانون کے مطابق جو محمدؐ سے پہلے آخری پیغمبر ہے اور جس کو محمدؐ روح اللہ تسلیم کرتا ہے۔ محمدؐ پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ اُس کی زندگی کے حالات ثابت کرتے ہیں۔ کہ اُس نے کئی دفعہ انجیل کے احکام کو بالائے طاق رکہا۔ اور خود قرآن اسبات کو تسلیم کرتا ہے۔ کہ یسوع مسیح کی روح محمدؐ میں حلول کر گئی۔ وہ عرب جن کے درمیان محمدؐ پیدا ہوا۔ اور نشو و نما پائی۔ اگرچہ بت پرست۔ نجاران۔ غلامان اور کثیر الازدواج تھے۔ تاہم اون کے بہی قوانین اور ضابطے تہے۔ صحرا کے وہ لٹیرے بہی جو محمدؐ کی طرح راستوں میں لوٹتے تھے۔ وہ بہی قانون رکھتے تھے۔ اس قانون کے تین خلاف ورزیاں محمدؐ کے دامن پر سیاہ دہبے ہیں۔ ایک ایسی بیرشتہ عورت سے شادی کرنا۔ جس کے لواحقین جنگ میں ہلاک ہوگئے ہوں۔ بروئے قانون جائز تہا۔ مگر شرط یہی تہی کہ شادی لواحقین کی وفات کے تین ماہ بعد ہو۔ محمدؐ نے ایک یہودن سے بعد تین دن ہی انتظاری کرکے شادی کرلی۔ یہود اگر دل کو لوٹ لینا روا تہا۔ مگر مکہ کے حاجیوں کو لوٹنا روا نہ تہا۔ محمدؐ نے اس قانون کو بہی توڑا۔ اور اپنی تائید میں ایک الہام پیش کر دیا۔

جہالت کے زمانہ میں بہی متبنّٰی کی بیوی کو اپنے نکاح میں لانا جائز نہ تہا۔ محمدؐ اپنے متبنّٰی زید کی بیوی کی [illegible] پر عاشق ہوگیا۔ زید سے اوس کو طلاق دلوا دیا۔ اور خود اوس سے شادی کرلی۔ اور اس کے متعلق بہی اُس نے ایک الہام پیش کیا۔

محمدؐ نے نہ صرف عرب کے اور انجیل کے ہی قوانین کے خلاف ورزی کی بلکہ خود اپنے بنائے ہوئے قوانین کی بہی پروا نہ کی۔ جب خدیجہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئی۔ شہوت اُس کے سر پر سوار ہوگئی۔ اور بے قابو ہوگیا۔ پیروؤں کو تو چار بیویوں سے زیادہ کرنے کا حکم نہ تہا۔ مگر خود نو بیویاں اور کئی عورتوں سے اس متعلق سلسلہ جنبانی کی۔ زیادہ تر صاحب نے آں جناب سے زنا کا ثبات پہنچی

اعتراضات کئے ہیں۔ جو صدیوں سے عیسائی کرتے ہیں۔ اور جن کے دندان شکن جواب دیئے جا چکے ہیں۔ ہم یہاں نہایت اختصار سے عقلی جواب دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ انجیل اور عرب کے قوانین پر بھی اگر آں جناب کو چلنا تھا تو پادری صاحب یہ بتائیں۔ نئے مذہب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جن باتوں کی آنجناب اصلاح کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اگر وہی باتیں خود کرتے۔ تو اصلاح کیسے ہوتی۔ یہ ایک ایسی موٹی بات ہے کہ دس سال کا بچہ بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ دوسرے۔ کہ قرآن میں چار بیویوں تک کی اجازت ہے۔ مگر آپ کی نو بیویاں تھیں۔ اول تو چار بیویوں کی قید اس وقت لگی۔ جب آنحضرت تمام شادیاں کر چکے تھے اور جب آں جناب کی نو بیویاں تھیں۔ دوسرے لوگوں کے پاس بیویوں کی ایک فوج تھی۔ ان کے مقابلہ میں اگر کہا جائے۔ کہ رسول اللہ مجرد تھے۔ تو بجا ہے۔ اس حکم کے نازل ہونے پر جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اُن کو طلاق دینی پڑی تھی۔ مگر رسول اللہ ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایک پہلے حکم کے بموجب رسول اللہ کی بیویاں مومنوں کی مائیں تھیں۔ اور کوئی امتی ان کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا تھا اور یہ حکم جس دور اندیشی پر مبنی ہے۔ وہ ہر شخص جانتا ہے۔ اس بات کو چھوڑ کر بھی خیال کرو۔ کہ ایک شخص جب اُس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے جس کا وہ محافظ ہے تو ضروری ہے اس خلاف ورزی کو اس کے پاس زبردست اور معقول وجوہات ہوں ورنہ وہ کبھی بھی ایسا نہ کرتا اور دوسرے بھی اُس قانون کی پیروی نہ کریں گے اور جب کوئی جبر ہی نہ ہو تو وہ اس محافظ کی بھی پرواہ نہ کریں گے۔ مگر رسول اللہ کے نو بیویاں رکھنے پر ایک شخص نے بھی اعتراض نہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے رسول اللہ بالکل حق بجانب ہیں۔ مترجم)

جب تک ہم کو حقیقت ان تعلقات کا علم نہ ہو جو اس کے ساتھ تھے۔ اس وقت تک اس قسم کے کیرکٹر کا ٹھیک اندازہ لگانا بالکل ناممکن ہے۔ ایک عالم نے ایک مشنری میگزین میں ابھی ابھی لکھا یا تھا کہ ہم کو اس معاملہ سے درگذر ہی چاہیئے۔ اور صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ کہ اس کا کیرکٹر بس خراب تھا۔ اور یہ خرابی اس کے تمام پیروؤں میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ خرابی ایسی ہے جو آن تمام شخصوں کی نظر

ہیں سخت مکروہ ہیں جن پر عیسائیت نے ذرا بھی اثر کیا ہے" ہم اوس پردہ کو اُٹھانا نہیں
چاہتے۔ جو انگریزی کتابوں میں پیغمبر عرب کی خانگی زندگی پر ڈالا گیا ہے۔ اور یہ حصہ اس
کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ہے۔ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کو سخت رنج دیتا ہے (بتلاؤ
ایسی بکواس کا کوئی کیا جواب دے۔ اس میں سوائے گالیوں کے اور ہے ہی کیا
کوئی اعتراض ہو تو جواب بھی دیا جائے۔ کتا بھونکے تو آدمی اُس کے جواب میں بھونک
نہیں سکتا۔ لہٰذا ہم اس شخص کی بداخلاقی اور بدتہذیبی جو اسکو عیسائیت کی بدولت
حاصل ہوئی ہے۔ افسوس کرتے ہوئے درگذر کرتے ہیں۔ مترجم)

۶۲۲ء میں مکہ سے فرار ہونے یا ہجرت کرنے کے بعد کے حالات درج کر دینے
سے معلوم ہو جائیگا کہ محمد کس تھیلی کا چٹہ تھا۔ اس کے حکم سے مسلمانوں نے راستہ
میں بیٹھکر قافلوں کو لوٹا۔ اسلام کی پہلی فتوحات بھی رہزنیاں اور ڈاکے تھے۔
(یہ بات سلف ڈیفنس کے اصول پر کی گئی تھی۔ اور بالکل بجا تھی۔ پادری صاحب
کو واضح رہنا چاہئے۔ آں جناب سرور کائنات ہم کو دین اور دنیا سکھلانے کے
لئے آئے تھے۔ صرف خداوند یسوع مسیح کیطرح عورتوں کے سے بین کرنے اور
خشک درختوں کو بد دعا دینے یا انجیریں چرانے نہیں آئے تھے۔ مکہ والے بار بار
مدینہ کے مضافات میں آکر مسلمانوں پر حملے کرتے تھے۔ اُن کو پکڑ کر لیجاتے۔ اور بہت
اذیت سے مارتے تھے۔ ان کو کئی دفعہ سمجھایا گیا۔ مگر وہ باز نہ آئے۔ آخر اس کے
سوائے چارہ کار ہی کیا تھا۔ کہ اپنی طاقت کے مطابق اُن کی دست درازیوں کو
روکنے کا انتظام کیا جائے۔ مترجم)

اسماء شاعرہ جس نے محمد کی ہجو کی تھی۔ عمر نے سوتے میں اسکو قتل کر
ڈالا۔ اور محمد نے اوس کی داد دی (بالکل غلط بکواس ہے) اسی طرح محمد کے اشارہ
پر ابو عافق یہودی قتل کیا گیا۔ (اجی حضرت سوتے فتنہ کو ہی دبانا اچھا ہوتا ہے)
یہودی قبیلوں کو تلوار کی گھاٹ اُتارنے سے محمد کے کیرکٹر پر ایک بدنما دھبہ لگ
گیا۔ (مہربانی کر کے اُن یہودیوں کی کرتوت کا خیال کیجئے۔ کہ دوستی کے عہد و
پیمان۔ مگر نازک وقت پر دشمنوں سے مل گئے تھے حملہ آور ہوئے۔ پہلے بھی کئی دفعہ
ایسی شرارتیں کر چکے تھے۔ کئی دفعہ سمجھایا گیا۔ مگر لاتوں کے بھوت تھے باتوں

سے کب مانتے تھے۔ اونہوں نے جیسا کیا پالیا۔ علاوہ ازیں اُس زمانہ کی جنگوں میں ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ مترجم)

فتح کے بعد منڈی کے پرے کھائیاں کھودی گئیں۔ اور ایک ایک کر کے یہودی قتل کیا گیا۔ سارا دن قتل کا بازار گرم رہا۔ اور اس خوفناک ارادہ کو درجہ تکمیل پہنچانے کے لئے شام کو مشعلوں کی ضرورت پڑی۔ رات کے وقت محمدؐ نے ایک یہودن لڑکی ریحانہ کو شادی کا پیغام دیا۔ اور اسلام کی دعوت کی اُس نے ہر دو باتوں سے انکار کر دیا۔ مگر اوسکی لونڈی بننا منظور کر لیا (شادی کے پیغام یا دعوت اسلام میں بھلا کونسی بُری بات ہے۔ اور اصل واقعہ یوں ہے کہ وہ لڑکی کہتی تھی۔ میں اس قابل ہی نہیں۔ کہ رسول کی بیوی بن سکوں۔ مترجم)

ہجرت کے ساتویں سال محمدؐ نے حج کیا۔ اگلے سال ۱۰۰۰۰ ہزار آدمی لیکر مکہ پر حملہ آور ہوا۔ اور بغیر لڑائی کے شہر پر قبضہ کیا گیا۔ اور یہیں روانہ کی گئیں۔ اور وفات کے دن تک محمدؐ بزور شمشیر فتوحات حاصل کرنے کی تجاویز سوچتا رہا۔ (سلف ڈیفنس یعنی حملوں کا روکنا کونسا گناہ ہے۔ اور ویسے اسلام کسی پر پہلے حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس چھوٹے سے فقرہ سے پادری کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ پادری صاحب یہ تو بتائیے۔ کہ ایک شخص کروڑوں کو تلوار کے زور سے کس طرح اپنے ساتھ ملا سکتا ہے۔ اور اگر بقول آپ کے محمدؐ کی تلوار میں اتنا ہی زور تھا کہ اوس کے سامنے کروڑوں سر جھک جاتے تھے۔ تو بس باتیں چھوڑئیے۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جئیے۔ اس سے بڑھکر ایک نبی کا اور کیا معجزہ ہوگا۔ مترجم)

جو شخص میور کی کتاب میں ابتدائی اسلام اور ابتدائی عیسائیت کے حالات پڑھے گا۔ وہ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق دیکھے گا۔ (زمین و آسمان کا فرق تو ہے۔ کہ اسلام آناً فاناً پھیلنے لگا۔ اور تائید الہی اس کے شامل حال ہوئی اور عیسائیت۔ ہاں یہ تو بتائیے۔ عیسائیت تھی کہاں۔ خداوند یسوع مسیح تو پہاڑوں اور غاروں میں چھپتے پھرتے تھے۔ لوگ اُن کو ڈھونڈتے تھے۔ وہ ان سے آگے جان بچانے کے لئے بھاگتے تھے۔ مترجم) تلوار کی فتوحات کا بیج محمدؐ کی

زندگی اور اس کی کتاب میں ملتا ہے۔ (جی ہاں عیسائیوں کے دلوں میں نہیں ملتا۔ کہ آجتک دُنیا میں تلوار سے آگ لگا رکھی ہے۔ مترجم) اللہ کے نام پر اسلام ہی نے قربانی کرنی سکھائی ہے۔ محمدؐ کے جانشین محمدؐ سے کم درجہ کے ظالم نہ تھے۔ (کیونکہ وہ اپنے خدا اور رسول کے احکام پر چلتے رہے اور اشاعت دین کی کرتے رہے۔ رحمدل توتب ہوتے کہ مسیح کے حواریوں کیطرح پیغمبر کو دشمنوں کے پھندے میں چھوڑ کر ایکطرف ہو جاتے۔ اور نبی کے وصال کے بعد مذہب کو خیرباد کہہ کر پھر اسی حالت میں مبتلا ہو جاتے۔ مترجم)

یہاں تک تو ہم نے محمدؐ کی زندگی کے واقعات پر بحث کی ہے (اچھا۔ یہ واقعات تھے۔ خدا جانے فضولیات و ہزلیات ہوتے تو کیا ہوتے مترجم۔) مگر تاریخ کا تختہ الٹا اور آج کل کے مسلمان موّرخوں کا محمدؐ دو چار اشخاص میں (استاد آئے ہاتھ اپنی کرتوتوں کو دوسروں کے سر تھوپ دیا۔ واللہ کمال کر دیا۔ کہ بنی اسرائیل کی بھیڑیں چرانے والے کو پہلے ریفارمر بنایا۔ پھر پیغمبر مانا۔ پھر خدا کا بیٹا۔ پھر روح القدس۔ اور آج کل خدا کی تیسری ٹانگ بنا رکھا ہے۔ مگر ہمارا محمدؐ تو آجتک وہی محمدؐ ہے۔ ہم آنجناب کو پہلے دن سے عبدہٗ و رسولہٗ مانتے ہیں و لیس۔ مترجم)

قرآن میں بھی محمدؐ کو انسان مرکب الخطا لکھا ہے (جی ہاں۔ خدا تو نہیں لکھا۔ مگر تسلی رکھیئے اس انسان مرکب الخطا میں وہ اوصاف تھے جو آپ کے خدا و ند میں سواں حصہ بھی نہ پائے جاتے تھے۔ مترجم)

مگر اب وہ بات بدل گئی ہے۔ اب وہی محمدؐ معصوم اور پاک ہے (اسلامی فلاسفی کے مطابق نہ صرف آنجناب ہی بلکہ ہر پیغمبر معصوم اور پاک ہے۔ اور یہ جو معصوم اور پاک ہے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ ان میں کوئی خطا پائی ہی نہیں جاتی تھی نہیں۔ بلکہ عام انسانوں کے مقابلہ میں ان کو ایسا کہا جاتا ہے۔ اور پیغمبروں کے درجے میں ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص کو عام طور پر درجوں کا اندازہ کرنا ہو۔ تو مختلف پیغمبروں کے حالات زندگی پڑھ کر کر سکتا ہے۔ مترجم)

پیچھے مسلمانوں نے اس کے دوسرا ایک نام رکھے ہیں۔ اسکو نور اللہ۔ کشف اللہ

تشفیع آلورا اور کئی ایسے ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ وہ سب پہلے پیغمبروں کی تعلیم پر مہر لگانے والا سمجھا جاتا ہے۔ (اجی تم خود سمجھتے ہو۔ اپنے پہلے ہی باب میں کیا کہہ آئے ہو) محمدؐ کا رتبہ اُن سب سے بڑا ہے۔ کوئی مسلمان اُس سے دعا نہیں مانگتا مگر ہر نماز میں اُس کے لئے دعا مانگتا ہے۔

اس کی نبوت ثابت کرنے کے لئے کئی معجزات اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ اُس کی برائیاں بھی بزرگی کا نشان سمجھی جاتی ہیں۔ (اجی کوئی برائی نکال کر پیش بھی تو کرو۔ مترجم) مسلمانوں کے نزدیک محمدؐ صاحب خدا کا سب سے زیادہ برگزیدہ اور محبوب بندہ ہے۔ (اس میں کیا شک ہے۔ سرکاری طور پر بادشاہ کے دل میں جو وقعت وزیر اعظم کی ہے۔ وہ پادری زویمر کی نہیں۔ مترجم) وہ عرش معلیٰ پر رہتا ہے۔ اور مسیح سے چند درجے اوپر ہے۔ (مگر آپ بتائیے مسیح اس وقت کہاں رہتے ہیں۔ ارے جلیت ایسا اعتراض تو نہ کر جو اعتراض تیرے مذہب کو بیخ و بن سے ہی اکھاڑتا ہے۔ ایک دفعہ ایک عیسائی قیصر نے سلطان عبدالحمید خان خلد اللہ ملکہ سے بطور تمسخر دریافت کیا کہ آپ کے نبی معراج میں کس سواری پر گئے تھے۔ حضرت سلطان نے فوراً جواب دیا کہ اسی سواری پر جس پر مسیح آسمان پر گئے تھے۔ یہ سنکر عیسائی قیصر اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ مترجم) محمدؐ کا نام بعض القابی کلمات کے بغیر لیا ہی نہیں جا سکتا (آپ حضرت کنگ ایڈورڈ کا نام بغیر تعریف کے نہیں لیتے۔ تو بھلا مسلمان اُس جلیل القدر نبی کا نام کس طرح بغیر ادب لیں۔ جس نے دُنیا کو راہ ضلالت سے نکالا۔ اور جسکا نور دُنیا کو منور کئے ہوئے ہے۔ مترجم)

جب کوئی مشکل پڑے تو یا محمدؐ کہکر پکارتے ہیں۔ ایک سیاح یہ نام ہر گلی کوچہ بازار مسجد وغیرہ میں سن سکتا ہے۔ جب ملاح لنگر اُٹھاتا ہے۔ حمال بوجھ اُٹھاتا ہے۔ گدا بھیک مانگتا ہے۔ بدو قافلہ پر حملہ کرتا ہے۔ تو یا محمدؐ کا نعرہ مارتا ہے۔

غرضیکہ جو کام کیا جاتا ہے۔ پہلے محمدؐ کا نعرہ مارا جاتا ہے۔ ایک مسلمان صرف و نحو کا عالم تمکو بتلائے گا۔ کہ محمدؐ کے چار حروف میں کیا کیا علمی راز ہیں محمدؐ کے ہاتھ میں جنت اور جہنم کی کنجیاں ہیں۔ کسی مسلمان کے اعمال ضائع نہیں

جائیں گے۔ کوئی کافر خواہ کیسا ہی نیک چلن رہا۔ محمدؐ کی شفاعت بغیر نہیں بخشا جائے گا۔ (یہ عیسائی پادری کہا کرتے ہیں کہ جو خداوند یسوع مسیح پر ایمان نہیں لائے گا۔ وہ کبھی بھی نہیں بخشا جائیگا۔ چنانچہ پہلے باب کے آخر میں بھی آپنے ایک فقرہ لکھا ہے۔ کہ بیٹے کے سوا کوئی خدا کو پا سکتا ہی نہیں۔ بیٹا ہی کسی کو خدا دکھائے تو دیکھے ورنہ کیا مجال۔ جو ادہر جھانک بھی جائے۔ مگر اسلام اتنا تنگ خیال اور کینہ نہیں۔ خدا قرآن میں لکھتا ہے۔ "یہود اور نصارے کہتے ہیں کہ یہود اور نصارے کے سوا (یعنی یہود کہتے ہیں کہ یہود کے سوا۔ اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصارے کے سوا) جنت میں کوئی نہیں جانے پائیگا۔ اے پیغمبر ان کہو کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ بلکہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جس نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور وہ نیکوکار بھی ہے۔ تو اس کے لئے اُس کا اجر پروردگار کے ہاں موجود ہے۔ اور ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا غم طاری ہوگا۔ اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہوں گے۔ (الم۔ ۱۔ بقرہ ۲۔ (۱۱۲)) مترجم)

ان مسلمانوں سے سوال کرو کہ ذرا اپنے ان دعاوی کو قرآن و حدیثوں سے ثابت تو کریں۔ (جوبات وہ نہیں کہتے۔ اُن کو وہ خواہ مخواہ ثابت کرتے پھریں۔ وہ کہتے ہیں۔ خدا ایک ہے۔ محمدؐ اسکا بندہ اور رسول ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی صحیفہ فطرت اور انسانی ضروریات کے مطابق ہے۔ محمدؐ کی زندگی اعلےٰ ترین زندگی کا مجسم نمونہ ہے۔ محمدؐ پیروی کرنے سے جنت کے دروازے کھلے ہیں۔ اوران باتوں کو مسلمان ثابت کر چکے اور اگر کسی کو ان ثبوتوں پر کوئی اعتراض ہو تو وہ مزید کامل اور اکمل طور پر ثبوت دینے کو تیار ہیں۔ پادری صاحب مہربانی کر کے مولوی رحمت اللہ صاحب اور پادری فنڈر کا مباحثہ۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ اور عبداللہ آتھم کا مباحثہ۔ خطبات احمدیہ۔ سپرٹ آف اسلام۔ اور سب سے بڑھ کر خود قرآن کا مطالعہ کیجئے۔ تاکہ آپ پر حق ظاہر ہو۔ مترجم)

اسلام شفاعت اور خدا کے اوتار کا منکر ہے۔ مگر محمدؐ کو خدا کے اوتار کفارہ اور روح القدس ہونے کے بغیر شفیع مانتا ہے۔ (واہ پادری صاحب

ایک ہی کہی۔ یہ تو بتائیے۔ آپ کا باپ رابرٹ کو قتل کر دے۔ تو آپ کے باپ کو پھانسی دی گئی۔ یا آپ کو۔ ہمارے نزدیک تو رسول صلعم کی شفاعت ہو چکی (شفاعت) جو شخص آں جناب کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ جنت میں جائیگا جو آں جناب کی تعلیم کے برخلاف چلے گا جہنم میں ڈالا جائیگا۔ مترجم (در جنت وا ہے آئے جس کا جی چاہے۔ ورنہ دوزخ کو اپنا گھر بنائے جس کا جی چاہے۔ مترجم)

لا الٰہ الا اللہ۔ اسلام کی اصل اور محمد صلعم رسول اللہ اس اصل کی تکمیل ہے۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور محمد کی زندگی کی مکمل مثال ہے۔ مگر پھر اپنے چشمے سے زیادہ نہیں چڑھی۔

اسلام کی کتاب۔ (یعنی قرآن) شکاگو کی مذہبی کانفرنس میں جب امریکہ کے اسلامی پہلوان محمد ویب نے قرآن اور اس کی تعلیم کی تائید میں لیکچر دیا۔ تو بیریت کے پادری ایوریننڈ جارج۔ ای۔ پوسٹ۔ ایم۔ ڈی نے جواب میں کہا۔ کہ قرآن کے متعلق تو اتنا ہی کافی ہے۔ کہ دیکھیں۔ یہ اپنے متعلق خود کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا میرے ہاتھ میں وہ کتاب ہے جس کو ۲۰۰۰۰۰۰۰ بندگان خدا ہاتھ دھوئے بغیر چھوتے نہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسکو وہ کمر سے نیچے لٹکاتے نہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کو وہ فرش پر رکھتے نہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا ہر ایک نقطہ ان ۲۰۰۰۰۰۰۰ لوگوں کے نزدیک بذریعہ وحی اُترا ہے۔ میں اپنی طرف سے بغیر کوئی حاشیہ چڑھائے بغیر اس مقدس کتاب کے چند الفاظ پڑھکر سناتا ہوں۔ بعد میں آپ خود اس پر کوئی رائے قائم کر لینا۔ پھر چند آئتیں سنا کر جس سے ثابت ہوتا تھا کہ محمد کا مذہب تلوار اور زیادہ عورتوں کا مذہب ہے۔ اس نے کہا میری بہنوں ماؤں۔ بیٹیوں اس کتاب میں ایک باب البیات ہے۔ جس کو میں تمہارے سامنے پڑھنے کی جرات ہی نہیں کر سکتا۔ میرا مذہب بھی نہیں دیتا کہ اس کو پڑھوں اگر یہ مجمع صرف مردوں کا ہوتا۔ تو بھی اس کو نہ پڑھ سکتا۔ یہ باب قرآن کا چوتھوں باب ہے۔ (غالباً اس پادری کا مطلب اُس باب سے ہے جس میں طلاق کے متعلق لکھا ہے۔ سو اتنا ہی کہدینا کافی ہے۔ کہ خود عیسائیوں نے صدیوں کی ٹھوکریں کھانے کے بعد طلاق دینے کے اصول ٹھیک مان لیا ہے۔ مترجم)

محمدؐ کی یہ الہامی کتاب کیسی ہے۔ کہ اُس کے چند ٹکڑے عیسائی ناظرین کے
سُنانے کے بھی قابل نہیں۔ اور جس کو اگر کوئی غیر مسلم چھوئے تو ناپاک ہو جاتی
ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کو حنفی مسلمان ازلی اور ابدی سمجھتے ہیں۔ اور جس کو
اخلاق۔ تمدن۔ اور روحانیت کا کامل و اکمل مجموعہ جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں
کہ اسلام کا جیتا جاگتا معجزہ قرآن ہے۔ یہ وہ کتاب ہے۔ جس کے متعلق خود محمدؐ
نے کہا تھا۔ "کہ اگر قرآن کو چمڑے میں لپیٹ کر آگ میں پھینک دیں تو اوس کو
آنچ تک نہ پہونچے گی"
گوئٹے۔ اس کتاب پر لکھتا ہے۔ جتنی دفعہ ہم اس کو پڑھتے ہیں۔ اُتنی ہی
دفعہ یہ ہمارے دل کو کھینچتی ہے۔ اور اپنا ادب اور تعظیم کراتی ہے۔ اُس کی
تحریر اوس کے مضامین کیطرح زبردست اور عالیشان ہے۔ اور اُس سے
صداقت کی عظمت ٹپکتی ہے۔ یہ کتاب ہر زمان اور ہر مکان میں اپنا اثر ڈالتی رہیگی۔
اور نولڈیک لکھتا ہے "اگر قرآن کی عربی زبان با اثر اور زبردست نہ ہوتی۔
(حالانکہ اوسکی وجہ یہی ہے۔ کہ جس زمانہ میں یہ تصنیف کیا گیا ہے۔ زبان کا بڑا
چرچا تھا۔ اس کے تحریر کی خوبی اس کے مصنف کے زور قلم کا نتیجہ نہیں) تو دوسری
دفعہ قرآن کے اخیری حصوں کا پڑھنا ناممکن ہو جاتا۔" گوئٹے نے صرف
قرآن کا ترجمہ پڑھا ہے۔ اور نولڈیک نے اصلی عربی میں مطالعہ کیا ہے۔ قرآن
کے متعلق بھی کوئی قطعی رائے قایم کرنا ایسا ہی مشکل ہے۔ جیسا کہ محمدؐ کے متعلق کوئی
رائے قایم کرنا۔ قرآن کی بابت بھی رائے میں بڑا اختلاف ہے۔
لوگوں میں اس الہامی کتاب کے پچیس نام مشہور ہیں۔ مگر عام طور پر اُسکو قرآن
ہی کہتے ہیں۔ اس میں ایک سو چودہ باب ہیں۔ بعض اُن میں سے اتنے لمبے ہیں
جتنی پیدائش کی کتاب ہے۔ اور بعض اتنے مختصر ہیں کہ ایک عود فقرہ ہی میں ختم
ہو جاتے ہیں۔ ساری کتاب انجیل سے کم ہے۔ اُس کی ترتیب باقاعدہ نہیں
پہلی بات جو ناظر کو حیرانی میں ڈالتی ہے۔ اوسکی غلط ملط طرز ہے۔ ایک ہی جگہ
پر واقعہ درج ہے۔ وہیں کوئی بلند پروازی کی جھلک آگئی ہے۔ وہیں کوئی
حکم ہے۔ اور ساتھ ہی کوئی قصہ درج ہے۔ جلال الدین سیوطی۔ رقد ول اوس

نزول ایک نے جو ترتیب کی ہے۔ وہ آپس میں نہیں ملتی۔ قرآن میں محمدؐ کے صرف
دو ہمعصروں کا ذکر ہے۔ اور اسکا اپنا نام صرف پانچ جگہ آیا ہے۔
عام مسلمان بغیر تفسیر کے کتاب کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اور میں دعویٰ کرتا ہوں
کہ کوئی شخص نوٹوں کی مدد بغیر ایک باب بلکہ ایک آیت بھی نہیں سمجھ سکتا۔
ہم اس داستان پر جو مسلمان قرآن کے نزول کے متعلق سناتے ہیں۔ کوئی
جرح و قدح نہیں کریں گے۔ اگرچہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے۔ کہ کتاب ازل سے
مکمل اور عرش پر محفوظ ہے۔ مگر وہ اس کتاب کے ماننے پر مجبور ہیں۔ کہ یہ کتاب محمدؐ
نے مختلف جگہوں پر مختلف وقتوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیروؤں کے سپرد
کی۔ قرآن کے کچھ حصہ کو عرب کے وحشیانہ طریقہ کے مطابق کھجور کے پتوں، بھیڑ
کی ہڈیوں اور سفید پتھر پر لکھا گیا۔ مگر کچھ زبانی یاد کیا گیا۔ یمامہ کی لڑائی کے بعد
(حضرت) عمر نے (حضرت) ابوبکر سے کہا کہ بہت سے حافظ اس لڑائی میں
شہید ہو گئے ہیں۔ لہذا مناسب یہی ہے کہ کلام اللہ کو مستقل طور پر جمع کر لیا جائے۔
اس کے متعلق محمدؐ کے منظور نظر زید سے مشورہ کیا گیا۔ اور یہ کام پیغمبر کی ایک
بیوی حفصہ کے سپرد ہوا۔ دس سال کے بعد خلیفہ عثمان نے قرآن کو جمع کرنے کا حکم
دیا۔ اور پہلی کاپیاں جلا کر تلف کر دیں۔ یہ نظر ثانی کئے ہوئے قرآن اسلامی دنیا
کے بڑے بڑے شہروں کی طرف روانہ کئے گئے۔ اور آج تک وہی قرآن بجنسہ
چلا آتا ہے۔

"دنیا میں کوئی کتاب اور بارہ سو سالوں تک اس حالت میں نہیں رہی۔"
(رہکس) عربی قرآنوں میں اب بھی اختلاف ہے۔ مگر وہ اختلاف چنداں نوٹس
کے قابل نہیں۔ موجودہ قرآن وہی کتاب ہے۔ جو بقول مسلمانوں کے آسمان
سے نازل ہوا تھا۔ ہم کتاب کا اندازہ کتاب سے ہی کریں گے۔ اور ہم کتاب کا اندازہ
پیغمبر کا اندازہ کئے بغیر نہیں کر سکتے۔ ہم قرآن کی شاعرانہ نزاکت اور اس کے
کلام کی لطافت کا بعد میں ذکر کریں گے۔ ہم اس بات سے بھی انکار نہیں کرتے
کہ قرآن میں اخلاقی سبق بھی ہیں۔ خاص کر جہاں خدا کی وحدانیت۔ اس کی ذات
پر بھروسہ کرنے کی تاکید۔ اور اس کا حاضر ناظر ہونا بتایا ہے۔ پہلا باب اور ا

اگر ہی کی مثالیں ہمارے مطلب کو کافی ہیں۔

شروع خدا کے نام سے جو نہایت رحم والا اور مہربان ہے۔ ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے۔ تمام جہان کا پروردگار ہے۔ نہایت رحم والا اور مہربان۔ انصاف کے دن کا مالک۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا۔ نہ اُن لوگوں کے رستے جن پر تیرا غضب ہوتا رہا۔ اور نہ گمراہوں کے راستے پر۔

کوئی خدا نہیں سوائے اس خدا کے زندہ اور ازلی و ابدی ہے۔ نیند اس پر غالب نہیں کرتی۔ اور نہ وہ سوتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین پر ہے سب اُس کا ہے۔ دونوں کی حفاظت سے وہ نہیں تھکتا۔ وہ بہت بزرگ اور قدرت والا ہے۔)

قرآن میں کئی قسم کے بہت سے مضامین ہیں۔ احکام اور قصص نے بہت زیادہ جگہ لی ہے۔ احکام عبادات۔ معاملات۔ حقوق۔ قرابت۔ حلت۔ حرمت وغیرہ کے متعلق ہیں۔

کتاب کا یہ حصہ لوکل کیریکٹر رکھتا ہے۔ قصص آدم اور پرانے پیغمبروں کے قصے سے متعلق ہیں۔ عرب کے چند پیغمبروں۔ اور یہودیوں کا ذکر ہے۔ لیکن مسیح موسیٰ اور سلیمان کے حالات تفصیل سے دئیے ہیں۔ سوائے ذوالقرنین ا قرآن میں جو ذوالقرنین ہے۔ اُس سے سکندر اعظم مراد نہیں۔ مترجم) اور یونان کے یہودیوں کے ملک سے باہر کا کوئی ذکر نہیں۔

قرآن کا طرز دیکھکر آسانی سے پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ اس کا مضامین کہاں سے جمع کیا گیا ہے۔ ریو تسڈل کی کتاب ابھی ابھی انگریزی میں ترجمہ ہوئی ہے۔ اسکو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے جو کچھ لکھا ہے۔ ٹھیک لکھا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ کہ تالمود کی یہودیت عرب کی ضروریات کے مطابق کی ہوئی۔ اور مسیح کے حواریوں کی تعلیم کی پالش کی ہوئی چیز کو اسلام کہتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم میں کئی نقائص ہیں۔ اس میں کئی تاریخی غلطیاں ہیں۔ اس میں قصے

کہانیاں بھری ہیں۔ پیدائش عالم کی غلط روایت بیان کرتا ہے۔ یہ توہمات سے بھری ہے۔ یہ غلامی۔ کثرالازدواجی۔ تعصب۔ پردہ۔ عورتوں کی ذلالت اور معاشرتی زندگی کی خرابی کی تعلیم دیتا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حالانکہ قرآن کو کلام خدا ہونے کا دعوے ہے۔ مگر یہ گناہوں سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں بتاتا۔ اس کے متعلق توریت اور انجیل کئی باتیں بتاتی ہے۔ گناہوں سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کے لئے توریت زبور اور انجیل میں کئی طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن بالکل خاموش نہیں۔ تو اس اہم مسئلہ پر پیغمبر سکوت کی حالت میں ضرور ہے۔

علم الہی کا یہ کھلا ہوا راز ہے کہ جو شخص گناہ کا غلط اندازہ لگاتا ہے۔ وہ نجات کے وسائل ڈھونڈھتا ہوا اور بھی مغالطے میں پھنستا ہے۔ جیسا کہ محمدؐ کی ساری زندگی سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھی کسی گناہ کے ہونے کا قائل نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو صداقت کا مجسم نمونہ سمجھتا تھا۔ خدا کے متعلق بھی اس کے بھی خیالات مادی تھے۔ روحانی نہ تھے۔ اس نے خدا کی قدرت کو دیکھا۔ مگر اس کے تقدس کی کبھی جھلک تک نہ دیکھی۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اور اس کی کتاب میں خدا سے یک رنگی پائی جاتی ہے۔ جب خدا کی نسبت ایسے خیالات ہوں۔ ایسا پیغمبر ہو تو کیوں نہ اسلامی دنیا ایسی ہو جیسی کہ آجکل ہے۔ اسلام کا یہ خاکہ اس کے سارے حالات کا مرقع پیش کر دیتا ہے۔

اس شخص نے بغیر کسی دلیل اور بلا حجت کے قرآن کے برخلاف بہتان باندھے اور رسول کے شان میں گستاخانہ کلمات کہے ہیں۔ کیا وہ قرآن سے ثابت کر سکتا ہے کہ قرآن غلامی یا کثیر الازدواجی کا حامی ہے۔ ہم تو کہتے ہیں۔ وہ اسکی بیخ کنی کرنے والا ہے اور اس کی بدولت ہی ان کی بیخ کنی ہوئی۔ جو حقوق قرآن نے عورتوں کو دئے ہیں۔ انجیل کو تو چھوڑو۔ کیا موجودہ مہذب نام عیسائیوں نے ان کا بیسواں حصہ بھی عورتوں کو دے رکھے ہیں۔ گناہوں سے بچنے کے جو طریقے قرآن نے اور رسول نے بتائے ہیں۔ اُن کا ہزارواں حصہ بھی زبور۔ توریت۔ انجیل میں کہنا محال کیا۔ ناممکن ہے۔ اسلامی دنیا کی پستی اسلام کی بدولت نہیں۔ بلکہ اسلام کو چھوڑنے کی بدولت ہے۔ پادری وزیر صاحب یورپ

امریکہ۔ جاپان کی مہذب سوسائیٹوں کا کوئی بھی ایسا اصول بتایئں جو قرآن سے اخذ نہ کیا گیا ہو۔ افسوس ہے۔ لوگ جس چشمہ سے پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں اُسی میں غلاظت ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام کی صداقت کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت درکار ہے۔ کہ خود بہت سے عیسائی عالم اس کی صداقت کو مان گئے ہیں۔ اور مان رہے ہیں۔ مگر پادری صاحب کسی ایسے مسلمان عالم یا یہودی پادری کا نام بتایئں جس نے نیچی زبان سے ہی کبھی عیسائیت کی تعریف کی ہو۔ خود عیسائی کہلانے والے عیسائیت سے بیزار ہیں۔ لیکن چونکہ ابھی اُن کے دل زنگ آلودہ ہیں۔ وہ اسلام کیطرف متوجہ نہیں ہوتے۔ مگر وہ دن قریب ہے۔ کہ سورج مغرب سے نکلے۔ مترجم)

اُنیسواں باب

وہابی حکمران اور ریفارمر

جزیرہ نماعرب کی تاریخ مکمل طور پر ابھی تک نہیں لکھی گئی۔ اگر ابتدائی حکمرانوں سے لیکر خاص خاص دقتوں کے واقعات لکھے گئے ہیں۔ مگر اس مضمون کی اہمیت کے مطابق کوئی بھی کتاب حوالہ قلم نہیں کیگئی۔

قدیم واقعات کا کھوج نکالنا اور حمیری خاندانوں کو ان کی اصلی سے جاملانا ان یہودیوں کی داستان کا پڑھنا جو قبل مسیح۔ مکہ۔ مدینہ اور یمن میں آباد ہوگئے تھے۔ پیغمبر کے جھنڈے سے تلے عربوں کا فتوحات عظیمہ حاصل کرنا۔ کرسچین لوگوں کا اچانک عروج پانا۔ عرب کے سمندروں میں پرتگیزوں۔ ڈچوں اور انگریزوں کا جدوجہد کرنا۔ یہ سب باتیں دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہیں۔ مگر ہمارے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ ان سب پر خامہ فرسائی کریں۔ لہذا ہم گذشتہ صدی کی تاریخ پر ہی قناعت کرتے ہیں۔

عرب کی موجودہ تاریخ اور اس کی پولیٹکل حالت سمجھنے کے لئے ہم کو ۱۷۶۵ء

کی طرف واپس جانا چاہیئے۔ جبکہ وہابی تحریک زوروں پر تھی۔ اور جس نے اُس وقت سے عرب کی پولیٹیکل بساط کا نقشہ بالکل اُلٹ دیا ہے۔ یہ تحریک اسلام میں از سر نو جان ڈالنے کے لئے تھی۔ اور اگرچہ اس کا انجام نہایت تلخ ہوا۔ تاہم وہابی تحریک نے ٹرکی کی توجہ کو عرب کی طرف مبذول کرا دیا۔ گورنمنٹ کے برخلاف جہاد کرنے کے متعلق اس کا اثر ہندوستان تک بھی پہنچا۔ اور انگلستان مجبور ہوا کہ صورت حال کا پتہ لے۔ اور عرب کے وسط میں اصل حال معلوم کرنے کے لئے اپنے قائم مقام بھیجے۔

وہابی خاندان سے شروع ہو کر گذشتہ صدی کی عرب کی تاریخ بغداد و عثمانی کے حکمرانوں۔ ترکی فتوحات۔ اور انگریزی اقتدار کی تاریخ ہے۔ اگر وہابی تحریک پیدا نہ ہوتی۔ تو عبد الرشید اور اس کے جانشین عبد العزیز کے ماتحت نجدی گورنمنٹ ایسی مضبوط نہ ہوتی۔ یہ وہابیوں کی دست اندازی کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ ٹرکی اپنی عربی مقبوضات کی حفاظت کے لئے حسا پر حملہ کرنے کو مجبور ہوئی۔

محمد بن عبد الوہاب ۱۶۹۱ء میں نجد کے شہر العینیہ میں پیدا ہوا۔ مذہب حنبلی کے مطابق اپنے باپ سے اسلام کی تعلیم پائی۔ پھر مکہ۔ بغداد۔ اور بصرہ کی طرف تعلیم پانے گیا۔ مدینہ میں اس نے صحاح ستہ کا مطالعہ کیا۔ دوران سفر میں اس نے ترکوں اور عربوں کو بہت سی مذہبی خرابیوں میں مبتلا دیکھا۔ یعنی اصل اسلام کو ان باتوں سے پاک و صاف کرنے کی کوشش کی۔ جو بعد میں شامل کر دی گئی تھیں۔ اس کے نزدیک بعض باتیں سراسر کفر اور شرک کی تھیں اس کے نزدیک قبروں کی زیارت اور محمد کے مزار کی اس قدر تعظیم وحدانیت کے متناقض باتیں تھیں۔ پھولوں کے ہاروں۔ زیوروں۔ ریشم۔ سونے۔ چاندی شراب تمباکو کا استعمال اس کے خیال میں بالکل حرام تھا۔ ان باتوں میں وہ خاص اصلاح کرنا چاہتا تھا۔ بقول اس کے رسول کریم صلعم اور اصحاب کرام کی تعلیم کو مسلمانوں نے پس پشت ڈال دیا تھا۔

مذہب کے چار فرقوں نے بھی مدینہ کی زیارت اور بہت سے مزاروں کے بنانے کی اجازت دینے سے مذہب میں رخنہ ڈال دیا تھا۔ (چار فرقوں۔ حنفی

شافعی۔ مالکی۔ اور حنبلی مراد ہے۔ مترجم) لہذا عبدالوہاب کو نہ صرف مذہبی ریفارمیشن کی۔ بلکہ ایک نیا فرقہ پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُس کی تعلیم کا سنگ بنیاد قرآن اور ابتدائی احادیث تھیں۔

اس کی تعلیم دوسرے فرقوں کی تعلیم سے مندرجہ ذیل امورات میں مختلف ہے۔

(۱) وہابی اجماع کو نہیں مانتے۔ (۲) وہ رسول کریم صلعم۔ ولی۔ بزرگ پر درود نہیں پڑھتے اور نہ ہی اُن کی مزاروں کی زیارت کرتے ہیں۔ (۳) وہ کہتے ہیں آں جناب سرورِ کائنات موجودہ حالت میں شفیع نہیں ہیں۔ البتہ قیامت کے دن ہونگے (۴) وہ عورتوں کی قبروں پر نہیں جانے دیتے۔ (۵) وہ صرف چار تہوار یعنی عید فطر عید الضحیٰ۔ عشورہ۔ اور لیل المبارک کے سوا اور کوئی تہوار نہیں مناتے۔ (۶) وہ آں جناب سرورِ کائنات کی سالگرہ نہیں مناتے۔ (۷) وہ تسبیح کی بجائے انگلیوں کے جوڑوں سے کام لیتے ہیں۔ (۸) وہ ریشم۔ سونے۔ چاندی کے زیورات۔ تمباکو راگ۔ افیون۔ باجہ وغیرہ کا استعمال نہیں کرتے۔ ہاں عطر اور عورت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ — وہ قرآن کے لفظی معنوں کے مطابق خدا کو مانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آنکھ ہاتھ وغیرہ ہیں۔ (۱۰) وہ جہاد کو مانتے ہیں۔ وہ میناروں تختہ قبروں۔ اور ہر ایسی چیز کو ابتدائی عہدِ اسلام میں نہ تھی جائز نہیں سمجھتے۔

کوئی شک نہیں کہ عبدالوہاب سچے دل سے ریفارمیشن کا خواہاں تھا۔ اور بہت سی اصلاحیں درحقیقت ابتدائی اسلام کے مطابق تھیں۔ مگر یہ حد مناسب سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ اُس نے موجودہ ترقی و تہذیب کا بالکل ہی خیال نہ کیا اور نہ دیکھا کہ اس صدی کے عرصہ دراز میں خود عرب اور عرب کے باہر رہنے والوں میں بہت سا فرق پڑ گیا۔ تاہم اس ریفارمر کی طرف بہت سے لوگ متوجہ ہو گئے عبدالوہاب ایک پیری جیر تھا۔ مگر اُسکو اپنے مذہب کے اشاعت کے لئے تلوار کی ضرورت پڑی۔ اس ضرورت کو محمد بن سعود نے پورا کر دیا۔ اور اب یہ دونوں مجھ جونا رشتہ میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور ایک ہی مشترک مطلب رکھتے تھے لوگوں کو اپنے حلقہ دین میں شامل کرنے اور فتوحات کا سلسلہ پھیلانے لگے۔ ابن سعود

کا بیٹا عبدالعزیز اس نئی تحریک کا حضرت عمر تھا۔ اور اس کا بیٹا سعد جنگی فن میں
اس سے بھی بڑھ کر ہوشیار اور چالاک نکلا۔ عبدالعزیز جب درعیہ کی مسجد میں نماز
پڑھ رہا تھا۔ ایک متعصب ایرانی نے اس کو ۱۸۰۳ء میں قتل کر دیا۔ اس وقت
سعد وہابی فتوحات کے سلسلہ کو مکہ تک بڑھا رہا تھا۔ ۲۷ اپریل ۱۸۰۳ء میں اس نے
اپنا جھنڈا کعبہ میں جا بلند کیا۔ اور مقدس جگہ کو فضول چیزوں سے پاک و صاف
کرنے لگا۔ حقے۔ تمباکو۔ ریشم۔ تسبیحیں ایک جگہ جمع کر کے ان کو آگ لگا دی۔ لوگوں
پر کوئی سختی نہ کی گئی۔ البتہ ان کو مذہب کی پابندی پر مجبور کیا گیا۔ مسجدیں نمازیوں
سے بھری پڑی تھیں۔ اور جو شخص نماز میں غفلت کرتا تھا۔ اس کو بیدردی سے
کوڑے مارے جاتے تھے۔ ڈر کے مارے ہر شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا
مکہ کی فتح کی خبر دلیر سعد نے حسب ذیل دلیرانہ خط میں سلطان روم کو دی۔

"از جانب سعد۔ بجانب سلیم۔ میں ۴ محرم ۱۲۱۸ ہجری کو مکہ میں داخل ہوا۔
باشندوں کو امان دی۔ میں نے ان تمام چیزوں کو ضائع کیا۔ جن کی بتوں کی طرح
پرستش کی جاتی تھی۔ میں نے ان محصولوں کو جو شرعاً جائز ہیں۔ باقی سب محصول
معاف کر دئے ہیں۔ میں اس قاضی کو جسے آپ نے رسول صلعم کے ارشاد کے
مطابق مقرر کیا تھا۔ اپنے عہدے پر بحال رہنے دیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ
آپ دمشق اور قاہرہ کے والیوں کو ہدایت کریں کہ وہ آئندہ باجوں کے ساتھ مقدس
شہر کی طرف محمل روانہ نہ کریں۔ مذہب کو ایسی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔
خدا کا فضل آپ کے شامل حال رہے"

وہابیوں کے خطوں میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ مشرق کی رسم کے
مطابق لمبے چوڑے القاب نہیں لکھتے۔ یہ واقعی ایک بھاری صفت ہے۔ ورنہ
مسلمانوں خصوصاً ترکوں اور ایرانیوں میں اتنے خطابات۔ اعزازات اور القابات ہیں
کہ سارے لکھنے لگو تو دل تنگ ہو جائے۔

سال ختم ہونے سے پہلے سعد نے مدینہ پر حملہ کرنے اور رسول صلعم کے مزار کا طلائی
گنبد گرانے سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے لیا۔ ۱۸۰۱ء میں لوٹ کی غرض سے
وہابیوں نے حضرت حسین کی قبر کو برباد کیا۔ اور کعبہ میں لوٹ مار کر کے بہت سا مال

غنیمت لے گئے۔ سرکاری رپورٹوں کے مطابق مال غنیمت گلدانوں۔ غالیچوں۔ زیورات۔ آلات۔ نیزہ۔ دگنٹ کی بھونی تاشے کی چادروں۔ جو کعبہ سے اتاری گئیں ۴۰۰۰ کشمیری دوشالوں۔ ۲۰۰۰ ہسپانوی سکوں۔ ۳۵۰۰۰ روپیوں۔ ۴۰۰۰۰ ڈچ ڈوکیٹوں (ایک قسم کا سکہ ہے) اور کئی حبشی غلاموں پر مشتمل تھا۔

وہابیوں نے پئے در پئے اتنی فتوحات حاصل کیں۔ کہ چند سالوں میں ہی عرب میں ان کا طوطی بولنے لگا۔

سعود کی چالاکی، ہوشیاری اور حزم و احتیاط جتانے کو ایک ہی مثال کافی ہے۔ جب اس نے ۱۸۱۰ء حوران کے میدانوں پر حملہ کیا۔ حالانکہ میدان اسکو صدر مقام سے پینتیس ۳۵ دن کی مسافت پر تھے۔ تاہم اس کے حملے سے کل دو دن پہلے اس کی آمد کی خبر ہوئی۔ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ شام پر حملہ کرنے کی ٹھانے ہوئے ہے۔ بیشتر اس کے کہ دمشق کا پاشا مقابلہ کی تیاری کرے سعود نے پینتیس گاؤں لوٹ لیے۔

اس تمام اثنا میں باب عالی خاموش رہا۔ اور حرمین الشریفین کے واپس لینے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ دمشق کی طرف سے مکہ تک پہونچنا ناممکن تھا۔ سارا ملک بر سر پیکار تھا۔ اور ما و توشہ کا ملنا دشوار تھا۔ مصر کی طرف سے کارروائی کرنی مناسب سمجھی گئی۔ اور یہ امید کی گئی کہ سمندر کی طرف سے جو مہم روانہ کی جائے گی۔ وہ جدہ سے لیکر مکہ کی طرف بڑھنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

محمد علی نے ۱۸۱۰ء میں تیاریاں شروع کیں اور ۱۸۱۱ء میں سویز سے ایک مہم اس کے بیٹے طوسون پاشا کی سرکردگی روانہ ہوئی۔ اکتوبر کے مہینہ میں یہ جہاز ینبوع میں پہونچا اور فوجوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ مکہ کے شریف غالب نے وہابیوں سے بے ایمانی کی۔ اس نے شہر حوالہ کر دینے کے لئے ترکی کمانڈر سے سلسلہ نامہ و پیام شروع کر دیا۔ جنوری کے مہینہ میں فوجیں مدینہ پر قابض ہو گئیں۔ مگر بدر کے مقام پر وہابیوں نے فوج پر حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر دیا۔ اس مہم میں ترکوں نے ایسے ایسے ظلم کئے۔ کہ ان کے رفیق بدو بھی کانپ اٹھے۔ انہوں نے اپنا اللہ کی وعدہ ایفا نہ کیا۔ مقتول دشمنوں کی کھوپڑیوں کا مینار مدینہ کے قریب بنا لیا۔ حالانکہ غالب

سے بڑے وعدے وعید کئے گئے تھے مگر اسکو گرفتار کرکے جلاوطن کردیا۔

ایک دوسری فوج مصطفےٰ بے کے ماتحت مکہ کیطرف بڑھی۔ اور طائف پر بھی قبضہ کرلیا۔ اگرچہ اس وقت پانچ شہر ترکوں کے قبضہ میں تھے۔ مگر پھر بھی وہابیوں کی طاقت ابھی تک ملیامیٹ نہ ہوئی تھی۔ محمد علی پاشا ایک اور فوج لے کر خود مصر سے روانہ ہوا۔ اسکو ٹرانسپورٹ اور رسد کے حاصل کرنے میں بڑی دقت ہوئی۔ آخر کار اس نے اپنی فوج جدہ میں اتاری۔ اور مکہ کیطرف بڑھا۔ تجویز یہ تھی کہ وہابیوں کے مرکز تارابہ پر حملہ کرے۔ اور اون کے شمالی علاقہ رنیا کو بھی زیروزبر کرے۔ یہاں دشمن ایک عورت غالیہ نام کے ماتحت بہ تعداد کثیر جمع ہوا تھا۔ ترک اس عورت کو جادوگرنی خیال کرتے تھے۔ اور اس سے سخت ڈرتے تھے۔ جب حملہ ہوا۔ وہابی فتحیاب ہوئے۔ اور فوج اس قدر پریشان ہوئی کہ ۱۸۱۳ء اور نیز ۱۸۱۴ء کے آغاز تک بیکار پڑی رہی۔ بعد میں ترکوں نے گنفدا پر بحری حملہ کیا۔ یہ بندرگاہ جدہ کے جنوب میں ہے۔ اس کو انہوں نے فتح کرلیا۔ مگر وہابیوں نے اون چاہات پر قبضہ کرلیا۔ جن سے شہر کو پانی پہنچتا تھا۔ پھر ترکوں پر اچانک حملہ کرکے ان کو ایسا سراسیمہ کیا کہ وہ خوف زدہ ہوکر اپنی جہازوں پر بھاگ گئے۔ اس کے بعد ترکی سپاہیوں میں ناراضگی پھیل گئی۔ اور رسد بگڑ گیا۔ اور تنخواہیں بقایا میں پڑ گئیں۔ اب محمد علی نے اپنی سابقہ چالوں کو بدل کر بدو سرداروں کو روپیہ کے زور سے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ اسوقت ترکی فوج کی تعداد ۲۰۰۰۰ تھی۔ بعد میں اس کو کوئی نمایاں فتح حاصل نہ ہوئی۔ سب سے بڑی لڑائی طائف کے نزدیک بسیل پر ہوئی۔ یہاں محمد علی نے وہابیوں کو سخت شکست دی۔ اور بہتوں کو تلوار کی گھاٹ اوتار دیا۔

وہابی کے ایک سر کے لئے چھ ڈالر انعام مقرر ہوا۔ اور شام ہونے سے پہلے پانچ ہزار وہابی سر پاشا کے سامنے جمع ہوگئے۔ ۳۰۰ قیدی پکڑے گئے۔ اور ان کی جان بخشی کی گئی۔ مگر پھر سوچ کر ظالم کمانڈر نے ان میں سے پچاس کو سر شہر کے دروازے کے آگے قتل کئے گئے۔ دس قہوہ خانوں میں سے فی قہوہ خانہ کے آگے اون میں سے بارہ بارہ تلوار کی گھاٹ اتارے گئے۔ باقی جو بچے ان کو جدہ میں قتل کیا گیا۔ اور ان کی لاشیں کتوں اور چیلوں کے آگے ڈالی گئیں۔

مگر جب ترک صحرا میں پہونچے۔ اُن کے برخلاف علم جنگ بلند کیا گیا۔ بھوک۔ پیاس بخار اور ڈاکوؤں کے حملوں نے سارے کیمپ کو ناک میں دم کر دیا۔ ایک دن میں سو گھوڑے ہلاک ہوئے۔ سپاہی پیدل ہو گئے۔ اور فوج کو چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ آخر محمد علی نے وہابی سردار عبداللہ بن سعود سے صلح کرنے کی تجویز کی۔ اور جب سعود فوج کے ساتھ قاسم میں داخل ہوا۔ نامہ و پیام جاری ہوا۔ اور صلح کا اعلان کیا گیا۔ مگر صلح دیر تک قائم نہ رہی۔ ۱۸۱۶ء میں ابراہیم پاشا بن محمد پاشا ایک جرار فوج کے ساتھ وہابیوں کے برخلاف روانہ کیا گیا۔ جب مغرب کی طرف وہابی قلعوں پر سر حملہ آور تھا۔ وہابی گورنمنٹ کو انگریزی حملے سے سخت نقصان پہونچا۔ ۱۸۱۹ء میں وہابیوں کے بڑے قلعہ اور بندرگاہ راس الخیمہ کے برخلاف بمبئی سے ایک مہم روانہ کی گئی۔ اسے گولہ باری کر کے اسکو خاکستر کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ (واہ صاحب اچھی فتح بتائی۔ کہ مہم آئی۔ چند گولے چلائے اور چلتی بنی)

جو کام ابراہیم پاشا کا باپ تلوار کے زور سے نہ کر سکا تھا۔ وہ اس نے روپیہ اور سازش کے زور سے کر لیا۔ چند پیشقدمیوں کے بعد ایک ایک قبیلہ کر کے وہابی گورنمنٹ سے جدا کیا گیا۔ آخر کار بغیر کسی لڑائی کے درعیہ فتح ہو گیا۔ عبداللہ گرفتار کر کے قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ اور وہاں ۱۸ دسمبر ۱۸۱۸ء کو پبلک کے سامنے اُس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔ ترک اپنی کامیابی پر پھولے نہ سماتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے۔ کہ بس وہابیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ مگر ان کو جلد ہی اپنی غلطی کا علم ہو گیا ابراہیم پاشا کی فوج واپس ہی ہوئی تھی۔ کہ پھر تعصب اور جہالت نے زور پکڑا منتشر ہو گیا۔ پاشاؤں کی فوج اُن علاقوں کو جو فتح کئے گئے تھے۔ قابو نہ رکھ سکتی تھی۔ چند سالوں میں مرحوم امیر کا بیٹا۔ ترکی نجد کا سلطان بنایا گیا۔ اور اُس نے اپنے باپ کے کھوئے ہوئے علاقوں سے زیادہ علاقے فتح کئے۔ وہ خدیو مصر کو تھوڑا سا خراج دیتا رہا۔ آخر ۱۸۳۴ء میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ اُس کا بیٹا فیصل تخت پر متمکن ہوا۔ اُس نے خدیو کو خراج دینا بند کر دیا۔ نجد پر پھر حملہ کیا گیا۔ ہاف ہوف اور قطیف پر مصری اور ترکی فوجیں متصرف ہو گئیں۔ اور فیصل مصر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔

فیصول ۱۸۶۵ء میں فوت ہوگیا۔ وہ ۱۸۴۳ء میں جلا وطنی سے واپس آکر اپنی وفات تک دریعہ سے حکومت کرتا رہا۔ اُس کی جگہ اُسکا بیٹا عبداللہ تخت پر متمکن ہوا۔ مگر اس کا بھائی سعود اس سے حسد کرتا تھا۔ محل میں سازشوں اور دسیسہ بندیوں کا زور ہوگیا۔ عرب کے حکمرانوں کو اُتارنے یا بیٹھانے کے لئے ہمیشہ خنجر یا زہر سے کام لیا گیا ہے۔ دو بھائیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ پہلے تو سعود کامیاب ہوگیا۔ مگر عبداللہ شمر کی طرف بھاگ گیا۔ اور اُس گورنمنٹ سے مدد کی التجا کی۔ بغداد کی طرف سے ایک مہم آئی۔ اور اُس نے الاحسا پر قبضہ کرکے اُس کو ہمیشہ کے لئے ترکی صوبہ بنا دیا۔

۱۸۷۵ء میں سعود کی وفات پر پھر جھگڑا ہوا۔ مگر عبداللہ کامیاب رہا۔ اور ۱۸۸۹ء تک ریاض میں حکمران رہا۔ سب واقعات طبعی صورت رکھتی تھی۔ اب ایک اور ریاست نجد میں قائم ہوگئی۔ مگر تعصب یا جہالت کا سبب نہ تھی۔ بلکہ بیشتر سازش اور تلوار کے زور کا نتیجہ تھی۔

جب شمر کی گو اُس کے اپنے چچا زاد بھائی متعب نے قتل کردیا۔ اور فیصول تخت پر بیٹھا۔ تو ریاض میں فوج میں ایک جبل کا ایک نوجوان عبداللہ بن رشید موجود تھا۔ وہ محل میں چھپ کر داخل ہوگیا۔ متعب ہی کو قتل کیا۔ اور فیصول کو باپ کی جگہ حکمران ہونے میں مدد دی۔ اُسکی خدمات کا عوض یہ دیا گیا کہ اُس کو جبل شمر کا گورنر بنا دیا گیا۔ اُس کو تھوڑی سی فوج بھی دی گئی۔ کہ اس طرف وہابیوں کا رعب بڑھانے کے لئے جد و جہد کرے۔ وہ جلد ہی اپنے آقا کی طاقت کو پہنچ گیا۔ اور عرب کی سیاسی شورشوں اور شر بندیوں میں پورا ماہر ثابت ہوا۔ اُس نے ہر طرف اپنا واقعی رسوخ بڑھا لیا۔ حائل میں ایک بڑا قلعہ بنوایا۔ اور جنہوں نے اُس کی مخالفت کی۔ ان کو مار کر نیچے گرا دیا۔ اُس کے مخالفوں نے اُس کے قتل کرنے کے لئے اجرت پر آدمی مقرر کئے۔ جو ہمیشہ ہی اُس کی تاک میں لگے رہتے۔ مگر اُس کا ستارہ اقبال بلند تھا۔ وہ سب وارداتوں اور حملوں سے بال بال بچ گیا۔ ۱۸۶۸ء میں جبکہ ابھی اس کا کام ادھورا تھا۔ وہ اچانک فوت ہوگیا۔ اُس کے تین بیٹے تھے۔ طلال۔ متعب۔ اور محمد۔ طلال جو سب سے بڑا تھا۔ حکمران بنایا گیا۔ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ نامور ہوگیا۔ اُس نے دار الخلافہ

کو خوب مضبوط کیا۔ بصرہ اور بغداد کے سوداگروں کو بلایا۔ کہ اس کے دارالخلافہ میں
سکونت اختیار کریں۔ اس نے آہستہ آہستہ نجد کے وہابی بادشاہ سے آزادی
حاصل کر لی۔ مگر ۱۸۶۷ء میں اس کو کوئی اندرونی بیماری لاحق ہو گئی۔ اور اس نے
اس بیماری کے دورہ میں خودکشی کر لی۔ اس کی جگہ اس کا بھائی متعب تخت پر
بیٹھا۔ مگر طلال کے بیٹے نے اس کو ایک سال کے اندر قتل کر دیا۔ اس وقت تک
عبداللہ بن رشید کا تیسرا بیٹا محمد ریاض میں پناہ گزیں تھا۔ اب موقعہ پا کر وہ بھی ہاتھ
پاؤں مارنے لگا۔ اور اب پہلی دفعہ اس کی لیاقت کا اظہار ہوا۔ امیر عبداللہ بن فیصل
کی اجازت سے وہ حیل کی طرف آیا۔ اس نے اپنے بھتیجے بندر کو جس نے تخت غصب کر لیا
تھا۔ ہلاک کیا۔ اور پھر اپنے بھائی طلال کے پانچوں بیٹوں کو بھی تلوار کی گھاٹ اتارا
اور خود ۱۸۷۲ء میں حیل کا حاکم بنا۔ وہ اٹھارہ سال تک حکومت کرتا رہا۔ عربوں میں
اس کی حکومت کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

بحرین کے عرب اس کے انصاف کی کئی روایتیں سناتے ہیں۔ جو غلط یا قابل
اعتبار ہیں۔ بقول ان کے وہ ان لوگوں پر بڑی سختی کرتا تھا۔ جو اس کی خواہش کے
برخلاف چلیں۔ اس کے عہد میں سرکاری جلاد کی تلوار خون سے ہمیشہ ہی تر رہتی
تھی۔ لوگوں کو اونٹ سے باندھ کر زمین پر گھسیٹ کر مروا دیتا تھا۔ مگر صحرا کے راستے خوب
مضبوط ہو گئے تھے۔ اور لٹیرے اور ڈاکوؤں پر ذرا بھی رحم نہیں کیا جاتا تھا۔

اس کے تمول اور مہمان نوازی کے ظاہر کرنے کو یہ بات سنائی جاتی ہے کہ اس
محل کے صحن میں ایک بڑا حوض پتھروں کا بنوایا تھا۔ اور یہ حوض عرب کی نعمتوں اور گھی
سے بھرا رہتا تھا۔ شاہی مہمانوں کو تیل دل کھول کر دیا جاتا تھا۔

۱۸۸۹ء میں طلال کے کام کو مکمل کرنے کا موقعہ محمد بن رشید کے ہاتھ آیا۔ اس نے
نہ صرف نجد کے حکمرانوں کا جوا پھینکنے کی کوشش کی۔ بلکہ نجد اور تمام وہابی ریاست
کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی جدوجہد کی۔ اس سال امیر عبداللہ بن فیصل
کو اس کے دو بھتیجوں نے پکڑ کر گرفتار کر لیا۔ اونہوں نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ محمد حق نمک
ادا کرنے کے لئے اوسکی مدد پر روانہ ہوا۔ غاصب کو تخت سے اوتارا۔ مگر امیر کو اپنے
ساتھ حیل کی طرف لے آیا۔ اور وہاں اپنے چھوٹے بھائی کو نائب کر کے چھوڑ آیا

سعود کی سلطنت کا اب در اصل خاتمہ ہو گیا تھا۔ اب وسط عرب پر وہابیوں کا سرخ و سفید پرچم نہ لہراتا تھا۔ بلکہ رشید کا سبز اور اخوانی پرچم بلند تھا۔

اپنی وفات تک محمد نے رشید ترکوں کے ساتھ نہایت ہی دانشمندانہ طور پر برتاؤ رہا۔ وہ اپنے آپ کو باب عالی کا بہی خواہ بتاتا تھا۔ اور سلطان کی شہنشاہی کی علامت میں شریف مکہ کو سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ مگر ویسے وہ ترکوں سے بالکل عقیدت نہ رکھتا تھا۔ اور نہ ان کی دوستی کو ہی پسند کرتا تھا۔ عرب میں کسی شخص کو وہ مظالم نہیں بھولے جو مصری پاشاؤں نے وہابیوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے ملک پر کئے تھے۔

۱۸۹۰ء میں پرانے خاندان کے لوگوں نے امیر کے برخلاف علم بغاوت بلند کر کے نجد کو آزاد کرنا چاہا تھا مگر باغیوں کو ایسی سخت شکست ملی۔ کہ اُن کی ساری امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۸۹۷ء میں محمد بن رشید داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اور اب اسی کا جانشین عبدالعزیز بن متعب اُس کی وسیع عملداری پر حکومت کرتا ہے۔ وہ اپنے پیشرو سے مزاج میں حلیم مگر لیاقت میں اُس جیسا ہے۔

بیسواں باب

عمان کے حکمران

پیشتر اس کے کہ ہم عرب کے متعلق ترکوں کی تاریخ پر روشنی ڈالیں۔ عمان کے حکمرانوں کی بابت چند سطور حوالہ قلم کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ یہ صوبہ بلحاظ پالیٹکس عرب کے تمام صوبوں میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔

۱۵۰۸ء میں پرتگیزوں کے خلیج فارس میں نمودار ہونے سے پہلے یہ صوبہ نوسو سالوں سے آزاد و خود مختار حکمرانوں کے جن کو امام کہتے ہیں، زیر حکومت چلا آتا ہے۔ ان اماموں کو لوگ انتخاب کرتے تھے۔ اُس وقت سے پیچھے یعنی (۱۵۰۸ء) سے ۱۶۵۰ء تک مسقط پر پرتگیزوں کا اقتدار رہا۔ ۱۷۴۱ء میں ایک شخص احمد بن سعید جو ایک ساربان تھا۔ اپنی ذاتی لیاقت اور بہادری کی بدولت صوبہ کا گورنر ہو گیا۔ اُس نے

اور ان ایرانیوں کو جو پرتگیزوں کے بعد مسقط پر مسلط ہو گئے تھے۔ ملک سے باہر نکالا
اُس وقت سے لیکر آج تک اسکا خاندان عمان پر حکمراں ہے۔ ۱۷۹۸ء میں ایسٹ
انڈیا کمپنی نے سلطان مسقط سے عہدنامہ کیا۔ کہ وہ آفرنجیوں کو نکال دے
ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے اسکو اس عہدنامہ سے بڑا تعلق ہے۔
سید سعید جو ۱۸۰۶ء سے لیکر ۱۸۵۶ء تک حکمراں رہا۔ ہمیشہ ہی وہابیوں کے
بر خلاف جو اُس کے ملک پر دست درازی کرتے رہے جد و جہد کرتا رہا۔ انگلستان
سے ملکر اس نے وہابی لیڈروں سے جنگ کی۔ اور تجارت غلامان بند کرنے کے
لئے ۱۸۲۲ء۔ ۱۸۳۹ء اور ۱۸۴۵ء میں۔ سعید کی وفات پر عمان اور زنجبار کی حکومتیں
علیحدہ علیحدہ ہو گئیں۔ سید تھوانی مسقط پر اور اُس کا چھوٹا بھائی زنگبار پر حکومت
کرنے لگا۔ تھوانی ۱۸۶۶ء میں بمقام سوہر قتل کیا گیا۔ اور اُس کا بیٹا سلیم برسر
حکومت ہوا۔ اُسپر بھی باپ کے قتل کا شک کیا جاتا تھا۔ پھر ایک غاصب تاج و تخت
پر قابض ہو گیا۔ مگر ۱۸۷۱ء میں سید کے دوسرے بیٹے سید ترکی نے پھر حکومت واپس
لے لی۔ اُس کی حکومت میں شورش و بغاوت ہی برپا رہی۔ مگر وہ انگریزوں کا دوست
تھا۔ اور چونکہ اُس نے افریقہ اور زنگبار کے درمیان تجارت غلامان بند کرنے کا
وعدہ کیا۔ انگریزی گورنمنٹ نے اُسکا ۶۰۰۰ پونڈ وظیفہ مقرر کر دیا۔ ۱۸۸۸ء میں ترکی
داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ اور اسکا بیٹا فیصل بن ترکی تخت پر متمکن ہوا۔ اُس کی
حکومت مسقط کے محل کی چار دیواریوں تک محدود تھی۔ باقی سب علاقہ میں مختلف
قبائل ایک دوسرے سے لڑائی و فساد کرتے تھے۔ اور ساری ملک میں ایک
فتنہ محشر بپا ہو رہا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں بدؤں نے سخت بغاوت کی اور عربوں نے
شہر پر قبضہ کر کے اس کو لوٹ لیا۔ سلطان اپنی جان بمشکل بچا سکا۔ وہ دراصل قلعہ
میں قیدی بنکر بیٹھا تھا۔ اور سارا شہر باغیوں کے قبضہ میں تھا۔
اس سارے فساد کی وجہ یہ ہوئی۔ اس بات پر اختلاف پیدا ہوا۔ کہ صعد کا
شیخ صالح مسقط کے حکمراں کو سالانہ کتنا خراج ادا کرے۔ نومبر ۱۹۱۳ء میں باغیوں
نے ہتھیار جمع کرنے اور اپنی تعداد بڑھانی شروع کی۔ یہاں تک کہ اگلے سال کی ۱۲
فروری کو انہوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ چونکہ اس بغاوت سے عربوں کے طریقہ

جنگ کا ڈھنگ ظاہر ہوتا ہے۔ ہم مسقط کے ریزیڈنٹ کا وہ مضمون جو اس نے
اس کے متعلق بمبئی کے اخبارات میں شائع کر دیا تھا ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"۱۲ فروری کو عبداللہ جو اپنے باپ شیخ صالح کی فوجوں کا سردار تھا
۲۰۰ مسلح بدوؤں کے ساتھ جنگ کا رنگ ظاہر کرنے کے بغیر مسقط میں پہونچا۔ اور
اور سلطان سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ سلامی کی بندوق چلائی گئی۔ اور کسی
حملے کا مطلق خیال نہ کیا گیا۔ سلطان نے اس سردار کو ۲۰۰ [illegible] اور اس
ہمراہیوں کے لئے۔ چاول۔ کھجوریں [illegible] اور مسقط کا حلوہ دیا۔ ہر چند کہ یہ مسلح
تھے۔ مگر ان کو کوئی روک ٹوک نہ کی گئی۔ شیخ عبداللہ خود کچھ عرصے کے لئے
بازار میں بیٹھا۔ اور لوگوں کا سلام لیا۔ جب شام ہوئی۔ سلطان نے ان لوگوں
سے شہر کے باہر قیام کرنے کی درخواست کی۔ شہر کے گرد فصیل ہے اور اس کے
اندر صرف شہر کے پھاٹکوں سے ہی داخل ہو سکتے ہیں۔ بدوؤں نے سلطان
کی بات نہ مانی اور کہا کہ ان کا کوئی برا ارادہ نہیں۔ ان کو شہر ہی میں رہنے دیا
جائے۔ دستور کے مطابق ۸ بجے شہر کے دروازے بند کر دئے گئے۔ نصف بدو
شہر کے اندر ہی تھے۔ نیم شب کے بعد شہر کے پھاٹکوں پر حملہ کیا گیا۔ جو سپاہی تعینات
تھے وہ مغلوب ہو کر رہ گئے۔ اور وہ تمام بدو جو گرد و نواح کے ساحل میں چھپے
ہوئے تھے۔ شہر پر ٹوٹ پڑے۔ جنوبی پھاٹک جو بازار کھلتا ہے۔ اور شہر کے [illegible]
حصہ کا بڑا پھاٹک ہے انہوں نے بآسانی تمام فتح کر لیا۔ پھر بدو سلطان کے محل کی
طرف بڑھے۔ اس میں داخل ہو گئے۔ اور نہایت گستاخی سے سلطان اور اس کے
خاندان کے دوسرے افراد کو سوتے سے جگایا۔ سید تیمور نے [illegible] اور سلطان
خطا نہ ہونے دئے۔ بلکہ بہادرانہ مقابلہ کیا۔ اور حملہ آوروں کو موت کا ذائقہ چکھایا
خود ایک کھڑکی میں سے کود کر ان قلعوں میں سے جس کی نسبت شہر [illegible]
ہے۔ ایک قلعہ میں بھاگ آیا۔ اس کا بھائی دوسرے قلعہ کی طرف بھاگ گیا۔ ان
قلعوں میں سے ہر ایک میں کوئی پچاس کے قریب سپاہی رہتے ہیں۔ اور چند [illegible]
چند انگریزی توپیں ۱۵ پونڈ کا گولہ پھینکنے والی بھی ان میں ہیں۔
قلعوں نے محل پر جو اب بدوؤں کے قبضہ میں تھا۔ آگ برسانی شروع کی۔

بندوقوں نے دروازے بند کر کے بغیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۳ فروری کو بازار اور گلیوں میں مسلح آدمی کھڑے کر دیئے۔

چند دکانیں جن میں بندوقیں اور سامان جنگ پڑا تھا۔ باغیوں نے ان کو کھولا۔ اور جو کچھ ان میں تھا سب کچھ لوٹ لیا۔ سلطان کے محل کو خوب دل کھول کر لوٹا۔ اور سلطان کا جتنا اسباب تھا۔ یا تو اُسے تلف کر دیا۔ یا جو قیمتی ملی۔ اُسے بیچ دیا۔ چونکہ حملہ اچانک ہوا تھا۔ سلطان کے سپاہی وقت پر تیار نہ ہو سکے۔ جو تیار ہو سکے قلعوں میں پہونچکر باغی حملہ آوروں پر توپیں چلانے لگے۔ تین دن سلطان اپنے ہی محل میں گولہ باری کرتا رہا۔ باغیوں سے بازاروں میں مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ حملہ آور جماعت کے کپتان نے حکم دیا۔ کہ جس حلقہ میں انگریزی رعایا آباد ہے وہاں کسی قسم کی مداخلت نہ کیجاوے۔ اتوار تک صورت حال جیسی کی ویسی رہی قلعہ سے دن رات آگ برستی رہی۔ وہ گولہ باری کا کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ بلکہ محل میں خاموشی سے بیٹھے رہے۔ گلی بازاروں کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ مگر قلعوں پر حملہ کرنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اگرچہ شہر باغیوں کے قبضہ میں تھا۔ مگر اُسمیں ہر طرح سے امن و امان تھا۔ نہتے آدمی بازاروں میں ادھر اُدھر آتے جاتے تھے۔ اور پہرہ کھڑا تھا۔ کہ لوگوں کی حفاظت کرے۔ تیسرے دن ایک ہزار آدمی ساحل کی طرف سے سلطان کی مدد کو پہنچ گئے۔ وہ سلطان کی زیر کمان قلعے کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ اور ۹ بجے صبح کے قریب باغیوں پر حملہ کیا۔ حالت ایسی خطرناک ہو گئی۔ کہ انگریزی رعایا کو نقصان پہونچنے کا احتمال ہو گیا۔ لہذا پولیٹیکل ایجنٹ نے ۱۱ بجے سے ایک بجے سے لیکر ۵ بجے تک لڑائی کو ملتوی کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ اس اثنا میں انگریزی رعایا مکانات کے محفوظ قریہ میں پہونچ جائے۔ ۵ بجے شام کے سلطان کو ایک اور کمک پہنچ گئی۔ اور سلطان کے سپاہیوں نے چند منظم مقامات کی حرکت شروع کر دی۔ بدوؤں کی ایک جماعت شہر [illegible] ایک گولی کی تیاری کر رہی تھی۔ مگر قریب سلطان کے ابھی تک قبضہ میں تھا۔ سوموار کو [illegible] شام کے [illegible] کا جہاز سفینہ یا جو تھے ۴ بجے رات سے [illegible] جہاز [illegible] پہونچ گیا اہل مسقط کی تمنا اور خواہش کے برخلاف انگریزی اینجنٹوں نے کوئی [illegible]

تھا۔ سلطان سلیمان اعظم (۱۵۲۰-۱۵۶۶ء تک تخت نشین رہا) عہد میں عثمانیہ سلطنت پورے عروج پر پہنچ گئی۔ اور سارا جزیرہ نما عرب نقشوں پر ایشیائی ٹرکی کے ساتھ ملحق کیا گیا۔ مگر اس صدی کے شروع میں عرب کے اصلی مالک ترک نہ تھے۔ بلکہ وہابی تھے۔ عرب ترکوں کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ مگر جب سے ترکوں نے حجاز کا صوبہ وہابیوں سے چھینا ہے۔ اس وقت سے یہ بالعموم ہی کے زیر نگیں ہے بغاوت کے مواد پکتے رہتے۔ شریفوں پر شریف بدلتے رہتے ہیں۔ مگر مکہ کے قلعہ نے ہمیشہ ہی ترکوں کو غالب رکھا ہے۔ اس قلعہ میں ایک بڑی فوج ترکوں کی مقیم رہتی ہے۔ حجاز کے پاشا لوگوں کا خون چوس چوس کر پلے رہتے ہیں۔

۱۸۴۳ء میں سارے حجاز پر ترکی تسلط کا اعلان کیا گیا۔ مگر شریف اور پاشا میں ان بن ہوتی رہی۔ مقدس شہر کا مذہبی سردار پولیٹیکل سرداروں کے آگے سر تسلیم خم نہ کرتا تھا۔ تجارت غلامان کے برخلاف ترکی گورنمنٹ نے قانون پاس کیا۔ تو آتش بغاوت مشتعل ہو گئی۔ شریف کو موقوف کیا گیا۔ اور اسکی جگہ محمد بن عون مقرر ہوا۔ ۱۵ جون ۱۸۵۸ء کو جدہ میں چند عیسائیوں کو قتل کیے جانے پر انگلستان کی حجاز کے حکمرانوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ جدہ پر گولہ باری کی گئی۔ اور جب تک تاوان ادا نہ ہوا۔ اور مجرموں کو سزا نہ مل گئی دول کی فوجیں شہر پر قابض رہیں۔ عون کے بعد عبد اللہ شریف ہوا۔ اس کے عہد میں نہر سویز کے تیار ہو جانے سے ٹرکی ملک سے نزدیک تر ہو گئی۔ اور مذہبی دیوانوں کو یہ خطرہ دامنگیر ہو گیا۔ کہ اب حجاز کا سارا ساحل عیسائی دول کے بیڑہائے جہازات کے رحم پر ہے۔ ہارون الرشید بھی اس نہر کو تیار کرنے لگا تھا۔ مگر اس کے وزیر نے کہا۔ نہر کے تیار ہو جانے سے عرب کا علاقہ عیسائی حملوں کے لئے کھل جائے گا۔ لہذا اس نے اس تجویز سے درگذر کی۔

گورنمنٹ عثمانیہ نے مکہ کے قدیم شہر میں اور کئی خطرات پیدا کر دئے۔ جدہ کو بحیرہ قلزم کے سلسلہ تار سے ملایا گیا۔ ایک سلسلہ مکہ تک قائم کیا گیا۔ اور اس سے پاشا وغیرہ کے حالات بالعموم کو بتلانے اور مشورہ لینے کے قابل ہو گیا۔ لہذا اس سلسلہ کو طائف تک بڑھایا گیا۔ ترکوں نے اپنے فوجی دستے مرتب کر لئے اور

شریف اون کے ہاتھ میں کٹ پتلی کیطرح رہتے۔ روس کے جنگ کیوقت عربونکی جنبش
بھرتی کرنے کی بھی کوشش کیگئی تھی۔

۱۸۹۶ء میں مدینہ۔ جدہ۔ مکہ اور طائف میں ترکی قوانین رائج کئے گئے
عبداللہ کو عرب اور ترک دونوں اچھا جانتے تھے۔ وہ ہوشیار آدمی تھا۔ اور
دونوں کو خوش کرنا جانتا تھا۔ اس کے بعد اسکا بھائی حسین شریف ہوا۔ مگر
۱۸۸۰ء میں قتل کردیا گیا۔ اس سال عبدالمطلب تیسری دفعہ شریف بنایا گیا۔ اگرچہ پہلی
دو دفعہ وہ بڑا ہر دلعزیز رہا۔ مگر اس دفعہ اس نے ایسے مظالم کئے۔ کہ اہل مکہ اس کے
برخلاف ہوگئے۔ اہل مکہ کی درخواست پر کہ اس شریف کو موقوف کیا جاوے۔
عثمان پاشا حجاز میں آیا۔ اگرچہ اس نے شریف کو موقوف نہ کیا۔ مگر خود اس ڈھنگ
سے حکومت کی کہ لوگوں کو ستا لیا۔ ۱۸۸۲ء میں حسین کا بھائی عون الرفیق شریف
مکہ مقرر کیا گیا۔ گورنمنٹ کی بدعملی سے لوگ آزردہ تھے۔ آخر بدوؤں نے تنگ آکر
علم بغاوت بلند کیا۔ رفیق مدینہ کی طرف بھاگ گیا۔ اور جب تک عثمان پاشا موقوف
نہیں ہوا۔ واپس نہیں آیا۔ (افسوس ہے اس وقت وہی فساد برابر چلا آتا ہے۔
پادری صاحب کا اور تو کچھ بس چلتا نہیں۔ ترکوں کے برخلاف ویسے ہی دل کے
جلے پھپھولے پھوڑتے ہیں۔ خدا کے فضل سے حجاز اور تمام دیگر عربی مقبوضات
میں ہر طرح امن وامان ہے۔ ہاں کچھ زیدی دوسروں کی انگیخت دینے سے
کبھی کبھی شرارت کر بیٹھتے ہیں۔ مگر اب عرب میں ریلوے بسرعت تمام تیار ہو رہی
ہے۔ اس کے مکمل ہوجانے پر نہ صرف یہی کہ عرب کے بعض شوریدہ سر بھی
قابو آجائیں گے۔ بلکہ عرب بیرونی حملوں سے بالکل محفوظ ہوجائے گا۔ مترجم)
حجاز کے عرب ترکوں یا ان کی حکومت کو پسند نہیں کرتے۔ بدو لوگ ان سرخ
ٹوپیوں والوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ اور جو شہری ہیں وہ ٹیکسوں سے تنگ
آکر ان کی جان کو روتے ہیں۔ (پادری صاحب آپ کا خیال بالکل غلط ہے
حجاز کے عرب ترکی حکومت اور اپنے خلیفہ پر جانیں نثار کرنے کو تیار ہیں۔ کوئی
شک نہیں۔ چند سال قبل اہل یمن ان کو آپ جیسے بھڑکانے والوں کا چڑھایا
علم بنتا تھا۔ وہ آپ کے جال میں آجاتے تھے۔ مگر اب [illegible]

نتیجتاً ارمنیوں کی مدد کے لئے مگر در اصل اپنا الّو سیدھا کرنے کے واسطے بعض ناعاقبت اندیش عیسائی دول نے حضرت سلطان روم پر بےجا دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ تو ۱۲ لاکھ بدوؤں نے جہاد کی تیاری کر دی۔ جب یہ خبر یورپ میں پھیلی۔ تو عیسائیوں کو ہوش آیا۔ چنانچہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ کہ ہندوستان کے ایک مشہور اور روزانہ اینگلو انڈین اخبار کا چیف اڈیٹر ترکوں کے برخلاف لکھتا ہوا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کہ اہل عرب بھی ترکوں کے برخلاف ہیں۔ لہٰذا اگر دول یورپ ترکوں کو حکومت سے محروم کرنے کی جد و جہد کریں۔ تو دنیا کے مسلمان تو درکنار خود ان کی سلطنت کے ہی مسلمان ان کی مدد نہ کریں گے۔ اڈیٹر صاحب نے یہ مضمون چھپنے کے لئے پریس کو دیا ہی تھا۔ کہ ان کو ایک تار موصول ہوا۔ عرب لوگ سلطان کی حمایت پر تلے ہوئے ہیں۔ اور ۱۲ لاکھ بدوؤں نے جہاد کی تیاری کر دی ہے۔ مگر سلطان نے ان کو کہا ہے۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ تار پڑھتے ہی اڈیٹر صاحب نے مضمون لے کر پھاڑ دیا۔ اور ویسے سلطان کی خلافت بحث شروع کر دی۔ مترجم)

جب سے حجاز کے قلعوں پر ہلال کا پرچم لہرانے لگا ہے۔ سوائے فوجی صیغہ کے اور کسی ڈیپارٹمنٹ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ (اگر شپرہ آفتاب کو نہ دیکھ سکے تو اس میں آفتاب کا قصور نہیں۔ پادری صاحب آنکھیں کھول کر دیکھئے۔ مترجم) ملک کے دیندار لوگ۔ ان پتلون پوش ترکوں کو جو عیسائیوں کے کتوں سے اچھا نہیں جانتے۔ وہ کہتے ہیں۔ یہ ترک خود کرسٹان ہیں۔ اللہ پر توکل ہی نہیں کرتے۔ اور وباؤں کے روکنے کے لئے قرنطینہ مقرر کر دئے ہیں۔ جدہ میں عیسائی قونصل رکھ لئے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ تجارت غلامان کو بند کر دیا ہے۔ اور اہل مکہ کے لئے جو لوگ تحفہ بنائے جاتے تھے۔ اس رسم کو موقوف کر دیا ہے۔ (واہ پادری صاحب جب جھوٹ بولنا ہی ٹھہرا تو کیوں نہ دل کھول کر بولا جائے۔ آپ کو ڈر تو کوئی ہے ہی نہیں۔ کہ خداوند یسوع مسیح آپ کے گناہوں کے بدلے میں کفارہ ہو چکے ہیں۔ مترجم) ہم ذیل میں ایک عربی نظم کا ترجمہ دیتے ہیں۔ اس سے ترکوں اور عربوں کے تعلقات

کا بخوبی پتہ لگ جائے گا۔ یہ اعلان ۱۸۸۵ء میں عرب میں تقسیم کیا گیا تھا۔ (ابھی صاحب جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ اس اعلان کا دینے والا کون تھا۔ آپ جیسا اس اعلان کا عربوں پر کیا اثر پڑا تھا۔ مترجم)

"اور وہ جو اللہ کے حکم کے مطابق نہیں کرتا کافر ہے"۔ اے اہل مکہ تم پر واضح ہو کہ یہ لعنتی والی اللہ کے مقدس گھر میں ترکی قوانین جاری کرنا چاہتا ہے۔ اب غفلت سے بیدار رہو۔ اور نیند سے جاگو! ان قوانین کو جاری نہ ہونے دو۔ ورنہ آئندہ سخت مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہ آنے والی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے۔ والی عثمان پاشا نے تجویز کیا تھا۔ کہ مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصہ ایک افسر کی نگرانی میں رکھا جائے۔ جب یہ تجویز شہر کی کونسل کے سامنے پیش کی گئی۔ اور بزرگان شہر نے کہا۔ کہ ہم اس تجویز کو کبھی نہیں مانیں گے۔ تو اس لعنتی والی نے جواب دیا تھا۔ "کیا تم اسلامبول سے بہتر ہو۔ ہم اس تجویز پر ضرور عملدرآمد کرائیں گے"۔ اور اہل مکہ اس غرض کے لئے ایک مجلس بنام مجلس مسلمانان بنائی گئی ہے۔ جو اس میں شامل ہونا چاہے۔ پہلے اس کے متعلق تحقیقات کر لے۔ اس مجلس کی غرض یہ ہے۔ کہ اس لعنتی والی اور پولیس افسر کو تلوار کی گھاٹ اتارا جائے۔ وہ جو ہمارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتا۔ ہماری کامیابی کے لئے درگاہ رب العالمین سے دعا مانگے۔ جب تک یہ والی قید حیات میں ہے۔ ہم مصیبت میں ہیں۔ یہ لعنتی والی ادن علے کے جہازوں کا بھی انتظام کرنا چاہتا ہے۔ جو مصر کی طرف سے آتے ہیں۔ اور کیا تم کو یاد نہیں۔ اس نے مکہ شریف کے بیٹوں اور اس کے غلاموں کے سر تن سے جدا کر کے شہر میں تقسیم کئے۔ یہ افعال کس قسم کے ہیں۔ پس جو شخص اس موذی کو ہلاک کرے گا۔ بغیر کسی حیل و حجت کے جنت میں سیدھا جائے گا۔ شہر کے چار حصوں میں تقسیم کرنے کی اور کوئی غرض نہیں۔ سوائے اس کے کہ شہر پر زیادہ ٹیکس لگائے۔ چنانچہ اس نے یہی کونسل میں یہی کہا تھا۔ "وحمیت الاسلام"

جن لوگوں نے عثمان پاشا کے قاتل کے لئے جنت کا وعدہ کیا تھا۔ انہوں نے پھر اس کے جانشین صفوت پاشا کے عہد گورنری میں علم بغاوت بلند کیا اور

جب تک اہل مکہ میں یہ سپرٹ قائم رہیگا۔ وہ برابر بغاوتوں پر بغاوت کرتے جائینگے وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ جب ترک قسطنطنیہ سے محروم کر دیئے گئے۔ تو وہ مکہ کو اپنا دارالسلطنت بنالیں گے۔ وہ اہل حجاز کی مزاجوں سے واقف نہیں ہیں وہ مکہ کو سوائے شریفوں کے اور کسی کے قبضہ میں نہ آنے دیں گے۔ (مگر اب کون قائل ہے۔ مترجم) اور بدو قبائل کی تو یہ حالت ہے۔ کہ حاجیوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ اور قسطنطنیہ سے وظائف پاتے ہیں۔ پھر جاکر کہیں امن و امان سے رہتے ہیں۔ چار دس سال قبل ازیں جتنے حاجی آتے تھے۔ اب نہیں آتے۔ وہ سچ پوچھو تو حجاز میں ترکوں کی حکومت چند روز کی مہمان ہے۔

حجاز اور یمن کے درمیان عسیر کا علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ قدیم الایام سے بہادر اور دلیر چلے آتے ہیں۔ پہاڑوں پر رہتے ہیں اور آزادی کی ہوا کھاتے ہیں مذہباً ان کا زیدی مذہب ہے۔ اور سنیوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں۔ ایک کریلا دوسرا نیم چڑھا۔ پہلا ایک آزادی کے دلدادہ دوسرے شیعہ وہ ترکوں کو کیس طرح پسند کر سکتے ہیں۔ وہ ان کے جانی دشمن ہیں۔ جنوب کی طرف عثمانیہ حکومت کو توسیع دینے اور یمن کو فتح کرنے کے لئے عسیر میں سے گذرنا ضروری تھا۔ ۱۸۱۳ء سے لے کر ۱۸۲۷ء تک ترکوں نے عسیر پر چھ حملے کئے۔ مگر یہاں کے بہادر باشندوں نے ان کو مار کر ہٹا دیا۔

۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۴ء میں پھر کوشش کی گئی۔ ۱۲ اگست ۱۸۳۴ء کو سخت خونریز لڑائی ہوئی جس میں ترکوں نے فتح پائی۔ مگر عربوں نے ترکی فوجوں پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ اور بخار اور کئی بیماریاں ترک سپاہ میں پھیل گئی۔ آخر ستمبر میں ترکوں کو عسیر سے واپس جانا پڑا۔ ۱۸۳۷ء میں پھر کوشش کی گئی۔ اس دفعہ ترکوں کو پہلی کی نسبت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ آج تک تہامہ اور رودہ کے درمیان جو علاقہ ہے۔ بالکل آزاد ہے۔ اگرچہ نقشوں پر اسکو ترکی علاقہ دکھایا گیا ہے۔ ترک سپاہی حسنا کے پہاڑ تک تو لڑنے میں شیر ہیں مگر جب عسیر کا نام سنتے ہیں۔ جھٹ شیر سے روباہ بنجاتے ہیں۔ یمن میں ترکوں کی سرگذشت ابھی کل کی بات ہے۔ ۱۹۲۰ء میں عربوں نے ترکوں کو یمن سے نکال دیا

سنہ ۱۸۷۲ء سے پہلے ترکوں نے یمن کے دارالخلافہ میں پاؤں تک نہیں رکھا تھا۔ ۱۸۶۲ء
میں یمن کا امام امن امان سے صنعا کے محل نالکوں کی سی زندگی بسر کرتا تھا۔ عرب
اس کو روحانی سلطان مانتے تھے مگر اس کے زیر نگیں جو قبائل تھے ہمیشہ ہی
لوٹ مار مچاتے رہتے تھے۔ حالت دن بدن نازک ہوتی گئی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی
کہ تجارت بالکل بند ہو گئی۔ صنعا کے تجار و سوداگر بڑے ذلت و مصیبت میں مبتلا
ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ موجودہ حالت میں تو وہ بالکل تباہ و برباد ہو
رہے ہیں۔ انہوں نے ترکوں سے درخواست کی کہ شہر پر قبضہ کر کے ہماری
جان عذاب سے بچاؤ۔ ایسا کرتے وقت ان سوداگروں نے کاشتکاروں سے
مشورہ نہیں لیا۔ ورنہ وہ یہی کہتے کہ خدا کے واسطے ترکوں کو ملک میں
نہ آنے دو۔

اس وقت ترک الجزیرہ کو محفوظ کر رہے تھے۔ اور عسیر کو فتح کر کے
حجاز کے بدوؤں کو رام کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ موقع خدا داد ان کے
جھپاٹ سے اوٹھے اور ایک مہم روانہ کر دی۔ ماہ مارچ ۱۸۷۲ء میں احمد مختار پاشا
کے ماتحت ایک فوج حدیدہ میں پہنچی۔ ۲۵ اپریل کو ۲ ہزار فوج صنعا میں
داخل ہوئی۔ شہر نے بغیر مقابلہ کے پھاٹک کھول دیئے۔ اب سارے ملک کو
مطیع اور فرمانبردار بنانے کی کارروائی شروع ہوئی۔ ایک مہم صنعا کے شمال
میں کوکبان کی طرف۔ دوسری جنوب میں آنس کی طرف۔ تیسری قعطبہ اور لحج
کی طرف روانہ کی گئی۔ عدن میں انگریزوں کی موجودگی کے سبب جنوب کی طرف
فتوحات کا سیلاب ختم گیا۔ جب ترکی فوجیں سلطان لحج کے علاقہ میں داخل
ہوئیں۔ چونکہ اس سلطان کا انگریزی گورنمنٹ سے عہد نامہ ہو چکا تھا۔ عدن
کے انگریز ریذیڈنٹ نے فوراً توپ خانہ اور رسالہ بھیجا کہ لحج پر قبضہ
کیا جائے۔ اسی وقت انگریزی گورنمنٹ نے باب عالی سے شکایت کی جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ ماہ دسمبر ۱۸۷۳ء میں ترکی فوجیں لحج کو خالی کر گئیں۔ ۱۸۹۱ء
میں جنوبی یمن کے لوگوں نے ترکی حکومت کے برخلاف آتش بغاوت مشتعل
کی۔ مگر جلد ہی یہ فرو کر دی گئی۔ جب فوج نے صنعا پر قبضہ کر لیا۔ امام کو معزول

کیا گیا۔ مگر چونکہ عربوں میں اُسکا مذہبی اثر تھا۔ اُس کو اس شرط پر۔ کہ ترکی حکومت کا خیر خواہ ہے۔ سالانہ وظیفہ دیکر شہر میں ہی رہنے دیا گیا۔ اس امام نے اپنی زندگی تک اپنے وعدہ کا ایفا کیا۔ اور مرتے دم تک ترکی حکومت کا ہوا خواہ رہا۔ اس کی وفات پر امامت کا حق اُس کے ایک رشتہ دار احمد الدین کو ملا۔ وہ ایک سست اور نکما سا آدمی تھا۔ ترکوں سے پنشن لینے پر قانع رہا۔

ترکوں کے وقت سے صنعا میں ترقی و تہذیب بھی پھیلی ہے۔ اور تجارت نے بھی فروغ حاصل کیا ہے۔ ملک کو چند اضلاع اور تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا۔ کاشتکاروں پر ٹیکس محصول لگائے گئے۔ بیگار کے ذریعہ فوجی سڑکیں بنوائی گئیں۔ وہ پہاڑی قبائل۔ جو اماموں کے وقت بالکل آزاد تھے۔ اب اُن کی حالت غلاموں سے کچھ ہی بہتر ہے۔ ٹیکسوں نے ان کو برباد کر دیا ہے۔ اور ترکوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور جب موقع پاتے ہیں آتش بغاوت مشتعل کر دیتے ہیں۔ انکی ناراضگی یہاں تک عالمگیر تھی۔ کہ جو قافلے عدن میں آتے تھے۔ اس بات کا ذکر کرتے تھے۔ بلا مبالغہ ہیں جب میں یمن میں گیا۔ تو عدن اور اس میں زمین و آسمان کا فرق پایا۔ جب کبھی بغاوت ہوتی ہے۔ ترک کہتے ہیں۔ انگریزوں نے کرائی ہے۔ اور وہ ٹھیک ہیں۔ کیونکہ جو یمنی عدن میں آکر دیکھتے ہیں۔ کہ آزادی اور قانون پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ وہ یمن میں ترکوں کی جابرانہ حکومت کو برداشت نہیں کرتے۔ ۱۹۰۴ء میں ۴۰۰ ترک سپاہی بن مروان سے جو حدیدہ کے شمال میں رہتے ہیں۔ ٹیکس وصول کرنے کے لئے گئے تھے۔ عربوں نے ان سپاہیوں کو گھیر کر فنا کر دیا۔ جہاں کہیں یہ خبر پہونچی۔ لوگ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ قبائلی پرچم جو مدت سے بند پڑے تھے۔ پھر ہوا میں لہرانے لگے۔ اور جبل و دشت سے یہی صدا آنے لگی کہ "ہمارا امام مدت تک زندہ رہے"۔ ترکوں کے برخلاف اعلان جہاد کیا گیا۔ اور احمد الدین کو بھی سر اٹھانے پر مجبور کیا گیا۔ جب بغاوت پھوٹی۔ اُس وقت سارے یمن میں ۱۵۰۰۰ ترک سپاہی تھے۔ اور ان میں بھی ہیضہ کی وبا نمودار ہوئی تھی۔ اگرچہ ان سپاہیوں کو خوراک پوشاک اچھی نہ ملتی تھی اور ان کی تنخواہیں بھی بقایا میں تھیں۔ اور سپاہی قریہ میں برسات کے موسم میں خراب خستہ مکانوں میں رہتے تھے۔ پھر بھی اپنے

افسروں کے حکم کی تعمیل میں خود بے جگری سے لڑے اور وہ دادِ مردانگی دی کہ
جس نے سنا، آئینہ سا حیران رہ گیا۔ آخر صنعا سے بھاگ گیا۔ دوسرے دن یمنی عربوں
کی ایک بڑی جمعیت نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ وہ تمام شہر جن کے گرد فصیل نہ تھی۔
بآسانی تمام باغیوں کے قابو آ گئے۔ چھوٹی سی لڑائی کے بعد [illegible]
سے لیلہ، عبس، حیلہ، تائز اور یریم باغیوں کے ساتھ مل گئے۔ فتح کے بعد عربوں نے
اپنے دشمنوں سے عمدہ سلوک کیا۔ بہت سے سپاہیوں کو رستہ بھی دیا تاکہ
وہ عدن پہونچ سکیں۔

اس اثنا میں صنعا اور حدیدہ سے مدد کے لئے قسطنطنیہ کیطرف تاریں بھیجی
گئیں۔ سارا یمن سوائے دار الخلافہ اور حدیدہ کے شمال میں دو چھوٹے سے قصبوں
کے باغیوں کے قبضہ میں آگیا۔ ملک کے سابق گورنر احمد فیضی پاشا کے ماتحت ایک
فوج حدیدہ میں پہونچی۔ یہ فوج حدیدہ کے شمال میں چند قریوں پر گولہ باری
کرنے کے بعد صنعا کو خلاصی کرنے کے لئے آگے روانہ ہوئی۔ بغیر کسی مزاحمت کے
یہ فوج مناخہ تک پہنچ گئی۔ اور شہر کو حملہ کر کے فتح کیا۔ توڑے دار بندوقیں اور بے قاعدہ
انبوہ۔ میدانی توپوں اور باقاعدہ تربیت یافتہ سپاہیوں کا مقابلہ نہ کر سکی۔ فوج
سے تیس میل آگے ایک تنگ جگہ پر باغیوں نے سید الشہری کے ماتحت۔ احمد
فیضی پاشا کی فوج کو روکنے کی کوشش کی۔ بارہ دنوں تک توپ خانہ۔ فوج پیدل
اور رسالہ کے متواتر حملوں کے باوجود باغی اپنی جگہ پر قائم رہے۔ آخر ان کو وہاں
سے ہٹ کر پہاڑوں میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ ڈبل کوچ کر کے فوج صنعا پہونچی
اور شہر پر قبضہ کیا۔ ملک میں فوجی قانون جاری کیا گیا۔ اور باغیوں کا قتل عام
شروع ہوا۔ باغیوں کے سروں کے لئے انعام مشتہر کیا گیا۔ سروں سے بھرے
ہوئے اونٹ ہر روز صنعا کیطرف آتے۔ سپاہیوں نے قریوں میں لوٹ مار کا بازار
گرم کر دیا۔ بغاوت کو فرو کرنے میں دنیا کی کوئی قوم ترکوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر افسوس
ہے کہ ترک ایسے موقع پر کسی کو آنے کی اجازت نہیں دیتے

سنہ ۱۹۰۵ء کی ماہ جنوری کے اخیر یمن کے تمام شہروں پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا
اور سڑکیں آمد و رفت کے لئے کھل گئیں۔ مگر بغاوت کا سیرت قائم رہا۔ اور [illegible]

پہاڑی ناقابل عبور پہاڑیوں میں مزید صلاح و مشورہ کے لئے چلے گئے۔ وہ تار برقی کی تاریں کاٹ دیتے۔ سڑک پر جہاں ترک سپاہی دیکھتے بندوق کا نشانہ بنا دیتے اور ایک دفعہ تو انہوں نے بارود سے پاشا کے مکان کو اڑا دینے کی کوشش کی تھی۔ ۱۸۹۶ء ۱۹۰۵ء میں پھر بغاوت ہوئی۔ اس بغاوت کے متعلق ساحل پر جو خبریں موصول ہوئی تھیں۔ وہ مظہر ہیں۔ کہ بغاوت بڑی سخت ہے۔ ترکی سرکاری نقشوں پر یمن کی حد تک [illegible] طرف [illegible] سے ملتی ہے۔ اور مشرق کی طرف صنعا سے کئی میل آگے تک چلی گئی ہے۔ مگر یہ نقشے بھی ٹھیک نہیں اور شراب بھی ہے پر صنعا سے ۲۵ میل پرے شمال اور مشرق میں ترکی پاشا پیر [illegible] کا کوئی پیدا ہی نہیں کرتا اور وہی کوئی شخص اس حد سے پرے محصول وصول کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ یمن میں ترکی کا آئندہ زمانہ میں کیا حال ہوگا۔ اس کے متعلق کوئی ایک رائے قائم کرنا از بس مشکل ہے۔ اگر اور بغاوت ہوئی۔ تو خیال ہے۔ سلطان صلح آمیز پالیسی اختیار کرے گا۔ مگر یمن قسطنطنیہ سے اتنی دور ہے۔ کہ وہاں سے یہاں کی حکومت کرنا سہل کام نہیں۔ پاشا لوگوں کا خون چوس چوس کر اپنا گھر بھر رہا ہے۔ اور سپاہی جن کو تنخواہ تو ملتی نہیں۔ رعایا کو لوٹ لوٹ کر اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ جب ایک پاشا اپنے کیسے بھر کر لے گیا ہے۔ اس کا جانشین بھی اگر ایسا کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو ہو کر کھائیگا۔ جب تک ترک صنعا پر قابض ہیں۔ یمن بغاوتوں کا گھر بنا رہیگا۔ جیسا اپنے واسطے نہیں ہٹا سکتا۔

اب ہم توجہ شمال مشرقی عرب کے ترکی مقبوضات اور مفتوحہ علاقہ جات کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ ترکوں نے بغداد کو ۱۶۳۸ء میں فتح کیا تھا۔ اور اسی وقت سے وہ شہر ترکی صوبہ کا صدر مقام ہے۔ یہاں یہ مثل مقبول ہے کہ آج تک کون کون پاشا یہاں آیا۔ اور بدوؤں کو رام کرنے کے لئے کیا کیا کوشش کی گئی۔ ۱۸۳۰ء میں الجزیرہ میں طاعون نمودار ہوا۔ اور جب یہ وبا پورے زور پر تھی۔ ایک رات کو دریا اپنے کناروں سے اچھل آیا۔ اور ۱۵۰۰۰ آدمیوں کو غرق کر گیا۔

۱۸۸۴ء میں بصرہ کی ولایت سے بغداد جدا کر دی گئی۔ چنانچہ اب تک وہاں کا گورنر جدا ہوتا ہے۔ ان ہر دو صوبوں میں اصل ترکی حکومت کی جاتی ہے۔ انگریز

میں ترکوں کو کسی مشکل کا سامنا نہیں پڑتا۔ ہاں کبھی کبھی شفیق عرب علم بغاوت بلند کر دیتے ہیں۔ ترک ان صوبوں کی ایسی قدر کرتے ہیں۔ کہ اگر کوئی ان کا نام لے تو زبان کاٹ دیں۔ ۱۸۹۱ء میں سرکاری ترکی رپورٹ کے مطابق بغداد کے ٹیکسوں سے ۴۰۳۴۶۲۲ ترکی پونڈ وصول ہوئے۔ بغداد میں یہ ٹیکس ہیں۔ ہر عرب خیمہ پر ٹیکس۔ فوجی خدمت سے بریت کا ٹیکس، بھیڑ بکریوں پر ٹیکس، اونٹ پر ٹیکس۔ نمک پر ٹیکس۔ ماہی گیری پر ٹیکس۔ خاص خاص مراعات پر ٹیکس۔ جہازرانی پر ٹیکس۔ آبپاشی پر ٹیکس عدالتوں سے ۵۰۰۰ پونڈ سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ یہ تمام جائز و عام ٹیکس ہیں افسر جو رشوت اور بخششیں لیتے وہ جدا ہے۔ (راجی صاحب یہ رشوت اور بخششیں کہاں نہیں ہوتیں۔ اپنا منہ گریبان میں ڈالو۔ اور سوچو۔ مترجم) الجزیرہ کے تمام لوگ مسلمان یہودی۔ عیسائی ترکوں کی جابرانہ حکومت سے تنگ آگئے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی اصل راز افشا کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ جابرانہ حکومت کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور اس کو صبر سے برداشت کرتے ہیں (تنگ آنا اور عادی ہو جانا دو متضاد باتیں ہیں۔ پادری صاحب جھوٹ بولنے کے لئے بھی ہنر چاہیئے۔ مترجم) البتہ بدو قبائل یا تو دریاؤں کے کناروں پر آباد ہو کر سیفیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یا بالکل آزاد ہیں۔

شمالی عرب میں ترکی قبضہ خلیج فارس سے خط خلیج عقبہ تک بتایا جاتا ہے مگر یہ خط بالکل فرضی ہے۔ دریائے فرات کے جنوبی کنارہ سے پرے ترکی حکومت کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ کربلا سے لیکر جبل مروان تک اور حوران کا علاقہ بالکل آزاد ہے۔ بغداد اور بصرہ کے پار دریا کے کنارہ پر بھی جو شہر آباد ہیں۔ ان پر خانہ بدوش قبائل چھاپے مارتے رہتے ہیں۔ اور شہروں کی حفاظت کے لئے کنارہ پر ترکی سپاہی متعین ہیں۔ دو سو سال سے ملک میں فوجی حکومت ہو رہی ہے۔ مگر خانہ بدوش بدستور خانہ بدوش ہی ہیں۔ چھٹی ترکی جیش کا کمانڈر۔ انجنیئر بغداد میں رہتا ہے۔ اور قدیم خلفاء کے شہر میں سپاہیوں کی بارکیں بنی ہوئی ہیں۔ ترکی میں ہر مسلمان ۲۰ سال کی عمر میں فوجی خدمت کا مستوجب ہے۔ فوجی خدمت کی میعاد ۱۲ سال ہے۔ غیر مسلم چند شلنگ ٹیکس فوجی خدمت کے عوض میں ادا کرتے

ہیں۔ فوج - فوج نظام (باقاعدہ) ردیف (ریزرو) اور مستحفظ (یا نیشنل گارڈ) پر مشتمل ہے۔

فوج پیدل مارٹن ہنری پاڈی رائفلوں سے مسلح ہے۔ مگر الجزیرہ میں پرانی قسم کی بندوقیں بھی رائج ہیں۔ ترک سپاہی کی زندگی اچھی نہیں ہے اور کوئی سپاہی بہ مرضی خود گورنمنٹ کی حمایت میں نہ لڑے (جنگ یونان کے متعلق اپنے عیسائی بھائیوں کے بیانات ہی پڑھ لیجئے کہ سپاہی تو درکنار مرد ایک طرف عورتیں تک مردانہ بھیس بدل کر لڑتی رہی اور لڑ رہی ہیں۔ مترجم)

خلیج فارس اور دونوں دریاؤں میں ایک ترکی کروزر اور ایک گن بوٹ ہے۔ ولبس۔ (اب چند سالوں سے حضرت سلطان المعظم کی توجہ بحری قوت کی طرف مبذول ہے۔ کئی جہاز بن چکے ہیں۔ کئی بن رہے ہیں۔ اور کئی ایک کے ابھی اجارے دئے گئے ہیں۔ پادری صاحب اطمینان رکھئے۔ اب وہ وقت گذر گیا ہے۔ کہ ایک جہاز بھیج کر کویت پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی یا ایک بیڑہ بھیجا۔ اور ساحل عرب پر گولہ باری کردی۔ مترجم)

جب فیصل کے دو بیٹوں میں تنازعہ ہوا۔ ایک نے ترکی سے مدد مانگی مدد کیا ہی حسا اور قاطف کا سلطنت عثمانیہ میں الحاق تھا (۱۸۷۲) اُس وقت سے حسا بصرہ ولایت کا ایک حصہ ہے۔ اور جو پاشا ہاف ہوف میں رہتا ہے۔ اُس کو نجد کا متصرف پاشا کہتے ہیں۔ جب سے ترکوں نے حسا پر قبضہ کیا ہے۔ دنگا اور فساد ہی جاری رہتا ہے۔ جس طرح نجد میں راستے محفوظ ہیں یہاں اون کا نشان تک نہیں۔ سارے علاقہ پر اُداسی چھائی ہوئی ہے موتی نکالنے پر اتنا بھاری محصول ہے۔ کہ بہت سے لوگ بھاگ کر بحرین کی طرف آگئے ہیں۔ جزیرہ نما قطار میں ایک ترکی فوج مقیم ہے۔ مگر پھر بھی عرب قبائل آپس میں خون خرابہ کرتے ہی رہتے ہیں۔ گورنمنٹ عثمانیہ نے ہاف ہوف اور بصرہ دمشق اور بغداد کے درمیان پوسٹ سروس (ڈاک خانہ) کا انتظام قائم کیا ہے۔ مگر دونوں راستے مخدوش ہیں۔ اور ڈاک نہایت سستی سے

پہونچائی جاتی ہے۔ تار و ف سوست کے بہت سے سوداگر بحرین کے انگریزی ڈاک خانہ سے کام لیتے ہیں۔ اور سرکاری عہدہ دار بھی انگریزی ڈاکخانہ سے مستفیض ہوتے ہیں۔

نصر من اللہ و فتح قریب

چار جھنڈے جو عرب پر لہرا کرتے ہیں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نجد کا جھنڈا

وہابیوں کا جھنڈا

عرب

انگریزی جھنڈا

عثمانیہ جھنڈا
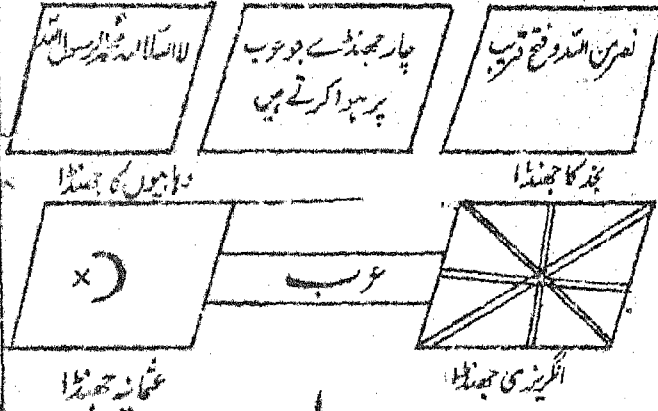
بائیسواں باب

عرب میں انگریزی اقتدار

جواب میں عمر رسیدہ عرب نے کہا۔ انگریز چیونٹیوں کی طرح ہیں۔ کہ اگر ایک کو گوشت کا ٹکڑا ملتا ہے تو سینکڑوں اس کے پیچھے ہو لیتی ہیں۔ (امین ریحانی)

"عمان کو در اصل انگریزوں کی ایک ماتحت ریاست سمجھنا چاہیئے۔ ہم یہاں کے حکمران کو وظیفہ دیتے ہیں۔ یہاں کی پالیسی کو اپنے ڈھنگ پر چلاتے ہیں۔ ہم کسی کو اس کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنے دیتے۔ میرا خیال ہے۔ کہ وہ وقت نزدیک ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب انگریزی پرچم مسقط کے قلعوں پر لہراتا نظر آئے گا۔ اگر خلیج فارس میں روس کو کوئی بندرگاہ دیا گیا تو میں اسکو انگلستان کی ہتک اور جنگ کا پیش خیمہ سمجھوں گا۔ اگر کسی انگریز وزیر نے روس کو ایسی رعایت دی۔ تو میں اسکو

ہے۔ عدن ایک بڑا تجارتی شہر ہے۔ اور دنیا میں جہازوں کا ایک عظیم الشان قیام گاہ ہے۔

جنوبی عرب میں ٹرکی کی مزید پیش قدمی کو روکنے کے لئے یہ ایک عمدہ ذریعہ ہے اس نے سارے عرب اور افریقہ کے ساحل میں عمدہ گورنمنٹ کا نمونہ پیش کر دیا ہے۔ عدن پولیٹیکل طور پر گورنمنٹ بمبئی کا ماتحت ہے۔ ایک ریذیڈنٹ اور اس کے دو نائب اس پر حکومت کرتے ہیں۔ نہر سویز کے جاری ہو جانے سے اس کی تجارت میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ جدید ہیں ترکوں کے بھاری محصول کی وجہ سے یمن کے قافلے اب عدن کی طرف آنے شروع ہو گئے ہیں۔ جزیرہ سقوطرہ اور جزائر کوریا ماریا اور افریقہ ساحل سومالی لینڈ گورنمنٹ عدن کی ماتحت ہیں۔ سقوطرہ کا رقبہ ۱۳۸۲ میل اور اس کی آبادی ۱۲۰۰۰ نفوس کے قریب ہے۔ ۱۸۸۶ء میں یہاں کے سلطان سے ایک عہدنامہ ہوا جس کی رو سے یہ انگریزوں کی حفاظت میں آگیا۔ جزائر کوریا ماریا سلطان مسقط سے بحیرہ قلزم کے سلسلہ تار کو خشکی پر لانے کو لئے لئے گئے تھے۔ یہ جزیرے تعداد میں پانچ ہیں۔ کامران کا جزیرہ بھی انگریزوں کے ماتحت سمجھا جاتا ہے۔ (بالکل غلط۔ کامران کا علاقہ سلطنت ٹرکی کے ماتحت ہے تعجب ہے کہ پادری ہو کر یہ شخص ایسی باتوں میں بھی سفید جھوٹ بولتا ہے۔ مترجم) یہ جزیرہ حدیدہ کے شمال میں بفاصلہ چند میل بحیرہ قلزم میں واقع ہے۔ طول میں پندرہ میل اور عرض میں پانچ میل ہے۔ اس میں سات چھوٹے چھوٹے قصبے ماہی گیروں کے ہیں۔ مگر اس کی بندرگاہ خوب محفوظ ہے۔ اور جو حاجی ہند کے جنوب سے آتے ہیں۔ ان کو یہاں قرنطینہ میں رکھا جاتا ہے۔

اگرچہ ترکی حکومت جزائر بحرین پر ابھی تک دعویٰ کرتی ہے اور وہاں کا حاکم اپنے آپ کو خود مختار سمجھتا ہے۔ مگر دراصل وہ انگریزوں کے تصرف میں ہیں۔ (اجی ویسے باتوں باتوں میں تو ساری دنیا ہی عیسائیوں کی ہے۔ گھر بیٹھے کونسا ملک ہے جن کی عیسائیوں نے تقسیم نہیں کر رکھی۔ باتیں بنانا کچھ اور ہے۔ کر دکھانا کچھ اور ہے مترجم)

اگر ۱۸۶۸ء میں موجودہ حکمران شیخ عیسیٰ کو انگریز مدد نہ دیتے تو وہ کبھی برسر حکومت نہ ہوتا۔ ۱۸۶۸ء میں اس کے رقیب ہندوستان میں جلا وطن کئے گئے

اور وہ قانونی طور پر انگریزوں کی جماعت میں آگیا۔ بوشہر کا پولیٹیکل ریذیڈنٹ ان جزائر پر اتنی ہی نگرانی رکھتا ہے جتنی کہ سیاسی طور پر مناسب اور ضروری ہے۔ ۱۷۹۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جزیرہ پیرم پر جو بحیرہ قلزم کے جنوبی گوشہ پر آباد ہے قبضہ کرکے ایک فوج متعین کر دی۔ مگر اس وقت فوجی قبضہ رکھنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ اور فوج واپس بلالی گئی۔ ۱۸۵۷ء میں پھر اس پر قبضہ کیا گیا۔ ۱۸۶۱ء میں لائٹ ہاؤس (روشنی کا مینار جو جہازوں کی رہنمائی کے لئے بنایا جاتا ہے۔ مترجم) مکمل کیا گیا۔ اور فوج کے لئے بارکیں بنائی گئیں۔

عرب میں جو مصری مقبوضات ہیں، وہ انگریزی ہی سمجھنی چاہئیں۔ کیونکہ خود مصر انگریزی حفاظت میں ہے (مصر کو تو پادری صاحب نے تر نوالہ سمجھ لیا ہے۔ حضرت نگلتے وقت یہ حلق میں ایسا اٹکے گا۔ اور ایسا چبھے گا کہ جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ ابھی تیل دیکھئے تیل کی دھار دیکھئے۔ ذرا صبر کیجئے۔ آپ کو معلوم ہو جاوے گا کہ مصر کی قسمت میں کس کا زیر حفاظت ہونا لکھا ہے۔ مترجم) مصر پر انگریزی قبضہ کے وقت سے جزیرہ نما سینا اور بحر قلزم کا عرب ساحل جو قریباً ینبوع تک چلا جاتا ہے۔ ہز سوئز گورنر جنرل کے ماتحت ہے۔ انگلستان کے ہاتھ میں نہ صرف عرب کے ساحلوں کی کلید ہی ہے بلکہ عرب کے سمندروں پر بھی اس کا بول بالا ہے۔ جس طرح پرتگیزوں کے ماتحت ڈچوں نے خلیج فارس میں عروج حاصل کیا۔ اسی طرح ڈچوں کے بعد انگریزوں نے اقتدار حاصل کیا۔ (دیکھئے انگریزوں کے بعد کس کا اقتدار ہوتا ہے۔ خدا کرے انگریزوں کا ہی رہے۔ مترجم)

سترہویں صدی کے آغاز پر ایسٹ انڈیا کمپنی عدن اور موخا پر محدود تھی۔ ۱۷۶۳ء میں انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی بندر بک کو شہر کے شمال اور بعد ازاں خود بوشہر میں قائم ہو گئی۔ ڈچ بوریا بستر باندھ کر رفوچکر ہوئے۔ خلیج فارس کے شمال میں جو جزیرہ کھرک ہے اس پر ۱۸۳۸ء اور ۱۸۵۳ء میں دو دفعہ انگریزوں نے قبضہ کیا۔ ۱۸۵۶ء میں بوشہر اور محمرہ پر گولہ باری کرنے کے بعد کشیدگی رفع ہو گئی۔ اور کھرک خالی کر دیا گیا۔ خلیج کے جنوبی حصہ میں جزیرہ قشم اس صدی کا بہت سا حصہ انگریزوں کا فوجی اور بحری سٹیشن رہا ہے پھر دارستان اور بالآخر کئی سالوں تک باسعیدو انگریزوں کے قبضہ میں رہا ہے

آب ہوا کی ناموافقت کے سبب ۱۸۷۰ء میں انگریزی فوج یہاں سے واپس بلالی
گئی۔ مگر یہ جزیرہ ابھی تک انگریزوں کے قبضہ میں سمجھا جاتا ہے۔ ۱۶۲۲ء میں ایرانیوں
اور انگریزوں نے مل کر پرتگیزوں کو ہرمز سے نکالا۔ اور لیدانان ڈچوں نے فرانسیسیوں
سے ملکر گومبرون (اسکو اب بندر عباس کہتے ہیں) میں ایک تجارتی کوٹھی کھولی
۱۵۲۹ء میں انگریزی کمپنی نے بصرہ میں ایک شاخ کھولی۔ اور خلیج کے متعلق قریباً سدا
کاروبار وہاں سرانجام پانے لگا۔ ۱۸۶۹ء میں جاسک میں ایک تار گھر بنایا گیا۔ اور کچھ
انگریز افسر اس میں متعین کئے گئے۔ اس مقام پر انڈو یورپین کی بحری تاریں ملتی ہیں
اور ہندوستان کو خلیج سے ملاتی ہیں۔ ۱۸۲۲ء سے عمان کی ریاست انگریزوں کی بحری
طاقت کے زیر اثر ہے۔ عمان میں جب کبھی کوئی خطرناک جھگڑا ہوا۔ تو انگلستان ہی نے
اس کا فیصلہ کیا۔ ۱۸۶۱ء میں ایک انگریز کمشنر نے عمان اور زنگبار کی ریاست
کے متعلق دو دعویداروں میں فیصلہ کیا۔ اس وقت تک عمان اور زنگبار ایک ہی ریاست
تھی۔ انگریز نے ان کو جدا جدا کر دیا۔ ۱۸۷۳ء سے مسقط کا سلطان انگریزوں سے
وظیفہ لیتا ہے۔ راس مسندم کے نزدیک عرب کے ساحل پر انگریزوں نے ۱۸۶۴ء
میں کراچی سے خلیج تک سلسلہ تار بڑھاتے ہوئے ایک جگہ جس کو ٹیلیگراف کا ٹاپو کہتے
تھے۔ ایک دفعہ قبضہ کیا۔ پانچ سال بعد یہ جگہ بجائے جاسک لے لیا۔ ۱۸۲۰ء سے
لیکر ۱۹۲۰ء تک انگریز خلیج کے لٹیروں سے بحری معرکہ آرائیاں کرتے رہے۔ اس وقت سے
خلیج میں ڈاکہ زنی بند ہو گئی ہے۔ انگریزوں کے بحری اقتدار سے بحرین میں امن قائم
ہوا۔ اور ۱۸۲۰ء میں وہاں کی حکومت انگریزوں کی حفاظت میں آئی۔ ۱۹۰۷ء میں بقول
لارڈ کرزن وہاں کے لوٹیرے کی طرح مکار حکمراں نے عہدنامہ کو توڑ دیا۔ جس پر گولہ باری
ہوئی جس سے انگریزی طاقت کی دھوم مچادی۔ ۱۸۲۱-۲۲ء میں بصرہ کے انگریز ریذیڈنٹ
کا ہیڈ کوارٹر کویت میں تھا۔ اسوقت کویت ٹرکی کے زیر حفاظت تھا۔ مگر اب بالکل انگریزوں
کی حمایت میں ہے۔ اور اس سے بھی خلیج فارس میں انگریزوں کے بحری اقتدار کا یہ ثبوت
ملتا ہے (کویت انگریزوں کی زیر حمایت نہیں ہے۔ بلکہ ابھی تک اسپر ٹرکی کا حق باقی
تسلیم کیا جاتا ہے۔ مترجم) فاؤ بصرہ بغداد میں بھی انگریزی گورنمنٹ امن قائم کرنے
میں مدد دیتے ہیں۔ یا کم از کم کچھ اختیار رکھتے ہیں۔ (ابھی کہہ بیٹھے جانے خدائی

اختیارات سے تو کون روکتا ہے۔ مگر یاد رہے۔ بدنیتی اور نخوت خدا کو نہیں بھاتی۔ ایک دن لوٹے آپ ہی ہونے۔ آخر ایک دن ان غلط کاریوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا۔ مترجم) المختصر یہ کہ انگلستان خلیج فارس کے تمام ساحلوں وانصاف کے بلڈروں کو ایک تول پر کھتا ہے۔ تجارت بوجہ اس کی حفاظت کے بالکل محفوظ ہے۔ انگلستان نے عربوں کو بتایا۔ کہ لوٹ مار کرنا لوٹ مار کرنے والوں کے لئے بھی خطرناک ہے۔ چنانچہ وہی لوگ جو کبھی بردہ بار اور غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ اب ماہی گیری کرتے ہیں۔ اور موتیوں کے لئے سمندروں میں غوطہ زنی کرتے ہیں۔ انگلستان کو پانی کی طرح روپیہ اور خون بہانے سے یہ بات حاصل ہوئی ہے۔

خلیج کے مختلف بندرگاہوں پر انگریز سپاہیوں اور ملاحوں کی قبریں دیکھو اس بات کی صداقت خود بخود ہو جاوے گی۔ کامن گزٹ میں ابھی ابھی ایک مضمون شایع ہوا ہے جس سے خلیج فارس اور مشرقی عرب میں انگریزی اقتدار کا پتہ لگتا ہے۔ مضمون یہ ہے۔

"عمان پر انگریزوں کی حمایت۔ اور وہاں کے سلطان کی حرکات پر ان کی نگرانی۔ بحرین پر ان کا اقتدار۔ ابنائے ہرمز میں جزیرہ قشم میں ان کے کوئلہ کا اسٹیشن۔ بوشہر میں ایک پولیٹیکل ایجنٹ کی موجودگی۔ جو ٹرشیل لیگ کی مدد سے ترک۔ عرب اور ایرانی سرداروں کے جھگڑے فیصل کرتا ہے۔ ان باتوں سے خلیج فارس میں انگریزوں کے اقتدار کا ثبوت ملتا ہے۔

اس لیگ (پنچایت) کے ذریعہ انگریزوں کو مداخلت کا بہانہ مل جاتا ہے امن کا قایم رکھنا۔ اور خلیج کی حفاظت کرنا تو صرف عذر بدتر از گناہ ہے۔ ...... خلیج فارس میں جتنے حادثات۔ اور واقعات ہوتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر اس لیگ سے ان کا کوئی تعلق یا واسطہ نہیں ہوتا۔ مگر ہوتے اس کی بدولت ہیں۔ رقابت حسد اور نفرت کی ڈوریاں بوشہر کے ریذیڈنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ روس ان باتوں سے بے پروائی کرنے میں غلطی پر ہے۔ چونکہ ان باتوں میں اس کو انٹرسٹ ہیں اور ہونے چاہئیں۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ کہ انگریزی ایجنٹوں نے روسی اغراض

کو نقصان پہونچایا۔ اور روس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ بغداد کا روسی قونصل
اپنے انگریز ہمعصر کے مقابلہ میں ہوشیاری اور چالاکی سے کام نہیں لیتا۔ جنوبی ایران
خلیج۔ مشرقی عرب۔ اور عمان کا علاقہ انگریزی احاطہ اقتدار میں شامل ہو گئے ہیں۔
ان باتوں کا سرکاری طور پر اعلان نہیں کیا گیا۔ مگر دراصل صورت حال ایسی ہی
ہے۔ اور مساوات قائم رکھنے کے لئے اگر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ تو انگریز سب
کچھ بے ڈکار ہضم کر جائیں گے۔ اسوقت انگریزوں کا بول بالا ہے۔ وہ ساری
خلیج فارس کا انتظام کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور جب ذرا سی بات بھی ان کے
علم یا قیافہ کے باہر واقع ہو جائے۔ تو وہ غضب میں آجاتے ہیں۔ کہ کیوں یہ بات
بغیر ہماری اطلاع کے کیوں ہوئی۔ گویا کہ وہ اپنے آپ کو سب سیاہ و سفید کا
مالک سمجھتے ہیں۔ اور موجودہ حالت میں ان کی چلتی بھی ہے۔" مگر خلیج فارس
اور عرب کے ساحلوں پر انگریزی اقتدار صرف جنگی جہازوں اور گنبوٹوں کی
ہی بدولت قائم ہیں۔ بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انگلستان نے نہایت دانائی
اور ہنرمندی سے امن قائم کیا ہے۔ اور دانائی سے ہی طاقت حاصل کیا ہے
یہ بات کبھی بھی فراموش نہ کرنی چاہیئے۔ کہ عرب کے ساحل کے ... سو میل کی مکمل
پیمائش انگلستان اور ہندوستان کی ہی بحری افسروں نے کی تھی۔ اس پیمائش
پر ایک گراں قدر رقم خرچ ہوئی تھی۔ اور تجارت اور جہازرانی کو جو فوائد اس سے
پہونچے ہیں۔ وہ اظہر من الشمس ہیں۔ انگلستان ہی ایسی طاقت ہے جس نے
بحیرہ قلزم میں عدن۔ بیرم۔ اور سقوطرہ میں لائیٹ ہوس بنائے ہیں۔ (بحیرہ
قلزم میں ٹرکی اور فرانس نے بھی لائٹ ہوس بنائے ہیں۔ مترجم) انگلستان نے
ان تاروں کا سلسلہ پھیلایا۔ جو عرب کے گرد محیط ہیں۔ یہ انگریزوں کا ہی کام ہے
کہ ہندوستان سے بوشہر اور فاؤ تک سلسلہ تار بچھا کر ٹرکی کے سلسلہ تار سے ملایا
عدن سے بمبئی۔ اور عدن سے سویز تک سلسلہ قائم کیا۔ یہ سلسلے دونوں کو کام نہ
سکھے۔ زر کثیر ان پر صرف ہوا۔ اور وہ تمام گورنمنٹیں جن کو ان سے فائدہ پہونچانا مقصود
تھا۔ ان کے مخالف نہیں۔

عرب میں ڈاک اور پوسٹل سسٹم ہیں۔ یمن کے ترکی صوبہ میں و الحقافہ سے ساحلی

قصبوں میں ہفتہ میں ایک دفعہ ڈاک جاتی ہے۔ حجاز میں مکہ تک ڈاک جاتی ہے۔ الجزیرہ اور حسا میں ایک ابتدائی پوسٹل سسٹم ہے۔ مگر یہاں بڑی سستی سے کام ہوتا ہے۔ باقی سارا مشرقی اور جنوبی عرب ہندوستان کے محکمہ ڈاک پر گذارہ کرتا ہے۔ اندرونی ملک میں ڈاک کا نام ونشان تک نہیں۔ گورنمنٹ ہند نے مسقط۔ بحرین۔ قاؤ۔ بصرہ اور بغداد میں ڈاک خانے قائم کر رکھے ہیں۔ وہ نہایت ہی عمدہ کام کرتے ہیں۔ انگریزی ڈاک خانہ بصرہ اور بغداد کے درمیان تک ڈاک لاتا اور لیجاتا ہے۔ بحرین کا ڈاکخانہ سارے مشرقی عرب کا ڈاک خانہ ہے۔ قطر اور حسا کے سوداگران موتی وا پنے خطوط انگریزی ڈاک خانہ میں ہی ڈالتے ہیں۔ بصرہ اور حسا کے درمیان ترکی گورنمنٹ بھی انگریزی ہی ڈاک خانہ سے کام لیتی ہے۔

تجارت غلامان کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے انگلستان نے عرب کے سمندروں میں بھی اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ صرف یہی ایک طاقت ہے جس کے جہازوں نے غلاموں کی کشتیاں پکڑ کر غلاموں کو آزاد کیا۔ اس کام کو تندہی سے کبھی بھی نہیں کیا گیا۔ مگر جتنا کیا گیا اتنا بھی غنیمت ہے۔ اور انگلستان کو بھی اپنی محنت کا پھل مل گیا ہے کہ عرب کے سمندروں میں اوس کو اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔

جہاں کہیں انگریزی جھنڈا۔ انگریزی بحری اقتدار کا نشان اڑ رہا ہے وہاں ہی تجارت خوب فروغ حاصل کر رہی ہے۔ انگلستان کی عالمگیر تجارتی جد وجہد نے عرب کے سارے ساحلوں پر کامیابی کا راستہ صاف کر دیا ہے۔ اس وقت مانچسٹر اور برمنگھم کے برتن نجد اور عرب کے قریوں تک میں دیکھے جاتے ہیں۔ خلیج فارس میں یہ جو تجارتی چہل پہل نظر آتی ہے۔ اس کی عمر اس وقت تیس برس کی ہوئی ہے اور اس کا زیادہ تر کریڈٹ سر ہارنل فریر کو حاصل ہے۔ وہ جب کلکتہ میں لارڈ کیننگ کی سپریم کونسل کا ممبر تھا۔ تو اس نے اور صرف اس نے نوجوان سکاچ ولیم میکنن کی پیٹھ پر دست شفقت پھیرا۔ یہ نوجوان اپنی طاقت سے باہر جہازرانی کا کام کرنا چاہتا تھا۔ سر ہارٹل نے اس کی سٹیمروں کی لائن کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا۔ یہ پہلی برٹش انڈیا سٹیم نیویگیشن کمپنی تھی۔ جس نے نہ صرف زنگبار میں بلکہ خلیج فارس میں تجارت

کا یہاں تک کھولا۔ سنہ ۱۸۶۲ء میں ایک ہی تجارتی سٹیمر خلیج فارس میں داخل ہوا تھا
اُس وقت چھ ہفتوں کے بعد ایک سٹیمر روانہ کرنے کی تجویز ہوئی۔ پھر چار ہفتوں کے
بعد، پھر دو ہفتوں کے بعد۔ بالآخر ایک ہفتہ کے بعد سٹیمر آنے جانے لگے۔ بصرہ
سے براہ راست لنڈن تک آمد و رفت کے لئے انگریزی سٹیمروں کی دو لائینیں نہیں
برٹش انڈیا کے سٹیمر سب پر غالب ہیں۔ مگر اور کمپنیوں کے سٹیمر بھی دہاں سے ہندوستان
آتے جاتے ہیں۔

اس طرح انگریزی تجارت نہ صرف خلیج فارس کے دونوں ساحلوں پر بلکہ
سارے شمالی مشرقی عرب اطراف تک پھیلی ہوئی ہے۔

نجد میں سوت کا ایک دھاگہ۔ یا جبل شمر میں کوئی چھوٹا چاقو ایسا نہیں جو
انگریزی سٹیمروں کے ذریعہ خلیج فارس میں آکر وہاں نہ پہنچا ہو۔ حسا کا سارا علاقہ
رنگون کے چاول کھاتا ہے۔ ہزار ہا بورے چاول کے بحرین اور وہاں سے اندرونی
علاقوں کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ صرف سٹیمر ہی انگریزوں کے نہیں۔ بلکہ چھوٹی
چھوٹی کشتیاں بھی انگریزی پرچم اڑاتی ہیں۔ اور کشتیاں یا تو انگریزوں کی ہیں
یا انگریزی رعایا کی۔ عدن سے بصرہ تک انگریزی روپیہ کا چلن ہے۔ اندرونی ملک
میں مدت تک پرتگیزوں کا سکہ رائج رہا ہے۔ مگر اب اس کی جگہ بھی انگریزی روپے نے
لے لی ہے۔ کچھ عرصہ تک فرانسیسیوں کے سٹیمر بھی خلیج میں آتے جاتے تھے۔ مگر پھر انکی
آمد و رفت بند ہو گئی۔ مگر افواہ ہے۔ کہ پھر فرانسیسیوں کے سٹیمروں کی آمد و رفت کا
انتظام کیا جا رہا ہے۔

عدن سارے جنوبی عرب کا تجارتی مرکز ہے۔ اور سنہ ۱۸۳۹ء سے جو ترقی یہاں
کی تجارت میں ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی تجارت نے یمن کو
بیش از بیش فائدہ پہنچایا ہے۔ مخا جو مدت سے پردہ گمنامی میں پنہاں ہو گیا۔ حدیدہ
دم توڑ رہا ہے۔ مگر عدن میں چہل پہل ہو رہی ہے۔ صرف یہاں سے لیکر صنعا تک
ریلوے تعمیر کرنے کی کسر ہے۔ بس عدن سارے مغربی اور جنوبی عرب کا تجارتی صدر
مقام بن جائے گا۔ جیسا ہی ترک یمن کے دارالخلافہ سے اپنا بوریہ بستر اٹھائیں گے
یہ ریلوے تعمیر ہونی شروع ہو جائے گی۔ خدا کرے وہ دن جلد آئے کہ ترک یمن سے

فارغ ہوں داجی پادری صاحب۔ اس ارمان میں کئی مرگئے۔ مترجم) سنہ ۱۸۳۹ء سے
سنہ ۱۸۵۰ء تک عدن میں ہندوستان کی طرح ہی محصول لگائے گئے۔ مگر موخرالذکر
سن سے اس کو آزاد بندرگاہ کردیا گیا۔ پہلے سات سالوں میں یہاں کی تجارت
درآمد و برآمد ۱۹۰۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کی تھی۔ اگلے سات سالوں میں ۶۰۰۰۰۰۰
روپیہ سالانہ کی ہوئی۔ اور اسوقت سے برابر روبہ ترقی ہوا اور اب ۳۰۰۰۰۰۰۰ روپیہ
سالانہ کے قریب ہے۔ اس میں وہ تجارت شامل نہیں جو براہ خشکی ہوتی ہے۔

نہر سویز سے بحرہ قلزم میں انگریزی تجارت کو اور بھی فائدہ پہنچا ہے
سنہ ۱۸۹۳ء میں اس نہر سے ۱۰۷۵۳۷۹۸ ٹن گذرے۔ ان میں سے ۷۹۷۷۴۲۵
ٹن انگریزی تھے۔ گویا کل تجارت کا ¾ انگریزی تھا۔ اُس سال نہر میں سے ۳۳۴۱
جہاز گذرے۔ ان میں ۲۴۰۵ برطانیہ اعظم کے تھے جبیں انگریزی مصری ریلوے
لائن کی تجویز ہے۔ وہ عرب کے شمال میں سے گذرتی ہوئی خلیج فارس کو بحرہ روم
سے ملا دے گی۔ انگلستان اوسکی مشرقی سلطنت کے درمیان آمد و رفت
کے راستہ کو مختصر کرنے کے جو فوائد ہیں جو اظہرمن الشمس ہیں۔ اس سے نہ صرف
تجارت کو فائدہ پہونچے گا۔ بلکہ جنگ۔ بغاوت۔ یا کسی اور ضرورت ناگہانی کیوقت
بڑی سہولیت ہوگی۔ اس مجوزہ ریلوے کی پہلی پیمائش سنہ ۱۸۵۰ء میں جنرل جیسن
نے کی تھی۔ سر ڈبلیو۔ پی۔ رنڈ ریلوڈ لیک آف سدرلینڈ اور دوسروں نے اس
تجویز کی زور سے تائید کی۔ اگرچہ یہ تجویز ابھی تک کاغذوں میں بند پڑی ہے مگر
چند سالوں سے اسپر پھر زور دیا جارہا ہے۔ پہلے تجویز تھی کہ یہ ریلوے موصل کے
راستے وادی فرات سے ہوتی ہوئی بغداد اور بصرہ یا کویت کو پہونچے۔ اب یہ تجویز
ہے۔ کہ پورٹ سعید سے بصرہ تک بنائی جائے۔ وادی فرات کی ریلوے کا اسٹیشن
بھی کویت ہی تجویز ہوا تھا۔ اور اس بات پر غور کرنے کے لئے پچیس سال قبل ازیں
دارالعوام کی ایک کمیٹی بیٹھی تھی۔ بصرہ سے بڑی لائن شط العرب اور قاندل
کو گذرے گی۔ اور خلیج فارس کے کنارے کنارے کران میں سے چکر لگاتی ہوئی
کراچی تک پہنچے گی۔ اس ریلوے لائن کے مکمل ہوجانے سے پھر لندن اور کراچی
کی مسافت میں آٹھ دن کی بچت ہوجائے گی۔ آیا ریلوے اسی رستہ سے گذریگی

پالیسی اور ہے۔ یہ خیالات ضروری مسئلہ نہیں۔ مگر اس میں شک نہیں۔ ۱۸۹۶ء سے انگلستان اس بات کی فکر میں ہے کہ ہندوستان تک ریلوے بنائی جاوے اور اس ریلوے کا شریک جرمن سرمایہ داروں کو اناطولین ریلوے کو بغداد تک بڑھانے کا اجارہ دیا ہے۔ باسفورس سے ڈنگورا تک جو ریلوے ہے وہ جرمن سنڈیکیٹ کے قبضہ میں ہے اور اجارے کی شرائط میں یہ بھی درج ہے کہ ٹرکی گورنمنٹ جب چاہے سنڈیکیٹ کو باسفورس اور آخر بغداد تک ریلوے بڑھانے پر مجبور کر سکتی ہے۔ مگر پولیٹیکل لحاظ سے الجزیرہ اور لیوانٹ میں جرمن کے اقتدار اور رسوخ کے بڑھنے سے انگلستان کو کوئی نقصان نہیں ہو۔

ایک سر برآوردہ انگریزی اخبار کا اڈیٹر قائم کرتا ہے "سلطان کی ایشیائی مقبوضات میں جرمن جو پیسہ روپیہ پبلک ورکس پر خرچ کرے گی۔ وہ روس کے برخلاف سپر کا کام دیگا۔ ایشیائے کوچک میں جرمن ریلوے جرمن انگلستان کے لئے کم و بیش یکساں طور پر مفید ہوگا۔" تاہم انگلستان اس ریلوے کا ٹرمینس خلیج فارس کے کسی بندرگاہ میں نہ ہونے دیگا۔

عدن سے مسقط اور وہاں سے بحرین تک انگلستان نے ہر قبیلہ کے ساتھ عہدنامہ کر لیا ہے۔ عرب میں انگلستان کی طرف سے دو باد شاہ مقرر ہیں۔ ایک بوشہر میں رہتا ہے۔ اور اس کو برٹش ریذیڈنٹ اور کانسل جنرل کہتے ہیں۔ دوسرا عدن میں رہتا ہے۔ بوشہر کے ریذیڈنٹ کے متعلق لارڈ کرزن لکھتا ہے۔ "برٹش ریذیڈنٹ متعینہ بوشہر کے پاس ایک یا زیادہ گنبوٹ موجود رہتے ہیں۔ ضرورت یا گرانی کے لئے اس کے لئے بھی ایک کشتی ہے۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا جس میں اس کے پاس عرب اور ایرانی اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرانے نہ آتے ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خلیج فارس کا بے تاج بادشاہ ہے۔" اس تاج کے حصول کا کریڈٹ کرنل راس اور اس کے پیشرو سر لوئیس پیلی کو حاصل ہے۔ انگلستان نے عرب کے مشرقی ساحل کے قبائل سے جتنے عہدنامے کئے ہیں۔ ان کی نگرانی یہاں کی جاتی ہے۔ اور ان عہدناموں کے مطابق عمل کرایا جاتا ہے۔ بحرین اور دیگر علاقوں کے سرداروں سے جو عہدنامے ہوئے ہیں۔ اُن میں اُن کی طرف سے

اقرار ہے۔ کہ کسی غیر طاقت سے اتحاد نہ کریں گے۔ ساحلوں پر امن قایم رکھیں گے
تجارت غلامان اور ڈاکہ زنی کا انسداد کریں گے۔ ۱۸۲۰ء سے قطار کے جنگجو قبائل
سے کئی عہدنامے ہوئے ہیں۔ ۱۸۵۳ء میں دوسرے قبائل سے عہدنامے کئے گئے جن کے
رُو سے اُن سب پر لازمی ہو گیا۔ کہ سمندروں پر امن رہے۔ اور اپنے تنازعات فیصلہ
کے لئے انگریز ریذیڈنٹ کے سامنے پیش کریں۔ عہدنامہ کرنے والوں کو ٹرشیل چیفس
اور عہدنامہ کو ٹرشیل لیگ کہتے ہیں۔ ان عہدناموں کے ماسوا انگریزوں نے شیخ
بحرین سے ایک جدا عہدنامہ کیا جس کے رو سے وہ بالکل انگریزوں کی حمایت میں
آگیا۔ اگرچہ حسا اور قطار کے ساحل پر جو قبائل آباد ہیں اُن سے کوئی باضابطہ عہد
نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ ٹرکی زیرنگیں ہیں۔ مگر اُن کی طرف سے بھی انگلستان بے پروا
نہیں۔ ان کو تو چھوڑیئے۔ خود نجد کے معاملات پر خلیج فارس کی انتظامی رپورٹ میں
بحث کیجاتی ہے۔ القطار پر انگلستان نے باب عالی کے شاہی حقوق تسلیم نہیں
کئے۔ اور اس وجہ سے جب موقعہ بنتا ہے۔ انگلستان وہاں کے مقامی معاملات
میں مداخلت کر دیتا ہے۔

ان عہدناموں سے جو فوائد ہوتے ہیں۔ اُن کا اندازہ انگریزوں کے ماتحت
عرب علاقوں کا مقابلہ ٹرکی کے ماتحت عرب علاقوں کے کرنے سے بخوبی ہو سکتا
ہے۔ اول الذکر امن آمان سے رہتے ہیں۔ تجارت کرتے ہیں۔ ماہی گیری میں مصروف
رہتے ہیں۔ راستے محفوظ ہیں۔ مسافروں اور اجنبیوں کو ہر طرح کا آرام ہے۔ مگر موخرالذکر
میں ہمیشہ دنگہ و فساد برپا رہتا ہے۔ نہ تجارت ہے نہ زراعت۔

عمان۔ بقول لارڈ کرزن "انگریزوں کی ایک ماتحت ریاست ہے" اور
وہ دن دور نہیں جب انگریزی پرچم مسقط کے قلعوں پر لہراتا نظر آئیگا۔ بدوؤں کی
بغاوت کی وجہ سے غریب سلطان کو انگریزی رعایا کا نقصان پورا کرنے کے لئے
بہت سا روپیہ دینا پڑا۔ فرانس کو ایک بندرگاہ دینے سے وظیفہ بھی بند ہو گیا۔ غرضیکہ یہ
سلطان مالی لحاظ سے ہر طرح انگریزوں کے رحم پر ہے۔

انگلستان کیطرف سے دوسرا بادشاہ عدن میں رہتا ہے۔ جو پولیٹیکل ریذیڈنٹ
اور ساتھ ہی فوجوں کا کمانڈر بھی ہے۔ اس کی حکومت صرف عدن کی بستی تک ہی

محدود نہیں۔ بلکہ دو سو میل لمبے اور چالیس میل چوڑے علاقہ پر جس کی آبادی ۳۰۰۰ نفوس کی ہے۔ ہے۔ گرد و نواح کے بہت سے قبائل کو وظائف دئے جاتے ہیں اور ان سے عہد نامے ہو چکے ہیں۔ خلیج فارس میں جو اختیارات بوشہر کے ریذیڈنٹ کو حاصل ہیں۔ وہی اختیارات جنوبی عرب میں عدن کے ریذیڈنٹ کو حاصل ہیں جزیرہ سقوطرہ اور جزیرہ پیرم بھی عدن کے ریذیڈنٹ کے ماتحت ہیں۔ حضرموت کے علاقہ مکالہ کے حکمران نے انگریزوں سے خاص معاہدہ کر رکھا ہے۔ اگرچہ بعض انگریزی اخباروں نے لکھا ہے کہ انگلستان نے اس علاقہ پر تسلط جما لیا ہے۔ مگر یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے۔ وہ قبائل جنہوں نے انگلستان سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ اُن کی حرکات پر بھی نظر رکھی جاتی ہے۔ اچھوں کو انعام اور بروں کو سزا دیجاتی ہے۔ پولٹیکل نظر سے کوئی چیز چھپی ڈھکی نہیں رہتی۔ سالانہ ریذیڈنسی رپورٹ کا مطالعہ کرو، معلوم ہو جاوے گا۔ اس رپورٹ میں بعض وقت نہایت دلچسپ مثالیں بھی درج کیجاتی ہیں۔ ۹۹-۱۸۹۸ء کی ریذیڈنسی رپورٹ متعلقہ مسقط میں درج ہے۔ ساحل کے امن میں کچھ خلل واقع ہوا۔ سلطان کو ہدایت کی گئی کہ وہ محی الدین علی کنترہ کے شیخ کو ۵۰ روپیہ جرمانہ کی سزا دے۔ کیونکہ وہ مسلح آدمیوں کے ساتھ براہ سمندر شنم کیطرف گیا۔ تاکہ اپنی بیوی کے اُس دعوے کو جو اُسنے اپنے مرحوم باپ کی جائداد پر کیا تھا زور اور جبر کے ساتھ منوائے۔ چند مہینوں کے توقف کے بعد شیخ کے خدمتگار کو مسقط میں روک کر جرمانہ وصول کر لیا گیا۔" اسی رپورٹ میں درج ہے کہ جہاز جنیوا کے شکست ہو جانے پر سلطان نے مدد دی۔ اور گورنمنٹ ہند نے اُس سے فیاضانہ سلوک کیا۔ اُسکو عوض میں ایک خوبصورت دوربین اور ایک گھڑی دی۔ جن قبائل کے سردار امن امان سے رہتے ہیں اون کو سال کے بعد خلاعت کا خیال نکڑا۔ رائفل اور دو پستول بطور انعام دئے جاتے ہیں۔ انگریزوں نے ان لوگوں کے دلوں میں ایسا گھر کر لیا ہے کہ اُن میں سے کوئی بھی انگریزی اقتدار کے کم کرنے کا خواہاں نہیں۔ سب کے سب انگریزی حکومت کی تعریف کرتے ہیں۔ ہاں انگریزی پالٹکس پر اعتراض کرتے ہیں۔ عرب میں جتنے قونصل اور قونصلوں کے ایجنٹ انگریزوں کے ہیں۔ ان کا

سلطنت کے نہیں۔ اور انگریزی قونصلوں کو اچھے اختیارات حاصل ہیں۔ اور وہ بڑے مقتدر اور بارسوخ ہیں۔ وہ قریباً سب کے سب سنی آدمی ہیں۔ اس لئے ان کو شروع میں بڑی دقت پیدا ہوئی تھی۔ جدہ ۔ حدیدہ ۔ کامران ۔ میں قونصل یا نائب قونصل مقرر ہیں۔ صنعا کے قونصل خانہ سے رپورٹیں بھی شائع ہوتی ہیں۔

مسقط۔ بغداد۔ بصرہ۔ بوشہر۔ اور محمرہ میں انگریزی قونصل ہیں جن کے اختیارات کم و بیش ہیں۔ مگر وہ سب کے سب عرب میں اچھا خاصا اقتدار رکھتے ہیں بحرین۔ لنگاہ۔ شرف۔ بندر عباس میں ایجنٹ مقرر ہیں۔ جدہ۔ حدیدہ۔ اور عدن میں انگریزی سلطنت کے علاوہ سلطنتوں کے بھی قونصل مقیم ہیں چند سالوں سے مسقط میں امریکہ کا کونسل بھی رہتا ہے۔ اور ۱۸۹۴ء سے فرانس نے بھی وہاں قونصل خانہ قایم کیا ہے۔ سوائے بغداد کے روس کا خلیج فارس میں کوئی قایم مقام نہیں۔ اور جرمن کا تو ایک بھی نہیں۔ خلیج فارس میں سوائے انگریزی سلطنت کے اور کسی سلطنت کا کوئی ایجنٹ نہیں۔ اور نہ ہی اس طرف انگریزی جنگی جہازوں کے اور کسی کا جنگی جہاز آتا ہے۔ اور حقیقت میں عرب سوائے انگریزی قونصلوں کے اور کسی کو جانتے بھی نہیں۔ جب وہ لفظ وکیل کا استعمال کرتے ہیں تو اس سے انگریزی قونصل ہی مراد ہوتی ہے۔

تئیسواں باب

عرب کی موجودہ پالیٹکس

جب تک ٹرکی میں دم خم ہے۔ عرب کے مغربی ساحل پر کوئی انقلاب نہیں ہوتا۔ اور حجاز میں ہر طرح خیریت رہے گی۔ ہاں اگر شریف مکہ اور باب عالی میں تنازعہ ہو جائے اور بڑھتے بڑھتے نوبت بہ جنگ پہنچ جائے۔ یا جدہ میں مسلمانوں کے تعصب کی آگ مشتعل ہو جائے جس سے عیسائیوں کی جان خطرہ میں پڑ جائے

توہم کو خیال ہے کہ انگلستان اور شاید فرانس و ہالینڈ جسطرح ۱۸۵۵ء میں انگریزوں نے مداخلت کی تھی۔ اسی طرح اُس حالت میں بھی مداخلت کریں گے۔ یمن کے متعلق خیال ہے۔ کہ وہاں جلدی ہی پولیٹیکل انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ عدن ایک خراب جگہ ہے۔ مگر صنعا کی آب وہوا خوشگوار اور سرد ہے۔ اور اُس کے مضافات میں ایسا عمدہ پہاڑی علاقہ ہے کہ انسان کی کوشش سے بہشت کا نمونہ بن سکتا ہے۔ بعض اشخاص کی خواہش ہے۔ کہ انگلستان یمن کو اپنی حمایت میں لے لے۔ اور اگر عربوں نے ترکوں کو نکال دیا۔ تو عدن کے پاس کے قبائل میں امن قایم رکھنے میں کوئی شک نہیں کہ انگلستان مداخلت کرنے پر مجبور ہوجائیگا عدن کی فوج کو مدت سے سرمائی سٹیشن کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اور صرف ہلال کے جھنڈے نے اُن کو اس نعمت سے محروم کر رکھا ہے۔

عرب کا جنوبی حصہ کچھ ایسا واقعہ ہوا ہے۔ اور اس کا ساحل ایسا ویران ہے کہ حریص سے حریص کو بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ یمن کی طرح عمان سرسبز ہے اور خیال ہے کہ وہاں کانوں کا دفینہ بھی ہے۔

اب تک تو سلطان کی وراثت کا دعوےٰ صرف انگلستان ہی تھا۔ اب فرانس بھی سٹیج پر نمودار ہو گیا ہے۔ اور اس کی خواہش ہے کہ عمان اور خلیج فارس میں انگریزی طاقت نہ بڑھے۔ ماہ فروری ۱۸۹۸ء میں سلطان نے فرانس کو ایک بندرگاہ اجارے پر دیا تھا۔ اور اُس وقت معلوم ہوا کہ فرانس کی نیت بخیر نہیں۔ مسقط میں اُسکا قونصل خانہ قایم کرنا۔ تجارت غلامان کے مشتبہ اُس کے تعلقات خلیج میں سٹیمروں کی آمد و رفت جاری کرنے کی کوشش۔ اور خلیج فارس میں اُسکے ایجنٹوں کا خفیہ خفیہ دورہ کرنا۔ یہ باتیں بتا رہی ہیں کہ اُس کے ارادے کیا ہیں۔ اب تک عمان میں انگریز ہی انگریز تھے۔ مگر اب ایک اور طاقت حصہ دار بن گئی ہے۔ بندرگاہ کا معاملہ تو انگریزوں کی حسب خواہش سلجھ گیا۔ گولہ باری سے ڈر کر سلطان نے فرانس سے اپنا معاہدہ منسوخ کیا۔ اور انگریزوں نے معاہدہ کرنے کی سزا یہ دی کہ اُسکا وظیفہ بند کر دیا۔

عمان میں آیا فرانس اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ یا چپ ہو رہیگا

اس کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس میں شک نہیں۔ فرانس یا کسی اور طاقت کا عمان میں پاؤں جمانا انگریزی پالیسی کے برخلاف ہے۔ اور وہ اس بات کو کبھی گوارا نہ کرے گی۔

۱۸۹۹ء کے ماہ اپریل میں یہ خبر اُڑی۔ کہ روس خلیج فارس میں پولٹیکل طاقت کی نشان میں نمودار ہوا ہے۔ اور اُس نے اپنی تجویزہ ریلوے کے ٹرمنس کے لئے بندر عباس کی بندرگاہ لے لی ہے۔ اُس وقت سے اس خبر کی سینٹ پٹرسبرگ اور طہران میں سرکاری طور پر تکذیب ہو رہی ہے۔ مگر انگریزی اخبارات اس خبر کی صداقت پر زور دیتے ہیں۔ اگر یہ خبر ٹھیک ہے تو کوئی شک نہیں۔ بڑی دہشت ناک خبر ہے خلیج فارس میں روس کی موجودگی سے عرب اور الجزیرہ کی تقسیم میں ترمیم کرنی پڑیگی مشرق میں پولٹیکل مطلع سخت گرد آلود ہو رہا ہے۔ اور اگر ہندوستان اور اس کے پہاڑوں کے لئے خلیج فارس میں ہی جنگ کا ڈھنگ پڑ گیا۔ تو قبل از وقت یہ بتانا۔ کہ اسکا نتیجہ کیا ہوگا۔ از بس مشکل ہے۔ مگر روسی پیشقدمی کی خبر ٹھیک ہے۔ تو انگلستان اس کے متعلق کیا کارروائی کرے گا۔ اس پر ٹائمز آف انڈیا نے ابھی ابھی بحث کی ہے یہ اخبار لکھتا ہے:۔

"اب یہ دیکھنا باقی ہے۔ کہ خلیج فارس کے موجودہ پالٹکس کا خیال کر کے انگلستان کیا کارروائی کرے گا۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ کچھ وقت تک روس بندر عباس کے لینے کی جد و جہد نہیں کرے گا۔ جب تک اُس کو اپنے ارادوں کی تکمیل کا مناسب موقع نہ ملے۔ وہ اون فوائد سے انکار کرتا جائے گا۔ اُس نے جو حاصل کئے ہیں۔ اس اثنا میں انگلستان خاموش بیٹھا رہے گا۔ اور اپنے حریف کی شاطرانہ چالوں پر گہری نظر رکھے گا۔ شاید یہ رائے دی جائے کہ انگلستان قشم و ہرمز پر قبضہ کر لینے سے بندر عباس پر روسی قبضہ کی اہمیت کو بہت کم کر سکتا ہے۔ اور اُس کی اس کارروائی صورت حال پھر ویسی کی ویسی ہو سکتی ہے۔ کوئی شک نہیں۔ یہ رائے ٹھیک ہو مگر انگلستان کی پالیسی تو یہ ہے۔ کہ جہاں تک اور جتنا عرصہ ممکن ہو اس طرف موجودہ حالت قائم رکھی جائے۔ اگرچہ انگلستان جب چاہے۔ ان مقامات پر قبضہ کر سکتا ہے۔ کئی طریقے ہیں۔ جن سے انگریزی سلطنت خلیج فارس میں

اپنی طاقت اور اقتدار کو قایم کر سکتی ہے ہمارا خیال ہے۔ وزارت بحری نے ابھی سے خلیج فارس میں بحری طاقت کو مضبوط کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اور بحیرہ ہند کے امیر البحر کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ وہ اپنی توجہ خلیج فارس کیطرف زیادہ مبذول رکھے۔ مگر یہی بات کافی نہیں۔ خلیج میں پولٹیکل افسروں کے سٹاف میں اضافہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ مسقط اب دنیا سے بالکل بے تعلق ہو رہا ہے۔ حالانکہ کبھی بذریعہ تار وہ عدن سے ملحق تھا۔ مسقط سے جاسک تک اور جاسک سے بندر عباس اور لنگا تک سلسلہ تار قایم کرنا چاہئے۔ بندر عباس اور سیستان میں پولٹیکل ایجنٹوں کی تعداد زیادہ کرنی چاہیئے۔ ایک اور معاملہ توجہ طلب ہے۔ اسوقت ایران میں ریلوے بنانے کا حق صرف روس کو ہی حاصل ہے۔ کیا اس بیجا حق کو رد کرنے کی کوئی کوشش کیجا رہی ہے۔ حالانکہ اس سے انگریزی حقوق خاک میں ملے جاتے ہیں! یہ بات ازبس ضروری ہے۔ کہ برطانیہ اعظم شاہ کجکلاہ سے سڑکیں اور ریلوے بنانے کی مراعات حاصل کرے۔ اور یہ بات یقینی ہے۔ کہ ایرانی گورنمنٹ ان کے متعلق ضمانت دیگی۔ بدقسمتی سے انگریزی پبلک کی توجہ اسطرف یہاں تک منعطف ہوئی ہے کہ اسکو یہاں خطرہ کا وہم و گمان بھی نہیں۔ جو پاس ہی اپنی بھیانک صورت دکھا کر ڈرا رہا ہے۔ ہمارے خیال میں جلد اور بہت جلد بیدار ہونا چاہیئے۔ اور اس بات کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ایشیا میں پولٹیکل جد و جہد اور قومی رقابتوں کا اکھاڑہ چین نہیں بنتا۔ بلکہ ایران اور خلیج فارس ہے۔"

خلیج فارس میں روس کی یہ جد و جہد اور اسکی ایران کے متعلق پالیسی۔ فرانس کی انگلستان سے رقابت اور عداوت۔ سلطنت ترکی جس کے زیست کے دن تھوڑے ہی باقی ہیں جرمن کا ریلوے بنانا۔ یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آیندہ بصرہ اور بغداد کے سرسبز صوبوں کا کیا حشر ہوگا؟ کیا انگلستان عرب میں اپنا اقتدار قایم رکھیگا۔ اور کیا کوئی ایسا لارڈ کرومر پیدا ہوگا۔ جو وادی فرات کو دوسرا مصر بنا دے۔ یہ ڈپلومیسی کا بازار گرم ہوگا۔ یورپین وزارتیں جن کے ماتحت بے شمار فوجیں اور جہاز ہیں۔ اس گرداب میں ہاتھ پاؤں مار کر درنایاب نکال لینے کی کوشش کرینگی۔ مگر وقت عرب اور ایران کے لئے بھی اہم بالشان نتائج پیدا ہوں گے۔ بلکہ ایک اور

بادشاہ اور عظیم ترین سلطنت کے انٹرسٹ بھی اس میں وابستہ ہوں گے۔ عرب کے موجودہ واقعات اور پالٹیکس ایسے ہیں کہ نہ صرف پادری بلکہ ہر ایک عیسائی اس بات کو تسلیم کرے گا۔ کہ جزیرہ نما کی تاریخ میں خدائی ہاتھ چھپا ہوا ہے۔ عرب کی قسمت کی کنجی یسوع مسیح کے ہاتھ میں ہے۔ دُنیا کے سارے بادشاہ اُس کے قبضہ میں ہیں جس کو وہ چاہے گا عزت دیگا۔ ہم یسوع مسیح تو نہیں۔ البتہ یہ کہتے ہیں۔ خدا جس کو چاہے گا عزت اور جس کو چاہے گا ذلت دے گا۔ کوئی شک نہیں۔ عیسائی اسلامی سلطنتوں کے لینے کی جد و جہد کر رہے ہیں۔ اور آخر ایک قطعی کوشش کریں گے مگر دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ عیسائی بازی لیتے ہیں۔ یا مسلمان۔ مترجم)

چوبیسواں باب

عربی زبان

دو مذہب یعنی عیسائیت اور اسلام دُنیا کے مالک ہیں۔ دو قومیں یعنی اینگلو سکسنس اور عرب تاریک بر اعظم (افریقہ) پر قبضہ کرنے کی کشش و کوشش کر رہی ہیں۔ دو زبانیں یعنی انگریزی اور عربی مدت سے عالمگیر وسعت حاصل کر رہی ہیں۔ فی زمانہ سات کروڑ بندگان خدا کی زبان عربی ہے۔ اور قریباً اتنے ہی اشخاص اسکو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ مسلمان ہیں۔

صبح نور کے تڑکے جزائر فلپائن میں قرآن کے پہلے باب کی تلاوت شروع ہوتی ہے۔ اور پھر پیکن کی باری آتی ہے۔ اس کے بعد سارا چین نماز کی تیاری کرتا ہے پھر ملایا کی وادیوں اور بام دنیا (پامیر) میں عربی کے الفاظ نماز میں استعمال ہوتے ہیں۔ چند گھنٹوں بعد ایران میں وہی عربی الفاظ بولے جاتے ہیں۔ پھر جزیرہ نما عرب میں اذان کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ نیل کے پانی اللہ اکبر کی صدا سے وجد میں آتے ہیں۔ اس کے بعد سوڈان کے طول و عرض میں وہی عربی الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ پھر صحرائے اعظم اور بربر کی باری آتی ہے۔ اور سب کے بعد مراکو کی

مساجد میں عربی الفاظ سننے میں آتے ہیں۔ مدینے مشرق کیطرف سے دن چڑھتا ہے وقت کے حساب سے مصنف نے ملکوں کا شمار کیا ہے۔ مترجم) اردوم۔ افغانستان جاوا۔ سماٹرا۔ بیوژتن۔ اور جنوبی روس میں قرآن سکولوں کے نصاب میں داخل ہے۔ عربی زبان صرف خاص عرب ہی میں نہیں بولی جاتی۔ بلکہ اس کی وسعت بغداد سے تین سو میل آگے دیار بکر اور مریدین تک ہے۔ شام فلسطین اور سارے شمالی افریقہ کی بھی یہی زبان ہے۔ کیپ کالونی میں بھی پیرو محمد کی زبان پڑھی جاتی ہے۔ ۱۳۱۵ء میں یورپ کی یونیورسٹیوں میں پادری رے منڈ لل کی کوشش سے عربی زبان کی تعلیم شروع ہوئی۔ اور اس وقت قاہرہ کی نسبت لیڈن میں اور دمشق کی نسبت کیمبرج میں اس زبان اور اس کے لٹریچر سے زیادہ واقفیت پائی جاتی ہے۔ شام کا ایک مشنری جو عربی زبان کا عالم ہے۔ اس کے متعلق لکھتا ہے " یہ ایک نہایت صاف اور پاکیزہ زبان ہے۔ اس کی لغات از بس وسیع ہے۔ اس میں فلسفیانہ اور سائنٹفک خیالات ایسی صفائی سے ادا ہو سکتے ہیں کہ سوائے انگریزی اور ان چند زبانوں کے جو عیسائیت کی مہربانی سے وسطی یورپ میں رائج ہوئی ہیں۔ کوئی زبان اسپر سبقت نہیں رکھتی۔"

ایک فرانسیسی عالم ارنسٹ رینان اس بات پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ ایسی زبان جیسی کہ عربی ہے۔ عرب کے صحرا میں کس طرح پیدا ہو گئی۔ اور خانہ بدوشوں کے حلقہ میں اس نے ایسی نشوونما کس طرح پائی۔ لکھتا ہے۔ کہ عربی زبان بلحاظ اپنی قیمتی لغات گرامر شستگی و پاکیزگی سمیٹک زبانوں میں از بس افضل و اعلیٰ ہے۔

زبانوں کی سمیٹک شاخ بہت پرانی اور بہت قدیم ہے۔ انڈو یورپین شاخ کیطرح وسیع نہیں ہے۔ بعض عالم لکھتے ہیں کہ سمیٹی لوگ عرب کے شمال مشرق سے ہجرت کر کے گئے تھے۔ بقول ان کے مختلف سمیٹک زبانیں بننے سے پہلا ہر جگہ کی سمیٹی اونٹ کے لئے وہی ایک لفظ جمل (کیمل جسے انگریزی میں کیمل کہتے ہیں) استعمال کرتے تھے۔ اور یہ لفظ آج تک تمام زبانوں میں پایا جاتا ہے مگر ان میں کھجور کے درخت اور پھل۔ اور شتر مرغ کے نام ایک ہی نہ تھے۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سمیٹی لوگوں کے اصلی وطن میں اونٹ تو ہوتا تھا مگر

کھجوریں وغیرہ نہ ہوتی تھیں۔ اور ایسا ملک کہ وہاں اونٹ تو ہوتا ہو۔ مگر کھجوریں اور شتر مرغ نہ پائے جاتے ہوں جیحون کے نزدیک ایشیا کا وسطی مرتفع علاقہ ہے۔ وآن کریمر لکھتا ہے۔ ایرین کی ہجرت سے بھی پہلے سمیٹی لوگ اس علاقہ سے نکلکر بابل میں آئے۔ وادی الجزیرہ سمٹک علوم کا گہوارہ ہے۔

دوسرے عالموں کا خیال یہ ہے کہ سمیٹیوں کا اصل وطن جنوبی عرب ہے وہاں وہ آہستہ آہستہ سارے جزیرہ نما میں پھیل گئے۔ سپرنگر لکھتا ہے۔ "تمام سمیٹی عرب کی ہی اصل و نسل سے ہیں" سائیس نے اس تھیوری کی تائید میں چند دلائل دئے ہیں جو یہ ہیں۔ تمام عام سمیٹک رائیں عرب کو بنی نوع انسان کی اس شاخ کا وطن بتاتی ہیں۔ دنیا کا صرف یہی حصہ ہے۔ جو خالص سمیٹک رہا ہے۔ قومی تنافر جیسے کہ ایمان کی پختگی۔ غضب۔ یگانگت۔ بلند پروازی بتا رہی ہیں کہ سمیٹیوں کا اصل گھر صحرا میں تھا۔ ڈی گوجی۔ وسط عرب کی خوشگوار آب و ہوا۔ اور عربوں کی جسمانی مضبوطی کو مزید شہادت میں پیش کر کے لکھتا ہے کہ "تمام سمیٹک زبانوں میں عربی زبان اصل کے قریب رہی ہے۔ جیسا کہ ہرتسن کے پروفیسر شرڈر نے ثابت کیا ہے"

مندرجہ ذیل نقشہ سمیٹک زبانوں میں عربی زبان کی پوزیشن ظاہر کرتا ہے زبانوں پر نشان دیدیا گیا ہے۔

جنوبی
- مشرقی
  - بابلی۔
  - اسیرین۔
- مغربی
  - مشرقی
    - سرائیں
    - منیڈین
    - سنجبن
  - مغربی
    - سمرٹن
    - سیودارہیک۔ (تالمود وغیرہ)
    - پالمیرین
    - مصری اور
    - سیک

جنوبی	عربی	لانبی۔ مراکش۔ الجزیرین وغیرہ۔
	اسماعیلی	مصری۔ شامی۔ یمنی۔ بغدادی۔ عمانی وغیرہ۔
	حمیری	عوسی۔ اقیلی
	ایتھوپک	قدیم جعز۔ ٹگرہ۔ ٹگرنیا۔ امہاری۔ حراری۔
وسطی	فنیشین	آج کل عربی زبان میں ایک سو سے زیادہ اخبارات
	عبرانی	اور رسالجات شائع ہوتے ہیں۔ اور عربی بولنے
	موآبی	والی دنیا اچھی خاصی اشاعت رکھتے ہیں۔

اگرچہ عربی زبان اپنی ہمعصر زبانوں میں سب سے زیادہ ممتاز تسلیم کیجاتی ہے مگر اس کو تاریخی اور علمی ترقی سب ہمعصر زبانوں سے پیچھے نصیب ہوئی ہے۔ ساتویں صدی مسیح تک عربی زبان کوئی اعلیٰ زبان نہ تھی۔ اس زبان نے علمی ذخیرے بے علم پیغمبر کی بدولت حاصل کئے۔ یہ پیغمبر اگرچہ خود نہ پڑھ سکتا تھا۔ مگر اس نے ساری مشرقی دنیا کو اپنی کتاب پڑھنے میں لگا دیا۔ محمدؐ سے پہلے عربی لٹریچر اعلیٰ لٹریری کیرکٹر رکھتا تھا۔ مگر تمام خوبیوں کے باوجود یہ اس صبح کے ستارے کے مانند تھا۔ جو سورج کے نکلنے پر بالکل ماند پڑجاتا ہے۔ جب قرآن کی اشاعت ہوگئی۔ لٹریچر۔ گرائمر اور سائنس عربی کا ہاتھ باندھے غلام ہوگئی۔ مردہ اور بیجان مشرق میں پھر جان آگئی۔ قرآن نے لوگوں کی معاشرتی اور اخلاقی حالت پر خواہ کیسا ہی برا اثر ہی کیوں نہ ڈالا ہو۔ مگر اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن نے اور صرف قرآن نے عربی زبان کو گمنامی اور تاریکی میں گرنے سے بچا لیا۔ اس قرآن نے نیا مذہب قائم کیا۔ جو اس کے سامنے ہوا اس کو مار گرایا۔ اس نے نہ صرف عرب کے رقیب و حریف قبائل کو بھی شیر و شکر کیا۔ بلکہ ان سب کی زبانوں کو ایک سانچہ میں ڈھال کر علمی زبان بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ عربوں کی طرح ہم اس بات کے تو قائل نہیں کہ قرآن فصاحت و بلاغت اور گرائمر میں لاثانی اور بے نظیر ہے نولڈیکے اور ڈوزی نے عربوں کے اس خیال کے برخلاف یقین ثبوت دئے ہیں

ڈوزی لکھتا ہے کہ قرآن میں کئی جگہ عربی الفاظ کی بھرتی ہوئی ہے۔ اور اس میں کئی حرفی و نحوی غلطیاں ہیں۔ مگر عرب کے گرامیریوں نے از راہ مہربانی قرآن کی غلطیوں کو استثنات میں رکھکر اسکی شان کو محفوظ رکھ لیا ہے۔"

عربی حروف ابجد کا آغاز اور تاریخ بڑی دلچسپ ہے۔ پہلے پہل تمام تحریریں بالتصویر ہوتی تھیں۔ پھر تمثالی طرزیں شروع ہوئیں۔ شاید ان ابتدائی تحریروں کا کوئی نمونہ بردوں کے جسموں پر جو نشان ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ملیا ہو۔ عالموں کا خیال ہے کہ ابتدائی سمٹک طرز تحریر وہ ہے۔ جو موبائی پتھر پر لکھی ہوئی تھی۔ اس پتھر کو ۱۸۶۹ء میں پادری کلین نے معلوم کیا تھا۔ سائپرس اور سیڈان اور فنیشین حروف ابجد بھی قریب قریب اُسی زمانہ کے ہیں۔ فنیشن حروف سکوں اور کتبوں پر لکھے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے۔ ان سکوں کی تحریر ۸۹۰ ق م کی ہے۔ ان سکوں اور یادگاروں پر جو رسم خط ہے وہ بتاتا ہے۔ کہ سمٹک لوگ اس فن کو ۸۹۰ء سے بہت پہلے کے جانتے تھے۔ سمٹک ابجدوں کی شکل مصر کے قدیم رسم خط سے نقل کی گئی تھی۔ ڈوٹی اور ٹائینگ نے شمالی عرب میں جو قدیم کتبے نجدین کیرکٹر کے اور آہالی اور دوسروں نے جنوبی عرب میں حمیری کیرکٹر (کیرکٹر۔ رسم خط) کے دیکھے ہیں۔ وہ موجودہ عربی طرز تحریر کی طرح دائیں سے بائیں کیطرف لکھے ہوئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اون کی اصل ایک ہی ہے۔ اگرچہ اُن کے کیرکٹر مختلف ہیں۔ موجودہ عربی ابجدوں کا عبرانی اور فنیشن ابجدوں سے قریبی تعلق نہ صرف اُن کی شکل سے ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اون کے اعداد بھی جو جڑے پڑا نے ہیں۔ عبرانی ابجدوں کے اعداد سے ملتے ہیں۔

مؤرخوں میں بھی اس کے متعلق اختلاف ہے۔ کہ پہلے پہل کس نے عربی ابجد کو کوفی شکل میں بدلایا۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی دفعہ حمیری ابجدوں سے نقل کئے گئے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ خلیج فارس سے لیکر [illegible] تک کوئی نقطہ قدیم

کتبوں پر لکہا ہوا ملتا ہے۔ مگر وہ خط جسکو نسخی کہتے ہیں وہ محمدؐ کے زمانہ سے پہلے کا
معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی روایتوں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ یہ طرز خط
محمدؐ سے پہلے مکہ میں رائج تہی۔ اور چونکہ مکہ سے یمن کی آمد و رفت تہی۔ یہ یقینی ہے۔ کہ
وہاں کچھ نہ کچھ حمیریوں کا علم پہیلا ہو۔ سیر آنیس اور عبرانی طرز بہی مکہ اور مدینہ میں
معلوم تہی۔ کیونکہ یہودی بکثرت تہے۔ اور قیاس کہتا ہے۔ کہ عربی ابجد پر اس کا
بہی اثر پڑا ہے۔

یاابنی لاتنس شربعتی فتحجل نعمة

الاصل صه حفظ بکم ان تنزطوالولی

خبتا فدن ونلحمد جہیدالمسابثوف

سمھوالہ الشبہ الذ تحکینہ صالوصوالً

الی فاد الحاجة المرسد اماجل

محمدؐ کا یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کا لقب دینا خالی از علت نہ تھا۔
اول تو عربی میں عبرانی کیطرح عراب اور نشان نہ تہے۔ کوفی خط میں جو قرآن ملے ہیں
ان پر اعرابوں کی بجائے سیدہے خط یا مثلثیں کہنچی ہوئی ہیں۔ عرب اعرابوں کی ایجاد
کے متعلق عجیب عجیب باتیں سناتے ہیں۔ وہ ابوالاسود الدولی یا نصر بن عاصم کو ان کا
موجد بتلاتے ہیں۔ قرآن کے کسی لفظ کا غلط تلفظ پڑہنا گناہ کا کام ہے۔ اس لئے
اعرابوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک اور روایت ہے۔ کہ سب سے پہلے حسن نے

حسن بصری نے یحیٰی بن یاسر کی مدد سے قرآن پر نشان لگائے۔ اعراب او نشان قرآن میں ضرور پائے جاتے ہیں۔ مگر دوسری کتابوں میں ان کا استعمال بہت کم کیا جاتا ہے۔ خود عرب کہتے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ کا جنجال ہے۔ البتہ گرامرین اور قاری ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ایک روایت ہے۔ کہ خلیفہ المامون کے عہد میں خراسان کے گورنر کی خدمت میں عربی کا ایک قطعہ پیش کیا گیا۔ اس کو دیکھ کر وہ بولا۔ اگر یہ دانے سے کاغذ پر نہ ہوتے تو یہ واقعی نہایت خوبصورت اور خوشنما تھا۔

قيل ان شاعرا كان له غلام فبينما هو سائر
ذات يوم في بعض الطرق ما اذا هو بغلام وهلم
الشاعر ان غلامه فائته لا محالة فقال له يا هذا
انا اعلم ان المنية قد حضرت ولكن سألتك الله
ان انت قتلتني ان تمضي الى دارى وتقف بالباب وقل

قرآن کی صحیح صحیح نقل کرنے کے تقاضا نے عربوں کو خوشخطی پر مائل کیا۔ کیونکہ وہ مصوری تو کرتے نہیں تھے۔ انہوں نے سارا زور اس طرف لگا دیا۔ کاغذ پر سنہرے بیل بوٹے ڈال کر اور اس پر خوب رنگ چڑھا کر لفظ لفظ کو ایسا بنا سنوار کر لکھتے تھے۔ کہ اس زمانے کے قرآن واقعی دیکھنے کے قابل ہیں۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تین شخص بڑے مشہور خوشنویس ہوئے ہیں۔ یعنی وزیر محمد بن علی۔ علی بن خلیل البواب۔ اور ابو الدر بن یاقوت المستعصمی۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ اس فن کے مختلف سکول قائم ہوتے گئے۔ مغرب الاقصیٰ۔ ترکی عربی یا مشرقی سکول مشہور تھے۔
اندر حمیرہ کی زیبائش میں مغربی سکول نے جو کاریگری دکھائی ہے وہ دیکھنے کے

قابل ہے۔ اور دمشق اور قاہرہ کی مساجد مشرقی کاریگری کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں تاہم زیادہ صنعت قطعوں پر پائی جاتی ہے۔ اون میں سے بعض تو واقعی لاثانی اور بیش بہا ہیں۔ آجکل بھی اچھے اچھے عرب خوشنویس موجود ہیں۔

قال ابن بطوطہ کنت سمعت

بمدینہ بلغار فاردت التوجہ الیہا لاری

ماذکر عنہا من انتہاء قصر اللیل بہا و

قصر النہار الضاً فی عکس ذلک الفصل و کان

عربی زبان کی قدر آن سے پوچھئے۔ جو یا تو اس کی نفاست کے سبب اُس کو سمجھ ہیں۔ یا اوسکی وقت کے لئے۔ اُسکا سطالعہ کرتے ہیں۔ عربوں کے خیال میں اُنکی زبان نہ صرف الہامی زبان بلکہ خود خدا کی زبان ہے۔ اللہ عرش پر عربی بولتا ہے۔ اور قیامت کے دن فرشتوں کی زبان عربی میں فیصلہ کریگا

دوسری تمام زبانیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ قرآن کی انشا کامل اور اکمل ہے وہ عرش پر لکھی ہوئی ہے۔ اور فرشتے آپس میں عربی ہی بولتے ہیں ابن ارقم کرتا ہے کہ عرب لوگ قرآن کی زبان پر اتنے فریفتہ ہیں گویا کہ یہ بطور خود ایک مذہب ہے۔ اور اسلام سے علیحدہ اور کوئی نہیں ہے۔ مگر وہ تمام لوگ خواہ وہ عرب میں پیدا ہوئے ہیں۔ یا یورپ کی یونیورسٹیوں میں عربی پڑھتے ہیں۔ اس کی نفاست کے قائل ہیں۔ ڈچ عالم ڈی ڈیو۔ سٹلیٹن۔ شرو ڈر اور سنٹڈا اور سوس عالم ہانگر کے وقت سے یورپ میں عربی زبان کی طرف توجہ ہوئی۔ اور اب لوگ اس کی تعریف

ہیں رطب اللسان ہیں۔

اس زبان کی نفاست کے کئی اسباب ہیں۔ پہلے تو یہی کہ اس کی بناوٹ باقاعدہ ہے۔ گرامر مکمل ہے۔ ابجدوں کی ترتیب عبرانی سے بھی زیادہ باقاعدہ ہے۔ دوسرا بڑا سبب یہ بھی۔ کہ اسکی لغات بڑی وسیع اور اس کے مترادف الفاظ قابل تعریف ہیں عربی کی لغت کو قاموس کہتے ہیں۔ آین کہتا ہے۔ ایک عرب عالم نے شیر کے ۵۰۰ نام لکھے ہیں۔ ایک اور عالم نے سانپ کے لئے ۲۰۰ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ فیروزآبادی جو عربوں کا ویبسٹر ہوا ہے۔ اُس نے شہد کے الفاظ کا ایک ضمیمہ تیار کیا۔ اس عالم کے قول کے موافق عربی زبان میں تلوار کے لئے ۱۰۰۰ مختلف اصطلاحیں ہیں۔ ایک جرمن عالم وی ہیمر پرگ سٹل لکھتا ہے کہ اونٹ کے لئے عربی میں ۵۷۴۴ الفاظ ہیں۔ مگر حق بات تو یہ ہے کہ یہ مترادف الفاظ در اصل صنعت توصیفی سے ماخوذ الفاظ ہیں جو شاعروں نے اپنے کلام کے وزن کو پورا کرنے کے لئے استعمال کئے۔ دوسرے یہ کہ عربی میں ایسے الفاظ بہت زیادہ ہیں جن کے مترادف ہیں۔ نیز اس زبان میں اخلاقی الفاظ کی بہت کمی ہے۔

تیسرا نفاست کا بڑا سبب یہ ہے کہ عربی زبان بلحاظ دیگر سمٹک زبانوں کے۔ بلکہ دنیا کی ساری زبانوں کے اپنی اصل پر قائم ہے۔ اس کی بڑی وجہ ایک تو عرب کی جغرافیئی پوزیشن ہے۔ اور دوسری قرآن۔ قرآن کے سبب اس زبان میں بہت کم ترمیم ہو سکی ہے۔ اس نسل کی دوسری زبانیں یا تو مردہ ہو چکی ہیں۔ یا اس قدر بدل گئی ہیں۔ کہ اُن کی شناخت بھی بمشکل ہو سکتی ہے۔ مگر عربی اپنی اصلی حالت پر قائم رہی ہے۔ پہلے چار خلفاء کے عہد میں اسلامی فتوحات کے باعث چند الفاظ میں صرف عارضی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ وبس۔ چونکہ عرب دُنیا کے بے تعلق ملک میں رہتے تھے۔ دیگر اقوام سے اُن کا میل جول بہت کم تھا۔ لہٰذا اون کی زبان غیروں کے اثر سے محفوظ رہی۔ بے تعلقی کے علاوہ جو چیز زبان کو محفوظ رکھتی ہے۔ وہ کلاسکل لٹریچر ہے۔ شکسپیر کے زمانہ سے انگریزی زبان میں بہت کم ترمیم ہوئی ہے۔ مگر عربی زبان میں قرآن نہ ہوتا۔ تو اس وقت شام۔ مصر۔ مراکو اور عمان کی عربی میں اسقدر اختلاف پڑ گیا ہوتا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی زبان ہی نہ سمجھ سکتے۔ اور اون کی

تحریروں میں زمین و آسمان کا فرق پڑ گیا ہوتا۔

عربی زبان کی نفاست کا سب سے بڑا سبب اس کا اصلی لٹریچر ہے۔ صرف نظم میں ہی عربوں نے اس قدر کمال حاصل کیا ہے کہ وہ ساری دُنیا کو چیلنج کر سکتے ہیں گرائمر، منطق، اور معانی میں اُنہوں نے اتنی کتابیں لکھی ہیں۔ کہ کوئی کیا لکھیگا۔ بغداد اور قرطبہ کے عرب مورخوں نے اپنی تصنیفات سے کتب خانے بھر دیئے تھے۔ صرف قرطبہ کی لائبریری میں ..... لاکھ کتابیں تھیں۔ الجبرا اور علم ہیئت پر تو عربوں کا اتنا احسان ہے کہ وہ تا قیامت اُن کے احسان کے بوجھ سے نہیں نکل سکتے۔ ان کے علاوہ علم کی ہر شاخ کیطرف عربوں نے توجہ کی۔ اور جہاں تک اُن سے ہو سکا اس میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کی۔

عربی زبان صرف نفیس ہی نہیں۔ بلکہ سخت مشکل ہے۔ جو اس زبان کا عالم بننا چاہے۔ اُس کو دل و دماغ اسکی نذر کرنا پڑتا ہے۔ مصر کے ایک بوڑھے پادری نے ۱۸۲۲ء میں لکھا۔ میں عربی زبان کی دوبارہ تحصیل کی نسبت اسبات کو پسند کروں گا کہ اسکندریہ سے راس امید تک پیدل چلا جاؤں"۔ پہلی دقت تو اُس کے تلفظ کی ہی ہے۔ بعض عربی حروف انگریزی میں ترجمہ نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ بعض گرائمر دانوں نے نا ممکن کو ممکن کرنے کی کوشش کی ہے۔ حلق سے نکلنے والے الفاظ صحرا کا ہی حصہ ہے۔ اور شاید یہ اونٹ کی آواز سے نقل کئے گئے ہیں۔ ایک دو حروف ایسے ہیں کہ سفیدی کی عقل کو چکر دیتے ہیں۔ اور اخیر تک بعض کو تو پریشانی ہی میں رکھتے ہیں۔ حروف شناسی کے بعد طالب علم جلدی سیکھ سکتا ہے۔ اور جتنی جلدی وہ سیکھے گا۔ اُتنا ہی بہتر ہے۔ عربی زبان یورپین زبانوں سے ایسی ہی مختلف ہے۔ جیسا کہ مشرق مغرب سے ہر ایک عربی لفظ کا مادہ تین حروف سے نکلتا ہے۔ عرب عالموں کی لغت اتنی بڑی ہے کہ خود عربوں کو بھی سمجھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مزید براں عربی لٹریچر اتنا وسیع ہے کہ بارہ مصنفوں کی لغات پڑھنے کے بعد ایک شخص اُس کی ایک شاخ کو ہی سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ تم قرآن کو پڑھ سکتے ہو اور اُسکا مطلب بھی سمجھ سکتے ہو۔ لیکن جب تم کسی عرب شکسپیر یا ملٹن کی کتاب پڑھنا چاہو گے۔ تو اُس کی ایک سطر بھی نہ سمجھ سکو گے۔

عالموں کے لئے سند کا کام دیتی رہیں۔ اور ہیرن ڈی سیلی کے قول کے مطابق یہ نظمیں لٹریچر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔

مگر قرآن نے جو کچھ اس کے پہلے تھا۔ اور جو کچھ اس کے بعد ہوا۔ سب کو عربوں کی نظروں سے گرا دیا۔ یہ بلحاظ لٹریچر اور اخلاق کے کامل و مکمل ہے۔ چونکہ یہ خدائی کلام ہے۔ اس کی طرز تحریر بے نظیر ہے۔ اس کی انشا پر اعتراض کرنا کفر۔ اس کا دوسری کتابوں سے مقابلہ کرنا شرک ہے۔ کوئی شک نہیں قرآن کی مٹھاس کا راز اس کی شیریں طرز ادا ہے۔ اور یہ طرز ایسی ہے کہ عرب اسیر ہوتے ہیں۔ قرآن کا انگریزی ترجمہ ٹھیک اور بامحاورہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں اصل جیسی شان کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ پرٹن اور دیگر عالموں نے قرآن کا اس طرز میں ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ سیل کے ترجمہ کی نسبت زیادہ دلچسپ ہے۔ مگر قرآن کی اصلی مٹھاس اور چاشنی اس میں نام کو نہیں۔ قرآن میں خاص قسم کی لٹریری نزاکت پائی جاتی ہے۔ جس شخص نے اسکو پڑھا ہے۔ وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔

قرآن کے بعد عربوں کا بڑا لٹریری خزانہ مقامات الحریری ہے۔ کوئی عالم شخص اس مشہور آفاق کتاب سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس میں مسلمانوں کے سارے علوم۔ نظم۔ تاریخ۔ قدیم انشا۔ شرح اور فقہ پر بحث ہے۔ چینری نے حریری کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے۔ اور پریسٹن نے بھی ترجمہ کیا تھا

بہت سی عربی نظموں میں خیال کی یکرنگی اور بیان میں شائستگی نہیں ہوتی۔ خوبصورت آنکھ نرگس ہے آنسو موتی۔ دانت ہیرے ہیں۔ لب لعل ہیں۔ مژگاں تیر ہیں۔ ہونٹ کا خال ایک چیونٹی ہے۔ جو لبوں سے شہد چوس رہی ہے۔ خوبصورت چہرہ۔ چودہویں رات کا چاند ہے۔ کشیدہ اور لمبا قد الف ہے۔ سیاہ بال رات ہیں کمر بال ہے۔ اور محبت ایک خیالی جوش ہے۔ استعارے اور تشبیہات ایسی ہوتی ہیں کہ اصل سے انکا کوئی واسطہ ہی نہیں۔

اسلام کے عروج کے وقت سے عربی زبان کا دوسری زبانوں پر بڑا گہرا اثر پڑا ہے۔ ایرانی زبان میں عربی امجد عربی الفاظ اور جملے اس قدر شامل ہو گئے ہیں کہ بعض ایرانی کتابوں کے تقریباً تمام الفاظ عربی ہیں۔ صرف گرائمر ایرانی ہے۔ ہندوستانی

زبان کے تین چوتھائی الفاظ عربی ہیں۔ ترکی زبان میں بھی بہت سے عربی الفاظ اور جملے ہیں۔ ملائی زبان پر بھی عربی کا بہت اثر پڑا ہے۔ اور افریقہ میں تو عربی کا اثر بیش از بیش پڑا ہے

سارے شمالی افریقہ پر یہ زبان مسلط ہوگئی ہے۔ اور آجتک اس کا دائرہ اثر بڑھ رہا ہے۔ وسطی افریقہ کے سب جغرافیئی نام عربی ہیں۔ لیونگسٹن۔ سٹینلی۔ اور سپیک سے پہلے عرب لوگ وسطی حصّے کو جہان چکے تھے۔

جنوبی سوڈان۔ ہوسا۔ اور گنی کی زبانیں زیادہ تر عربی زبان سے بنائی گئی ہیں۔ خود یورپ اس زبان کے اثر سے نہیں بچا۔ ہسپانوی اور پرتگیزی زبانوں میں کئی عربی الفاظ اور محاورے مستعمل ہیں۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانیں بھی سائنٹفک اور ٹیکنیکل الفاظ کے لئے عربی زبان کی زیر بار احسان ہے۔ سکیٹ صاحب کی ڈکشنری سے ذیل میں وہ لفظ درج کئے جاتے ہیں۔ جو عربی سے لئے گئے ہیں۔

Hegira. ہجرا - Magazine. میگزین - Mohammadan محمڈن
Nabob. نواب - Sultan. سلطان - Mameluke مملوک
Saracen. سارسین - Mussalman - مسلمان
Amir - Koran قرآن - Munshee منشی - امیر - Moslem مسلم
Vizier. وزیر - Cipher - سائفر - Algebra. الجبرا
Alchemy. الکیمی - Sheikh. شیخ - Azimuth. عظمیت
Zero - زیرو - Nadir - نذیر - Arsenal. آرسنل - Tariff ٹیرف
Muezzin موذن - Harem. حرم - Mattress. میٹرس
Mohair موہیر - Sofa. سوفا - Carob. کرب - Coffee. کافی
Skin. سکن - Gazelle گزل - Jerboa. جربوا
Alcohol الکحل - Arrack - عرق - Saffron. سیفران
Attar عطر - Sumach. سمخ - Syrup. سائرپ
Senna - سنا - Muslin. مسلن - Sherbet شربت
Caliph. کلیف - Admiral. ایڈمرل (امیرالبحر)

سفیٰ غلم Muslin کرماٹن کاٹن Carmine Cotton وغیرہ وغیرہ

ان میں بہت سے الفاظ عربی، فرانسیسی و ہسپانوی زبان سے لئے گئے ہیں بہت سے براہ راست انگریزی میں مروج ہوئے ہیں۔ بہت سے عربی الفاظ پہلے یونانی پھر لاطینی، پھر اطالی، اطالی سے فرانسیسی میں اور فرانسیسی سے انگریزی زبان میں مستعمل ہوئے۔ میگزین کا لفظ اسٹنے سپر ہیر ہوکر انگریزی لفظ بنا ہے۔ اصل سے بہت ہی مختلف ہو گیا ہے۔ میگزین اصل میں عربی لفظ خزائنہ سے لیا گیا ہے۔ نہر سویز کے جاری ہونے کے وقت سے انگریزی زبان عربی پر اپنا اثر ڈال رہی ہے۔ مصر، شام اور خلیج فارس میں بہت سی انگریزی تجارتی اصطلاحیں مروج ہوگئی۔ شام کے مشنری ہیں سے شام کالج اور پریس کے ذریعہ عربی پر اثر ڈال رہے ہیں۔ ڈاکٹر علی سمتھ اور وان ڈایک کی کوشش سے عربی میں انجیل بھی تیار ہوگئی۔ عربی زبان کی انجیل بھی عربی بولنے والی دنیا میں بلا اثر پیدا کرے گی۔ عربی ایک قرآن تھا۔ اب عربی میں ایک ہی انجیل ہو گی۔

النشرة الاسبوعية

قيمة الاشتراك
٢٠ غروشا
في بيروت ولبنان
و ٢٣ غروشا
في سائر جهات المملكة العثمانية
و ٢٠ فرنكات
في البلاد الاجنبية
يان الجزء الواحد ... بارا

فتح كلامك ينير

سارا لوكل ٥ ١
في بيروت البنات وهيا
... مار ... الرسالة ...
المرسلون الاميركان
في القدس جوار ...
... في يافا
... افندي ابو ناصر

بيروت السبت في ٤ ايلول سنة ١٨٩٧ عدد ١٧٤٩

چھبیسواں باب

عرب

جزیرہ نما عرب کے موجودہ قبائل اور باشندگان کے اصل حسب و نسب کے متعلق عالموں میں بڑا اختلاف ہے۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ شمالی عرب کے قبائل اسمعیل کی نسل میں سے ہیں۔ عرب مورخوں کی بھی یہی رائے ہے۔ جنوبی عرب جو اسماعیلیوں کے آنے سے کئی صدیاں پیشتر حضر موت اور اوس کے ساحل پر آباد تھے۔ اون کے متعلق دو خیال ہیں۔ بعض اون کو قحطان بن حمیر کی نسل سے بتاتے ہیں۔ اور شمالی عرب کے باشندوں کی طرح اصل سمٹک سمجھتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ جنوبی عرب کے قدیم باشندے (Somalis) یا ([illegible]) تھے۔ بعض جرمن عالموں کا خیال ہے کہ قدیم عرب (Gallas) اور (Semites) کی مخلوط نسل سے ہیں۔ اسماعیلی قبائل صرف شاہزادوں کی اولاد پر ہی مشتمل نہیں ہیں۔ بلکہ Midianites - Ammonites اور کئی دیگر قبائل بھی اون میں Moabites - Edomites شامل ہیں۔ موجودہ عرب میں ان ناموں کے متعلق اسماعیل کے بیٹوں کے نام مرتّا کی لغاتوں میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ مگر ابھی تک اس مضمون میں کافی گنجائش ہے۔ شمالی عربوں کا خود تو یہ دعویٰ ہے کہ وہ ابراہیم کی نسل میں سے ہیں۔ یمنیوں اور مصریوں میں بہت کی رقابت اور عداوت جو ایک ہی زبان اور مذہب ہونے کے باوجود آجتک بھی قائم ہے ثابت کرتی ہے۔ کہ جزیرہ نما میں شروع سے ہی دو مختلف قومیں آباد تھیں۔ ان دونوں قوموں کی عداوت مٹنے والی عداوت نہیں ہے۔ جس طرح کیمیاوی عمل سے دو چیزوں کو ملانے سے ایک شرارہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح یمنیوں اور مصریوں کا آپس میں ملکر رہنا بغیر اس کے نہیں ہو سکتا۔ گروہ

ایک دوسرے سے دست و گریبان رہیں۔ فی زمانہ یروشلم کے گرد و نواح کے یمنی
جو یمن کے مضریوں سے سخت نفرت رکھتے ہیں۔ اور جب ان سے پوچھا جائے کہ
تمہیں اس بغض و کینے کا سبب کیوں ہے۔ تو کوئی وجہ پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہی جواب دیتے
ہیں کہ مدت سے ایسا ہی چلا آتا ہے۔

خلفاء کے عہد حکومت میں ایک مضری نے ایک یمنی کے باغ سے ایک پھل
توڑا۔ اسی پر دو سال تک ملک دمشق جنگ کا میدان بنا رہا۔ سیستان میں ایک مضری
نے ایک یمنی کے باغ سے انگور کا پتا توڑا۔ بس پھر کیا تھا۔ سات سال تک خون کی
وہ جھڑی لگی رہی۔ کہ توبہ بھلی۔ ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف
ایسی گرہ بیٹھی ہے کہ نکلتی ہی نہیں۔ کمیت کے نزدیک ایک دفعہ ایک یمنی سے پوچھا
گیا۔ کہ تم نے اپنے باپ کے لئے دعا مانگی ہے۔ مگر ماں کے لیے نہیں مانگی۔ یمنی نے
جواب میں کہا۔ میں اپنی ماں کے لئے کس طرح دعا مانگ سکتا ہوں۔ وہ تو مضر کی
قوم میں سے ہے"

قدیم زمانہ میں یمنیوں نے ایک نہایت زبردست یمنی سلطنت قائم کی۔
حمیری مشرق کے جہازراں تھے۔ وہ صنعت و حرفت اور تجارت میں مشہور آفاق
تھے۔ ان کی زبان نوشت و خواند میں کام آسکتی تھی۔ اس صدی میں ان کے
لکھے ہوئے چند کتبے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ سبائی یا اسماعیلی عرب خانہ بدوش
تھے۔ اور یا ان قافلوں کے باشندے۔ جو براہ خشکی دو رستوں سے مشرق اور
مغرب کے درمیان تجارت کرتے تھے۔ ایک راستہ عدن سے شروع ہوتا تھا۔ یمن
اور جزیرہ نما کے مغربی حصے میں سے ہوتا ہوا مدینہ پہنچ جاتا تھا۔ دوسرا راستہ بابل سے
تدمر اور دمشق کی طرف جاتا تھا۔ ایک تیسرا راستہ یمن اسماعیلی عربوں کے قبضہ میں
تھا۔ یہ وادی رما اور نجد سے حیریوں کے تدمر بالخلاف مغرب کی طرف جاتا تھا۔
یہ قافلے عرب کی دو قوموں کو ایک بنا رہے تھے۔ شمالی عرب جنوب کی تہذیب سے
بہرہ ور ہو رہے تھے۔ اور جنوب والے عرب شمال کی زبان سیکھ رہے تھے۔ مگر قافلوں کے
زوال نے عرب میں تباہی برپا کر دی۔ صحرا کے جہاز نے سمندر کے جہاز کو اپنے
مقابل پایا۔ قدیم بستیاں اجڑ گئیں۔ بڑے بڑے شہر جو خشکی کی تجارت سے مالا مال تھے

ویران ہو گئے۔ اور سارے قبائل افلاس کے پنجے میں گرفتار ہو گئے۔ اور اس مصیبت کے زمانہ میں جو محمد سے بہت پہلے گذرا ہے۔ عربوں میں قومیت کا آغاز ہوا
موجودہ عرب اپنے آپ کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اہل البیت اور اہل البعت مگر یہ تقسیم ٹھیک نہیں۔ آیلڈ بیٹی۔ ایل کلارک اپنی کتاب The Arabs
And The Turks "عرب اور ترک" میں عربوں کو پانچ جماعتوں (۱) میں تقسیم کرتا ہے۔ سیڑھی کے نچلے حصہ سے شروع ہوئیں۔ تو پہلے وہ عرب ہیں جو مستقل سکونت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بہت شہروں میں رہتے ہیں۔ مگر وہ کاشتکار ہیں۔ ان عربوں کو خانہ بدوش عرب حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنا قومی شیوہ چھوڑ کر زندگی کے دوسرے طریقے اختیار کر لیے ہیں۔ دوسرے درجہ پر وہ عرب ہیں۔ جو سکونت پذیر عربوں کے مضافات میں گھومتے رہتے ہیں۔ یہ دونوں جماعتیں خاص کر موخر الذکر سخت خراب ہو گئی ہے۔ تیسری جماعت اُن عربوں کی ہے۔ جو ترکی شہروں اور قریوں میں رہتے ہیں۔ یہ جماعت بھی بلحاظ زبان اور کیرکٹر ابتر حالت میں ہے۔ چوتھی جماعت اون باشندوں کی ہے جو خاص عرب کے شہروں اور قریوں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ خانہ بدوش عربوں سے بھی زیادہ دنیا سے بے تعلق ہیں۔ پانچویں جماعت اون خانہ بدوش عربوں کی ہے جو وسط میں رہتے ہیں۔ وہ ابھی تک اسی اصلی اور ابتدائی حالت میں ہیں۔ یہ آخری عرب اصلی بدو ہیں۔

اس جماعت بندی کے علاوہ تہذیب کے لحاظ سے بھی ان کی نسبی تقسیم ہے اور دنیا میں کوئی قوم عربوں سے بڑھ کر شجرہائے نسب کی زیادہ شوقین نہیں بعض قبائل اور خاندانوں کے شجرے زمانہ قبل از اسلام تک پہونچتے ہیں۔ قبائل کے ابتدائی نام یا تو جانوروں سے لیے گئے ہیں۔ یا دیوتاؤں یا بتوں سے۔ جیسے بنی کلب بنی ربانہ۔ ضبر تموت۔ عبد القیس۔ عبد اللات۔ مگر آخری سسٹم کے متعلق عرب جو کچھ کہتے ہیں۔ وہ بالکل غیر معتبر ہے۔ اُن کا کہنا۔ کہ اس کا اصل محمد کا شجرہ نسب بھی بالکل فضول بات ہے۔ بے بنیاد اور مبہم بزرگوں کے نام سے اس واسطے شروع کیا جاتا تھا کہ کسی طرح ممتاز قبیلے سے ملائے جائیں۔ اور خود محمد نے بھی لکھا ہے کہ عربوں میں

یہ عام دستور ہے کہ اپنے آپ کو کسی ممتاز قبیلہ کا بتاتے ہیں۔

کیرکٹر کی تشریح کرنی ہمیشہ مشکل ہوتی ہے۔ کسی قوم کی اخلاقی حالت کو جیسی کہ وہ دراصل ہے۔ بیان کرنا ازبس مشکل ہے۔ عربوں کے متعلق یہ مشکل اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ ان کی اصل دو رنگی اور ان کی تہذیب میں بھی دو رنگی ہے جو کچھ شہریوں کے متعلق کہا جائے۔ وہ بدوؤں کی نسبت ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اور جو کچھ کہ بدوؤں کی بابت کہا جائے۔ وہ شہریوں کی حالت کے مطابق نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی ہمسایہ ممالک کے اثر کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ مشرقی عرب مدت کے میل جول کی وجہ سے ایرانی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ وہاں کی گفتگو۔ مکانوں کی طرز۔ خوراک پوشاک سب میں ان کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مغربی عرب خاص کر حجاز مصر کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ عربوں کا اصل کیرکٹر بیان کرتے ہوئے ان اثرات کا خیال رکھنا ازبس ضروری ہے۔

جسمانی طاقت کے لحاظ سے عرب دنیا کی ممتاز ترین قوموں میں سے ہیں جبران ڈی لیری جو نپولین کا سرجن جنرل تھا۔ مصر اور شام کی مہموں میں عربوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔ ان کی جسمانی بناوٹ ہر طرح اور ہر پہلو سے یورپین لوگوں کی نسبت زیادہ مکمل ہے۔ ان کے حواس خمسہ بہت اچھے ہیں۔ ان کا قد انسان کے اوسط قد سے اونچا ہے۔ ان کا جسم خوبصورت اور مضبوط ہے۔ [illegible] ان کے عقلی قویٰ بھی مضبوط ہیں [illegible] خیال کی باریکی [illegible] کو خراب کر دیتی ہے۔ [illegible] بھویں لمبی اور ان کے بال [illegible] ہوتی ہیں۔ [illegible] اور [illegible] بھی نہیں ہوتی۔ دانت سفید [illegible] عربوں کی داڑھی بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے مگر شہر کے رہنے والے [illegible] داڑھی [illegible] گویا کہ ان کی داڑھی بھی [illegible] کے بیان کردہ داڑھی کے مطابق [illegible] خوب گٹھا ہوا اور اعضا [illegible]

اور ٹانگیں پتلی ہوتی ہیں۔ مگر پیچھے چابک کیطرح خوب کسی ہوتی ہیں۔ بدو جوانی کی عمر میں اکثر خوبصورت ہوتے ہیں۔ آنکھیں روشن اور بال سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے منہ ڈھانپے رکھتے ہیں۔ اُن کا چہرہ جلد خراب ہو جاتا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں اُن کی داڑھیاں سفید ہونے لگتی ہیں۔ اور پچاس سال کی عمر میں وہ بوڑھے معلوم ہوتے ہیں۔

عربوں کو جمہوری خیال کا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ عرب ہمیشہ امرائی خیال کے رہے اور ہیں۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر ایک خاندان دوسرے خاندان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتا رہتا ہے۔ ایک قبیلہ یا خاندان ہمعصر قبیلہ یا خاندان میں ہی بیاہ شادی کرتا ہے۔ شیخ گورمنٹ کا سسٹم بالکل امرائی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ جنوبی اور شمالی عرب میں اب تک ذاتوں کا خیال کیا جاتا ہے۔ عرب اپنے سے کم شریف آدمی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اور مذہب نے عرب لوگوں کو سخت متعصب بنا رکھا ہے۔ اور بقول ٹول بک۔ سارے سمٹک مذہب تعصب کی تعلیم دیتے ہیں مگر وہ اس بات کو فراموش کر گیا ہے۔ کہ اپنے مذہب کے مقابلہ پر دوسرے کو کچھ نہ سمجھنا اور بات ہے۔ دوسرے سے نفرت۔ حقارت اور عداوت کرنا اور بات ہے۔ پہلے کی مثال مذہب یہود ہے۔ دوسرے کی مثال اسلام۔ عربوں کو خدا نے یہ عقل ہی نہیں دی۔ کہ کسی کام کو ایک نظر دیکھ کر اس کو بطور خود کر لیں۔ ایک عرب مستری قائم الزاویہ نہیں بنا سکتا۔ ایک عرب ملازم ایک مربع میز پر چادر نہیں بچھا سکتا۔ عربوں کا قدیم معبد کعبہ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مکعب ہے۔ اس کی کوئی طرف یا کوئی کنارہ بھی آپس میں برابر نہیں۔ اُن کے مکانوں میں آج تک یہ نقص پایا جاتا ہے۔ اُن کے بازار کبھی سیدھے نہیں ہوتے۔ حالانکہ دمشق کے ایک بازار کا نام ہی بازار مستقیم ہے۔ مگر وہ بھی سیدھا نہیں۔ عرب قصبوں کو پسند کرتے ہیں۔ جمعیت کو پسند نہیں کرتے۔ وہ عمدہ سپاہی ہیں۔ مگر جرنیل اچھے نہیں۔ کاروبار کو مشترکہ سرمایہ سے کرنا۔ وہ جانتے ہی نہیں۔ پبلک سپرٹ نے اُن کو مس سے مس تک نہیں کیا۔ ہر ایک آدمی اپنا ہی فکر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بین ترکوں کی حکومت کا جوا نہیں اتار سکتا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ عرب کے چھوٹے سے قصبہ میں بھی مساجد کی کثرت ہے۔

عرب خصوصیت پر نظر رکھتا ہے۔ مزاج چلبلا پایا ہے طبیعت میں غصہ اور جوش بہت ہے۔ مگر ہمیشہ زمانہ گذشتہ کے ہی راگ گاتا رہتا ہے۔ ہر ایک بات میں وہ قدیم اصولوں اور روایتوں پر عمل کرتا ہے۔ اُن کے نظموں اور نظم پر خیال کرو۔ اسی روش پر قائم ہیں نثر فصاحت اور نظم کی ابھی تک بڑی قدر کرتے ہیں۔ جس ہنر پر عرب مرتے ہیں وہ خوشنویسی ہے۔ جن لوگوں نے اُن کے خط کے نمونے دیکھے ہیں وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مصور ہو سکتے ہیں۔ عرب۔ مہذب۔ زندہ دل۔ شریفانہ مزاج۔ صابر۔ دلیر اور حملے سے درگذر کرنے والے ہوتے ہیں۔ مگر وہ مکار۔ جھوٹے۔ غیر معتبر۔ حریص۔ مغرور اور وہمی بھی ہوتے ہیں۔ ہر ایک شخص کو عرب سے کاروبار کرتے وقت ان سب باتوں کا خیال رکھ لینا چاہیئے۔ کلارک کہتا ہے نہ روپیہ کے معاملہ میں ایک عرب دہوکہ دے گا۔ جھوٹ بولے گا۔ یقین دلانے کو ہزاروں قسمیں کھائے گا۔ اُس سے ایمان کی قسم لے لو پھر کوئی ڈر نہیں۔ وہ اخیر تک ایماندار ہی رہے گا۔ جب ایک عرب واللہ کہکر قسم کھائے تو سمجھو جھوٹا ہی مگر اوس کو وا۔ حے سے لے کی قسم دلاؤ پہلے درجہ کا لوٹیرا بھی اُس کو توڑنے کی جرأت نہ کرے گا۔ حالانکہ حرف کے لحاظ سے دونوں قسموں کے قریباً ایک ہی معنی ہیں خانہ بدوش عرب چوری عجیب ڈہنگ سے کرتے ہیں۔ مگر جو عرب بسا ہے۔ وہ قانون کے رو سے بجلکہ ایمان داری اور عزت سے چوری کرتا ہے۔ وہ رات کے وقت حملہ نہیں کرتا۔ خون سے اپنا ہاتھ نہیں رنگتا اور نہ جبر و تشدد سے کام لیتا ہے۔ اور اگر وہ اپنے مقصد میں ناکامیاب رہے۔ تو نہایت دلیری سے پہلے خیمہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اپنا اصل ماجرا سنا کر پناہ مانگتا ہے۔ ذلیل۔ نمک اور خون کی قسم اور مہمان کی خاطر یہ باتیں ثابت کرتی ہیں کہ عرب معتبر آدمی ہیں۔ تاہم زندگی کے روزمرہ کام میں عام طور پر دہوکہ اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔ جب تک عرب کوئی سودا کرتا ہے گھنٹوں تک قیمت کے کم کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر جب مہمان نوازی کرے۔ وہ اپنی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ برک ہرڈٹ کے قول کے موافق مشرق کا اصل شیدا عرب ہے۔ اگر وہ عرب کے لفظ کو بدوی عرب تک محدود کر دے۔ تو پھر اسکا مقولہ بالکل ٹھیک ہے۔ محبت اور

شادی کے معاملات میں عرب وہی کرتا ہے جو محمدؐ نے خدیجہ کی وفات کے بعد کیا
مگر زمانہ جہالت کے عربی اشعار محبت اور الفت کی داستانوں سے بھرا ہیں۔ صحرا کے عرب
کثیر الازدواج نہیں ہیں۔ اور طلاق کی قبیح رسم بھی اون میں کم ہے۔ قدیم عربوں
میں قانون تھا۔ اگر کوئی شخص خون بہائے۔ تو مقتول کا خاندان اوس کا خون بہا
سکتا ہے۔ اس قانون کو قرآن نے بحال رکھا۔ اور اب یہ قانون عرب میں ہر جگہ
ادب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ وہ عرب سخت کمینہ سمجھا جاتا ہے۔ جو خون کی بجائے
خون لینے کے عوض میں تاوان لے لے۔ اس قانون کی بدولت عرب لوگ خون
بہانے سے محترز رہتے ہیں۔ شہر کے عرب اور بدو آپس میں گھنٹوں تک تو تو میں
میں کرتے ہیں۔ مگر جوتی پیزار نہیں ہوتی۔ اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ بزدل ہیں۔ بلکہ
وہ قصاص سے ڈرتے ہیں۔

عربوں کی خانگی زندگی کا پتہ صحرا میں بچوں کی حالت اور بدوؤں اور شہریوں میں
مستورات کی پوزیشن دیکھنے سے بخوبی لگ جاتا ہے۔ بچے کے پیدا ہونے پر جشن نہیں
ہوتے ہیں۔ اور کوئی تقریب نہیں ہوتی۔ ملک کی ویرانی اور افلاس نے عرب بدوؤں
کو سنگدل بنا رکھا ہے۔ کھلے صحرا میں کھجور یا اونٹ کے سایہ میں عرب بچہ دن کی پہلی
روشنی دیکھتا ہے۔ جب یہ شکم مادر سے باہر نکل آتا ہے۔ ماں بچے کو ریت سے صاف
کرتی ہے۔ پھر اپنے رومال میں لپیٹ کر گھر میں لے آتی ہے۔ کچھ مدت تک وہ اپنا دودھ
پلاتی ہے۔ مگر جب بچہ چار ماہ کا ہو جاتا ہے۔ وہ اونٹنی کا دودھ پینا شروع کر دیتا ہے
پیدا ہوتے ہی بچہ کا نام رکھا جاتا ہے۔ اور اس میں اون چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے
جو وقت پیدائش ظہور میں آتی ہے۔ عام اسلامی نام جیسے کہ حسین۔ علی۔ فاطمہ۔ اصل
بدو یہ نام نہیں رکھتے۔ البتہ محمدؐ نام کبھی کبھی رکھ لیتے ہیں۔

اپنے ذاتی نام کے علاوہ ہر بدو لڑکے اُس کے باپ اور قبیلہ کے نام سے پکارا جاتا ہے
اور زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اکثر لڑکوں کو اُن کی بہنوں کے نام پر پکارا جاتا ہے
جیسے کہ اخو نورا (نورا کا بھائی) لڑکیوں کے نام طیور یا صحرائی جانوروں کے نام
پر رکھے جاتے ہیں جیسے کہ غزال وغیرہ۔

تعلیم کے لحاظ سے عرب فطرت کا اصل بیٹا ہے۔ اُس کے والدین اُس کو اپنی

مرضی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ نہ اُس کو ڈانٹتے ہیں نہ اُس کو پیار کرتے ہیں۔ چونکہ بچپن سے
ہی اُس کی تعلیم خانہ بدوش سکول میں ہوتی ہے بیکان اور خطرہ اُس کے نزدیک کوئی
بات ہی نہیں۔ برک ہرڈوٹ کہتا ہے میں نے عین گرمیوں کے دنوں میں دوپہر کے
وقت عرب لڑکوں کو گرم ریت پر ننگا کھیلتے دیکھا ہے۔ جب وہ تھک کر اپنے بالوں کے
خیموں میں گئے۔ تو اُن کو اپنے کھیل جاری نہ رکھنے پر فہمائش کیگئی۔ اپنے لڑکوں کو عمدہ
اطوار سکھانے کی بجائے باپ اُس کو یہ سکھاتا ہے کہ جو مسافر خیمے کے پاس آئے
اس کو یا وہ اُس کی کوئی چیز چرالے۔ لڑکا جتنا شریف ہوگا۔ اُتنی ہی اُس کی تعریف
کیجاوے گی۔ کیونکہ بزعم اُن کے اُس کے آئندہ آثار ہونہار ہیں۔ بدو لڑکے اور لڑکیاں
چھ سال تک ننگے ہی ننگے کھیلتے رہتے ہیں۔ جب لڑکا سات سال کا ہوتا ہے۔ اُس کا
ختنہ کیا جاتا ہے بھیڑیں ذبح کیجاتی ہیں۔ ایک بڑی دعوت دیجاتی ہے۔ عورتیں
گاتی ہیں۔ مرد تیر اندازی کرتے ہیں۔ اور سوار ہوکر تلوار کے ہنر دکھاتے ہیں۔ چھوٹی
چھوٹی بدو لڑکیاں سستے سے زیور پہنتی ہیں۔ اور خیموں کی چوبوں کو شتر مرغ
کے پروں سے سجایا جاتا ہے۔ غرضیکہ ختنہ کا دن بڑی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ بدو لڑکوں
کے پاس کھلونے نہیں ہوتے۔ مگر ریت سے کھیلوں سے وہ اپنے آپ کو بہلائے
رکھتے ہیں۔ میں نے چند لڑکیوں کو دیکھا کہ ٹھوڑی سے گڑیاں باندھے ہوئے تھیں
اور اُن کو اچھالتے تھے۔ لڑکے جنگلی گھاس سے ایک قسم کی بین بناتے ہیں۔ اور
اُس کو مقصود ([illegible]) کہتے ہیں۔ نجد اور یمن میں لڑکوں کا پہلا ہتھیار گوپیا
ہے۔ پھر اُس کے بعد تلوار اور چاقو۔ بدو لڑکوں کے پاس کسی قسم کی کوئی کتاب
نہیں ہوتی۔ مگر کتاب کی بجائے اُن کے پاس صحیفۂ فطرت ہے۔ اور اس کو جس
غور سے وہ لوگ مطالعہ کرتے ہیں یہ اُن کا ہی حصہ ہے۔

جب بدو لڑکا جوان ہو جاتا ہے۔ وہ الف کا نام بھی نہیں پڑھ سکتا۔ مگر وہ انسان
کو اور صحرا کو خوب جانتا ہے۔ رات کے وقت تیغ لیے خیمہ کے گرد جلتی ہوئی آگ
کے پاس وہ جو باتیں سنتا ہے۔ اُن سے وہ کئی سبق حاصل کرتا ہے۔ یہ بات واقعی
افسوسناک ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے خانہ بدوش بھی تعصب سے خالی نہیں۔ اور
صابئیت اور عیسائیوں سے سخت نفرت و عداوت رکھتے ہیں۔ نجد میں اُن کا

ایک یہ بھی کھیل ہے۔ کہ ریت پر صلیب کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ اور پھر اس کو مٹاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے مذہب کو ماننے والے سب کے سب کافر ہیں۔ اور نصرانیوں کو تنگ کرنا وہ اللہ کی خوشنودی کا سبب جانتے ہیں۔ تاہم اسلام کے متعلق یہ بدو لوگ بہت کم اور یا ان کے لڑکے تو ان سے بھی کمتر جانتے ہیں۔ ان لڑکوں کے دل و دماغ پر قرآن مسلط نہیں ہے

بدو لڑکا لڑکپن کے زمانہ سے جلد ہی نکل آتا ہے۔ اگر مغربی خیالات کی دوربین سے دیکھا جائے۔ تو عرب کے بچے پست قد ہوتے ہیں۔ اور بڑے آدمی ننھے معلوم ہوتے ہیں دس سال کی عمر میں لڑکے اونٹوں کے پیچھے اور لڑکیاں بھیڑوں کے پیچھے بھیجا جاتا ہے پندرہ سال کی عمر میں اُن کی شادی کا چرچا ہوتا ہے۔ وہ مردوں کی سی پوشاک پہنتا ہے۔ اور توڑے دار بندوق سے مسلح ہوتا ہے۔ اور لڑکی اونٹوں کی پشم کاتتی ہے اور ایام گذشتہ کے گیت گاتی ہے۔ یہاں اُن کے لڑکپن کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے شہروں میں اس عمر سے بھی پہلے شادی ہو جاتی ہے۔ اور اٹھارہ سال کی عمر میں ایک شہری لڑکا دو بیویوں کو طلاق بھی دے چکا ہوتا ہے۔ بدوؤں اور شہروں کے غریب آدمیوں میں کثیر الازدواجی کی رسم عام نہیں۔ بدوؤں میں شادی کی رسومات نہایت سیدھی سادی اور شہریوں میں بڑی طویل اور پیچیدہ ہیں۔ شادی سے پہلے جو نامہ و پیام ہوتے ہیں۔ اون کے بعد دولہا ایک بھیڑ بغل میں دبائے ہوئے دُلہن کے باپ کے خیمہ میں آتا ہے۔ اور لوگوں کے سامنے اُس کو وہاں ذبح کرتا ہے۔ جس وقت کہ خون زمین پر گرتا ہے۔ معاہدہ مکمل ہو جاتا ہے۔ دعوت اور ناچ رنگ کی محفل گرم ہو جاتی ہے۔ رات کے وقت دُلہن کو دولہا کے گھر میں لیجاتے ہیں۔ دولہا پہلے ہی انتظاری میں بیٹھا ہوتا ہے۔ جہیز فیاضی سے دیا جاتا ہے۔ اور شہروں میں تو بہت ہی فیاضی سے کام لیا جاتا ہے مغربی خیالات کے لحاظ سے بدوؤں کی عورتیں شہری عورتوں کی نسبت زیادہ آزاد ہیں مگر بدوؤں میں شہریوں کی نسبت طلاق کی رسم زیادہ ہے۔ برک جرڈٹ نے ایسے عرب بھی دیکھے ہیں کہ پینتالیس سال سے زیادہ عمر کے نہ تھے۔ مگر پچاس بیویوں سے شادی کر چکے تھے۔

شہروں میں جس طرح شادیاں کیجاتی ہیں۔ اور جو رسومات ادا ہوتی ہیں۔

اور جس طرح طلاقیں دیجاتی ہیں۔ اون کی اسلام خلاف تہذیب قانون بھی اجازت نہیں
دیتا۔ عرب میں عورتوں کی پوزیشن کے متعلق ہم چار معتبر اشخاص کے بیانات نقل کردیتے
ہیں۔ یہ لوگ بالکل بے لاگ ہیں۔ جہاں اون کے بیانات میں اختلاف ہو۔ وہاں وہ اپنی
جگہہ سب سچے ہیں۔ اور جہاں اُن کا اتفاق ہے۔ گویا وہاں اون کی بات پتھر کی لکیر ہے
ڈوتی لکھتا۔ وہ عرب کہتے ہیں۔ "عورتیں جانوروں میں سوائے آدمیوں کے سب
سے بہتر ہے"۔ سمتھ لوگ سارے الزام عورت کی ذات پر لگاتے ہیں۔ وہ خیال
کرتے ہیں۔ اُسکی فطرت بہت بُری ہے۔ اور عرب کہتے ہیں۔ اُس کی سات زندگیاں ہیں
عرب عورتوں کے دشمن ہیں۔ اور وہ اون کو خدا کی لعنت سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ بعض عورتیں
خاوندوں کو زہر دیدیتی ہیں۔ اور بہت سی زانیہ فاسق اور فاحشہ ہوتی ہیں۔ وہ عورتوں
کو ہمیشہ سایہ میں رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اگر اوسکو مساوات کا درجہ دیا جائے تو وہ
شیطنت پھیلادے۔ وہ سارا دن اُس کو گھر میں ہی روکے رکھتے ہیں۔ اور پردے
سے باہر کبھی نہیں نکلنے دیتے۔ شہروں میں تو پردہ اور بھی سخت ہے۔ خیموں میں
رہنے والے عربوں میں عورتوں کو آزادی تھی۔ مگر اب وہ بھی کچھ کچھ پردہ کرنے لگے
ہیں"۔ برک ہرٹ لکھتا ہے۔ "بدو اپنی عورتوں کے حاسد ہیں۔ مگر اون کو اجنبیوں
سے بات چیت کرنے یا سننے سے نہیں روکتے۔ یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ ایک بدو
اپنی بیوی کو مارتا ہے۔ اگر وہ اوس کو مارتا ہے۔ وہ دوہائی مچاتی ہے۔ سنکر عورت
کا کوئی حامی آجاتا ہے۔ وہ خاوند کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور اُس کو کہتا ہے۔ زبان سے
بدلو۔ ہاتھ سے کام نہ لو۔ بیوی اور بیٹیاں سارے گھر بار کا کام سرانجام دیتی ہیں۔ آٹا
پیستی ہیں۔ آٹا گوندھتی ہیں۔ روٹی پکاتی ہیں۔ دہی۔ دودھ اور مکھن نکالتی ہیں۔ پانی
بھر کر لاتی ہیں۔ چرخا کاتتی ہیں۔ خیموں کے پردوں کی درستی کرتی ہیں۔ غرضیکہ سب
کام کرتی ہیں۔ خاوند یا بھائی خیمہ کے سامنے بیٹھا حقہ پیتا ہے"۔ لیڈی این بلنٹ
ارقام کرتی ہے۔ "بدو عورت کے متعلق مختصر سا بیان ہی کافی ہے۔ جب وہ لڑکی
ہوتی ہے۔ اُس قدرتی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ وہ ہنس مکھ اور خوشرو ہوتی ہے
وہ سخت کام کرتی اور اُسی سے سخت کام لیا جاتا ہے۔ وہ کیمپ کے سارے کام
کرتی ہے۔ وہ مردوں سے علیحدہ رہتی ہے۔ مگر اون سے بالکل جدا نہیں ہوتی۔ صبح

کبھو قت وہ لکڑیاں اکھٹی کرنے جاتی ہیں۔ اور سارا دن نہایت تندہی سے کام کرتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں صحرا کی عورتیں مردوں سے بہت ہی پیچھے ہیں۔ اُن کے خیالات نہایت ہی تنگ دائرے میں چکر لگاتے ہیں۔ تاہم بعض عورتیں اپنے خاوندوں پر غالب پا لیتی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سارے قبیلہ کو اپنا مطیع بنا لیتی ہیں۔ کئی خیموں میں قبیلہ کی پالیٹکس کا فیصلہ عورتوں کی نصف رائے پر ہوتا ہے"۔

ایک ڈچ سنوک حرگرونجی۔ عرب کے شہروں کی عورتوں کے متعلق لکھتا ہے "عرب میں مرد عورتوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسلامی لٹریچر میں تو جو عورتوں کی قدر ہے سو ہے۔ مگر مقدس حدیثوں میں اُن کی مٹی سخت خراب کی گئی ہے کہ دوزخ عورتوں سے بھر جائے گا۔ عورتیں عقل و ایمان سے مبرا ہیں۔ دُنیا کی سب خرابیوں کی جڑ ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم تو ان کے نزدیک تضیع اوقات ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ عورت کو خدا نے حسن اسواسطے دیا ہے کہ مردوں کی خدمت کریں۔ اور اس کے لئے بچے پیدا کریں"۔ عرب میں تین قسم کے گھر ہیں۔ خیمے۔ کھجوروں کے جھونپڑے اور پتھر کچے۔ یا کچی اینٹوں کے مکان۔ وسطی اور شمالی عرب کے لوگ خیموں میں ساحل اور جنوبی عرب کے جھونپڑوں میں۔ شہروں اور قصبوں کے مکانوں میں رہتے ہیں؛

ان گھروں کو بیت کہتے ہیں۔ بدوؤں کے خیموں میں تو چوبیں ہوتی ہیں۔ اور اُن کے دو حصے ہوتے ہیں۔ دروازے سے داہنے ہاتھ کا عورتوں کے لئے اور بائیں ہاتھ کا مردوں کے لئے۔ بیچ میں ایک سفید کمبل کا پردہ لگانے سے ایک خیمہ دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے چوبیں پانچ سے سات فٹ تک اونچی ہوتی ہیں۔ خیمہ بیس ۲۰ پچیس تیس ۳۰ فٹ لمبا ہوتا ہے۔ اسکی گہرائی زیادہ سے زیادہ دس فٹ ہوتی ہے۔

بدو کا خانگی اسباب کھانے پینے کے برتنوں۔ کاٹھیوں۔ غالیچوں۔ مشکوں۔ گندم کے بوروں اور چکی پر مشتمل ہوتا ہے۔ کھجور کے جھونپڑے مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ یمن اور حجاز میں یہ جھونپڑے خانوں کا مجموعہ۔ گول اور چوٹی دار ہوتے ہیں۔ مشرقی عرب میں یہ جھونپڑے مربع اور اُن کی چھتیں ڈھلوان ہوتی ہیں۔ اور اُن پر کھجور کی پتیاں ڈال دیتے ہیں۔ بحرین کے عرب ان جھونپڑوں کو ایسی اُستادی سے بناتے ہیں کہ

آندھی طوفان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ایک معمولی جھونپڑا بیس یا تیس روپے میں تیار ہوتا ہے
اور چند سال تک کام دیتا ہے۔ عرب میں پتھر کے مکان حیثیت اور مذاق کے مطابق
مختلف مصالح اور مختلف قطع وضع کے ہیں۔ یمن میں وادیوں اور پہاڑوں پر بھی بڑے
عالیشان مکان بنے ہیں کہ محل معلوم ہوتے ہیں۔ پتھر کا استعمال کثرت سے ہے۔ اور بناوٹ
کا ڈھنگ قدیم حمیری رنگ پر ہے۔

بغداد۔ بصرہ۔ اور مشرقی عرب میں ایرانی بناوٹ کے مکان ہیں۔ مکہ و مدینہ کے
مکان اپنے جداگانہ فیشن کے ہیں۔ عام طور پر عرب ایسے مکان بناتے ہیں کہ بازار کی
طرف کھڑکیاں نہیں ہوتیں۔ بیچ میں ایک بڑا صحن ہوتا ہے۔ اور چھت پر
بھی دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ تاکہ چھت پر باہر سے نظر نہ پڑے۔ دیواروں پر نقش و نگار
کرنے یا تصویریں لٹکانے کی مخالفت ہے۔ گھر کا سامان بڑا سادا سادا اور مختصر ہوتا ہے
ہاں جہاں مغربی تہذیب نے اثر ڈالا ہے۔ وہاں ولایتی برتن۔ شیشے کے آلات۔ میز
کرسیاں۔ وغیرہ رائج ہو گئی ہیں۔

عرب میں لباس میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ شمالی صوبوں میں ترکوں کا اثر ہے
اور عمان۔ حسا۔ اور بحرین پر ایران کا اور ہندوستان کا۔ اس بات کا ثبوت ترکی ٹوپی
اور پگڑی کے استعمال سے ملتا ہے۔ بدوؤں کا لباس ایک موٹی سوتی قمیص اور
عبایا مربع چادر پر مشتمل ہوتا ہے۔ سر پر ایک مربع کپڑا باندھ کر سر کی چوٹی پر اس کو ایک
اونی رسی سے جکڑ دیتے ہیں۔ کپڑوں کا رنگ بھی۔ اور آلات سے دلی کے علاقہ کے
رسم و رواج پر منحصر ہے۔ عبائوں کا رواج ہر جگہ ہے۔ ساحل پر بوٹ اور گرگابی کا استعمال
یورپین اثر کا پتہ دیتا ہے۔ بدوؤں کی عورتیں سیاہ رنگ کا ایک لمبا کرتا پہنتی ہیں
اور سر پر دوپٹہ اوڑھتی ہیں۔ برقع مختلف وضع کا ہوتا ہے۔ عمان میں مصری برقع
مروج ہے۔ کہ جس سے آدھا چہرہ چھپتا ہے۔ مشرقی عرب میں ترکی صوبوں میں
سلے چہرہ پر باریک سیاہ کپڑا اوڑھا جاتا ہے۔ عرب کی ساری عورتیں اپنے ہاتھوں
چہروں اور بدن کے دوسرے حصوں پر مہندی کے نقش و نگار ڈالتی ہیں۔ عربوں
کی عام خوراک گندم کی روٹی۔ چاول۔ گھی۔ دودھ۔ گوشت کھجور ہے۔ یہ چیزیں
ہر جگہ مل جاتی ہیں۔ اور قہوہ کا استعمال عام ہے۔ دوسری چیزیں جو بطور خوراک

استعمال ہوتی ہیں۔ اُن کا ذکر ہم مختلف صوبوں کے بیان میں کر آئے ہیں۔ بیس سال
ہوئے عرب میں چاء کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ مگر اب اُسکا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔ تمباکو
نوشی کا بڑا رواج ہے۔ وہابیوں کے زور دینے پر بھی اُسکا زور کم نہیں ہوا۔ وہاں ایک دیسا
چیز ہے جو عربوں کا مرغوب کھانا ہے۔ اور وہ ٹڈی ہے۔ وسط عرب کے شہروں کی دوکانیں
خشک ٹڈیوں سے معمور ہیں۔ اُن کو پہلے نمک لگا کر پانی میں اُبالتے ہیں۔ اور پھر دھوپ
میں خشک کر لیتے ہیں۔ ساحل کے رہنے والے زیادہ تر مچھلی پر گذارہ کرتے ہیں۔

تائیسواں باب

عربوں کے علوم وفنون

عربوں کو راگ ورنگ کا جو شوق تھا۔ اور زمانہ جہالت کے شعراء سے جو اون کو عقیدت
تھی۔ اسلام بھی ان باتوں کو اون سے رفع نہ کر سکا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ اگرچہ جدہ
میں آسٹریا کی بنی ہوئی بانسریاں اور ہاف ہوف میں جرمنی کے باجے مل سکتے ہیں۔ مگر
آجتک مسلمان راگ کو شریعت اسلامی کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ (اسلام راگ کے برخلاف
نہیں۔ یہ صرف ملاؤں کی باتیں ہیں۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں راگ کو ایک
پروفیشن قرار دیکر اُس کے لئے ڈگریاں دی گئی تھیں۔ دیکھو تاریخ عرب مصنفہ جناب سید
امیر علی صاحب بالقابہ۔ اس کا ترجمہ دفتر اخبار وطن سے مل سکتا ہے۔ مترجم) مصنف بیان کرتا
ہے۔ کہ ایک دفعہ میں اور ابن عمر جا رہے تھے۔ بانسری کی آواز سنکر اُس نے اپنے
کانوں میں انگلیاں دے لیں۔ اور یہ اوس زمانہ کا واقعہ ہے کہ میں ابھی بچہ تھا۔ پیغمبر
کی مخالفت کے باوجود اوس سے پہلے جس طرح راگ رنگ تھا۔ اُسی طرح اونکی
وفات کے بعد ہو گیا۔

زمانہ قدیم میں عرب میں اشعار اور راگ چولی دامن کا ساتھ رکھتے تھے۔ شاعر
شام کی محفلوں میں اپنے شعر راگ میں پڑھ کر سناتے تھے۔ روکنٹر میں سالانہ مجلس
ہوتی تھی۔ اُس میں لغتشا عروہ سما باندھ دیتے تھے کہ لوگ وجد میں آجاتے تھے۔ اس

موقع پر پہلے عرب شاعروں نے وہ غزلیں سنائیں۔ (اگر یہ روایت غلط نہیں تو)
کہ اون کو سنہری لکھکر کعبہ میں لٹکایا گیا۔ حالانکہ عربوں کی زبان اور لٹریچر علمی خزانوں
سے بھرے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے اونہوں نے اپنے راگ کے متعلق کچھ نہیں لکھا
کہ اون کے قدیم سروں اور الاپوں کا پتہ لگ جاتا۔ کیا عمر اور خالد کے عہد میں جنگوں
کے وہی راگ تھے۔ جو آجکل قبیلہ گوموسا بوقت جنگ گاتا ہے۔ اور جسکو بعد میں [illegible]
نے نقل کیا ہے۔
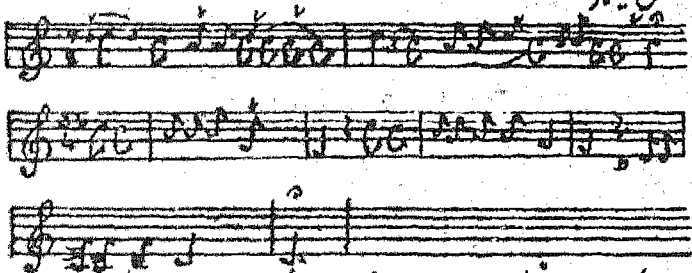
اور کیا سندباد خلیج فارس سے ہندوستان کیطرف بحری سفر کرتا ہوا وہی
راگ گاتا تھا۔ جو لنگا کے ملاح انگریزی ہندی سٹیمر پل سے۔ آتارتے وقت گاتے
تھے۔ ہر ان دونوں سوالوں کا جواب یہی ہے۔ کہ مشرق میں تبدیلی ہوتی ہی نہیں۔
اور اغلب ہے۔ کہ سندباد کے وقت میں وہی راگ ہو۔ جو آج کل عرب میں ملاح گاتے
ہیں۔ برک ہیرٹ کے قول کے مطابق شمالی عرب میں حوت کے باشندے آجکل
راگ میں بڑے مشہور ہیں۔ وہ رباب بجانے میں بڑے استاد ہیں۔ یہ اون کا قومی
باجا ہے۔ جزیرہ نما میں یہ بڑا مرغوب خاطر ہے۔ اور عربوں کو ایسا ہی عزیز ہے
جیسا کہ سکاٹ لینڈ والوں کو بین باجہ۔ میں نے یمن کے گڈریوں کے لڑکوں
کو دو بانسریاں بجاتے ہوئے سنا ہے۔ یہ بانسریاں آپس میں چمڑے کے تسمے
سے بندھی ہوئی تھیں۔ شہری عربوں میں طبل عام طور پر مروج ہے اور یہ
شادی یا ختنہ کے موقع پر بجایا جاتا ہے۔ مگر صحرا میں صرف رباب ہی مروج ہے
بدو اس کو نہایت آسانی سے بنا لیتے ہیں۔ ایک چپٹا سا پیالہ بنایا جاتا ہے۔ ایک
چھڑی اس کے آرپار لگائی جاتی ہے۔ اس میں ایک کھونٹی لگانے کے لیے سوراخ
کیا جاتا ہے۔ پھر پیالہ پر بکری کی کھال چڑھائی جاتی ہے۔ اور اسپر بال باندھ

وہ اطہر پڑھ سکتا ہے اور قلم لکھ سکتا ہے۔ اطہر یا علم الاطہر قدم کے نقش دیکھنے اور پہچاننے کا علم ہے۔ اور امریکہ کے اصلی باشندوں کی طرح عرب بھی ریت پر انسان یا حیوان کے پاؤں کے نشان دیکھ کر کھوج نکال لیتا ہے۔ جس عرب نے اطہر کا علم تحصیل حاصل کیا ہو۔ وہ نشان پا دیکھ کر بتلا سکتا ہے کہ یہ دوست کا ہے یا دشمن کا۔ وہ قبیلے کے نشان جانتا ہے۔ اونٹ یا نشان دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ وہ خالی تھا یا لدا ہوا۔ آیا آدمی کل گذرا ہے یا چھ دن ہوئے۔ اگر اونٹ کے اگلے پاؤں کے نشان پچھلے پاؤں سے بھاری ہوں۔ تو وہ کہے گا کہ اس حیوان کی چھاتی کمزور تھی۔ اونٹ کی لید دیکھ کر وہ بتائیگا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔ اور کس چراگاہ میں پرورش پایا ہے۔ برکہارٹ لکھتا ہے دو کئی ایسی مثالیں ہیں کہ نشان پا سے چھ دن کے مفرور اونٹ کا کھوج نکال لیا گیا ہے۔

مال واسباب کی شناخت کے لئے اُن میں وسم کا علم رائج ہے۔ وسم اس نشان کو کہتے ہیں جو بدو اپنے اسباب پر لگاتا ہے۔ اس علم کے اصل کا کوئی علم نہیں۔ اگرچہ ڈوٹی لکھتا ہے۔ یہ نشان حمیری حروف کی طرح ہوتے ہیں۔ اور غالباً انہیں سے نقل کئے گئے ہیں۔ ہر ایک خاندان اور قبیلہ اپنے مویشیوں پر اپنا اپنا نشان لگاتا ہے۔ بدو لوگ یہ نشان صرف مویشیوں پر ہی نہیں لگا دیتے۔ بلکہ اپنے چاہات اور چراگاہوں کے نزدیک پہاڑیوں پر بھی نشان کر دیتے ہیں ان نشانوں سے ہی قبائل کی تسلط کا پتہ لگتا ہے۔ بہت سے قبائل کے دو تین نشان ہیں۔

عربوں کا میڈیکل علم اور میڈیکل طریقہ علاج بھی قابل توجہ ہے۔ عرب اپنے آپ کو ہمیشہ ہی بیمار خیال کرتے ہیں۔ اور جب موقع ملجائے حکیم یا ڈاکٹر سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ حکیم اُن کی بیماری اور اُس کے اسباب خود بخود پہچان لیتا ہے۔ حکیم کو بیماری کے اسباب بتلانے گویا اُس کی ہتک کرنا ہے۔ اور اگر حکیم ان سے اسباب پوچھے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیانا حکیم نہیں۔ عربوں کی عام بیماریاں یہ ہیں۔ الکبد۔ الریح۔ تجاہ طحال۔ تلی۔ سرسام (اس بیماری کو وہ آسیب سمجھتے ہیں) جذام۔ تپ دق۔ استقاء۔ حبث البول۔ پھوڑے۔ اور پتھریاں۔ ان تمام بیماریوں کے علاج میں حکیم سے مدد لیجاتی ہے۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی چیچک اور ہیضہ بھی نمودار

ہو جاتا ہے۔

تعویذ۔ اور گنڈا کے علاوہ دوسرے علاج کو دوا کہتے ہیں۔ اُن کی دواسازی کی کتاب بڑی تو ہیں۔ مگر بے کام کی۔ وہ اکثر بوٹیوں کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر ضرورت کے وقت حرام چیزوں کو بھی جائز کر لیتے ہیں۔ میرے پاس اکثر بیمار سور کا گوشت مانگنے کو آئے۔ (کیونکہ ان کا خیال ہے۔ ہر عیسائی سور کا گوشت کھاتا ہے) دیکھی گئی بات ہے۔ کہ بدو بیماروں کو چیل کی بیٹ اور گدھے کی لید بھی بطور دوائی دیتے ہیں۔

ہر بیماری میں اُن کا بڑا علاج داغ دینا۔ یا جلد کو گرم لوہے سے جلانا ہے۔ مشکل سے ایک عرب بھی بمشکل ملے گا۔ جس کے جسم پر داغ نہ ہوں۔ غضب یہ کہ شیر خوار بچوں کا بھی یہی علاج کیا جاتا ہے۔ جب داغ سے فائدہ نہ ہو تو وہ قرآن کی آیتیں کاغذ پر لکھ کر اوس کو بطور تعویذ استعمال کرتے ہیں۔ ان تعویذوں کو یا تو بیمار نگل جاتے ہیں۔ یا اوس کی سیاہی کو پانی میں گھول کر پی جاتے ہیں۔ بہت سی بیماریوں کا علاج فصد کھولنے سے کیا جاتا ہے۔ عرب حجام۔ دواساز اور جراح کا کام بھی کرتا ہے۔ اس کے ہتھیار سخت بھدے اور خراب ہوتے ہیں۔ وہ نہایت بیرحمی سے اُس کا استعمال کرتا ہے۔ کسی بڑے عرب شہر میں جاؤ۔ بہت سے لوگ قطاروں میں فصد کھولنے کے لئے بیٹھے ہونگے شہروں میں علاج کا طریقہ صحرا سے بہتر نہیں۔ دوائیوں کی تاثیر گرم یا سرد۔ تر یا خشک [illegible] کا خیال رکھا جاتا ہے۔ وہ چار عنصر مانتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے۔ بیماری پر ستاروں کی گردش کا بھی اثر پڑتا ہے دوائیاں اکثر ٹھوس ہوتی ہیں۔ دوائی جتنی کڑوی ہوگی اتنی ہی مفید سمجھی جاویگی ہر دوائی کا اثر ستاروں کے مطابق ہوتا ہے۔ اور ہر دوا کے ساتھ دعا بھی شامل ہوتی ہے۔ ہم یہاں ایک دوائی کے ایک نسخہ کی نقل دیتے ہیں۔ جو یہ ہے۔

هو الشافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و علی اصحابہ۔ ابجد وافع ؟ بکر خالص خجفت دارچینی۔ گج۔ شاہ دانہ۔ اور ادرک لے۔ ان دوائیوں کو کوٹ چھان کر شہد میں حل کر کے نصف مثقال کے قریب قرص بنا لے۔ صبح نہار منہ ایک قرص کھائے یہ دوائی مجرب اور آزمودہ ہے۔ نہایت مفید اور پُر تاثیر ہے۔ بیمار کو چاہیئے۔ کہ گوشت

مچھلی۔ ترکاری۔ مٹھائی ثقیل غذا۔ ہر قسم کی ترشی سے پرہیز رکھے۔ پاخانے کا
خاص طور سے خیال رکھے۔ اور آرام سے بیٹھا رہے۔ شافی مطلق چند دنوں
میں شفا دیوے گا۔

قرآن اور حدیثوں کے مطابق شہد ان کی دوائیوں کا سنگ بنیاد ہے۔ شہد
کے متعلق کا مبہم اور بے معنی سا الہام ہے۔ "شہد کی مکھی کے پیٹ سے مختلف رنگ
کا رس نکلتا ہے۔ جو انسان کی دوائی کے کام آتا ہے" (اصل آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ "اور
تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں اور درختوں
میں اور جو لوگ اونچی اونچی ٹٹیاں بنا لیتے ہیں۔ ان میں چھتے بنا۔ اور ہر طرح کے پھلوں
میں ان کا عرق چوس۔ پھر اپنے پروردگار کے آسان رستوں پر چلی جا۔ مکھیوں کے
پیٹ سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے۔ (یعنی شہد) جس کی رنگتیں طرح طرح کی ہوتی
ہیں۔ اور اس میں لوگوں کی (بہت سی بیماریوں کی) شفا ہے۔ بیشک غور کرنے والوں
کے لئے اس میں بھی (خدا کی قدرت) کی ایک بڑی نشانی ہے" مترجم) چونکہ یہ علاج
اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ تعجب نہیں جو مندرجہ ذیل حدیث ٹھیک ہو۔ "ایک دفعہ ایک شخص
آں حضرت رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ میرا بھائی درد شکم
سے سخت حیران ہے۔ رسول صلعم نے اس شخص کو ہدایت کی کہ اپنے بھائی کو شہد کھلائے
اس شخص نے اس فرمان پر عمل کیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد پھر آیا۔ اور عرض کی یا رسول اللہ
اس دوائی نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا۔ جا دوبارہ شہد
کھلا۔ کیونکہ خدا سچ بولتا ہے۔ اور تیرے بھائی کا شکم جھوٹ بولتا ہے۔ اس آدمی نے دوبارہ
شہد کھلایا۔ اور اس کا بھائی تندرست ہو گیا۔ سولف۔ پودینہ۔ دارچینی۔ زیرہ۔ زعفران
الہدانہ۔ سنا مکی۔ رومی مصطگی۔ کھجور کا شربت اور سونٹھ عربوں کی خانگی دوائیاں ہیں
تمام عرب عورتیں بوٹیوں کی تاثیر اور طریقہ علاج جانتی ہیں۔ اگر وہ بیماری کا علاج
نہ کر سکیں۔ تو حکیم کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہرگرونجی لکھتا ہے "ملک کا بڑا ڈاکٹر گھڑی
ساز۔ لوہار اور عطار بھی تھا۔ خالی وقت میں چاندی کے ورق بنایا کرتا تھا۔ اور
پرانے سکوں کی تجارت بھی کرتا تھا۔ اور یہ آدمی ملک کے ڈاکٹروں کا سردار تھا۔ لوگ
کہتے تھے۔ وہ بڑا کیمیا گر ہے۔ خاک کو بھی اکسیر بنا دیتا ہے۔ اور تعویذ تو ایسے زبردست

تلملاہٹ کہ بس کیا کہنا۔"

عربوں میں مندرجہ ذیل تعویذ اور گنڈے ہوتے ہیں۔ حمائل گندیوں پر لٹکتی رہتی ہے۔ قرآن کا کوئی باب کاغذ پر لکھکر چمڑے میں سیا ہوا۔ خدا کے مختلف نام پیغمبر اور صحابیوں کے نام۔ خالی سبز پتھر۔ دانتے۔ قدیم سکے۔ دانت۔ متبرک خاک۔ یہ تعویذ عرب صرف آپ ہی نہیں پہنتے۔ بلکہ اونٹوں۔ گدھوں۔ گھوڑوں۔ کھیتوں۔ اور اور گھروں کے دروازوں پر باندھ دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ نظر نہ لگے۔ عرب بڑے وہمی ہیں۔ حجاز میں اگر کوئی بچہ سخت بیمار ہو جائے۔ تو ماں رات کے وقت روٹی کے سات ٹکڑے کرکے بچے کے سرہانے تلے رکھتی ہے۔ اور صبح کو وہ ٹکڑے کتوں کو کھلا دیتی ہے۔ اور بچہ بستر بیماری پر پڑا رہتا ہے۔ جنوں۔ چڑیلوں کے سایہ سے بچنے کے لئے چھلے پہنتے ہیں عشق و محبت میں کامیاب ہونے کے لئے اس طرح کے جنتر منتر کرتے ہیں۔ اور بچہ کے تولد کے لئے کئی تعویذ گنڈے کرائے جاتے ہیں بچوں کی ڈائن کا اکثر ڈر لگا رہتا ہے۔ اس ڈائن کو اُم الصبیان کہتے ہیں۔ جراحی اور دوا یہ تو عربوں میں ہے ہی نہیں۔ ان کی طب فضول اور اُن کی جراحی نامعقول ہے۔

مشرقی عرب میں نابینا عورتوں کو ورتیا بنایا جاتا ہے۔ گولی کا زخم آجائے تو کھجور۔ ادرک۔ مہندی کی پولٹس بناکر باندھتے ہیں۔ اور پھر ایک چمڑے کا تعویذ استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ آئندہ کوئی زخم نہ آئے۔

بیماریوں کے توہمات کے علاوہ اور کئی توہمات عربوں میں پھیلے ہوئے ہیں اسلام کی تعلیم وحدانیت کے باوجود ابھی تک عرب کے بعض حصوں میں درختوں اور پتھروں کی پوجا کیجاتی ہے۔ یہ رسم زمانہ جہالت کی ہے۔ مگر ایک طرح محمدؐ نے خود اس کی اجازت دیدی تھی۔ نہ وہ سنگ اسود کا بوسہ دلاتا۔ نہ یہ پتھر پرستی ہوتی متبرک درختوں کو مناحیل کہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے ان درختوں پر فرشتے اور اور جن رہتے ہیں۔ ان درختوں کے پتے توڑنے کی سخت ممانعت ہے۔ اور ان پر جھنڈیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ جدہ کے باب المکہ کے باہر اس قسم کا ایک درخت موجود ہے کہ اس کے گرد حاجیوں کا مجمع لگا ہوتا ہے۔ یمن میں سڑک پر جیسے جیسے

پر ایسے درخت کھڑے ہیں۔

اٹھائیسواں باب

الجزیرہ کے صابئین (ستارہ پرست)

دریائے فرات اور دجلہ کے زیریں حصہ پر جو شہر آباد ہیں۔ خاصکر اہواز۔ شوستر۔ الشیخ بصرہ اور محمرہ میں بعض ایسے لوگ رہتے ہیں۔ جن کو صابئین۔ نصرانی۔ یا سینٹ جان کے عیسائی کہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو منڈئین کہتے ہیں۔ اور یہودیوں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں سے علیحدہ ہیں۔ اگرچہ بعض عالموں کا قول ہے کہ وہ قدیم بابل اور شالدیہ کے مذہب پر ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان کی اصل تاریخ کا شبہ بالکل کسی کو بھی نہیں۔ اس موجودہ رہی سہی قوم سے ہمیں اس بت پرستی۔ ستارہ پرستی اور بہت سے دیگر راز سربستہ رسومات کا پتہ ملتا ہے۔ جو قدیم بابل میں رائج تھیں۔

اس قوم کا مذہب۔ یہودیت۔ عیسائیت اور بت پرستی کا ایک مجموعہ ہے۔ انگریزی بائبل میں صابئین کا جو لفظ ہے۔ وہ بہت پیچیدہ سا ہے۔ اور تین مختلف قبائل اور قوم کے لئے استعمال ہوا ہے۔ قرآن میں بھی صابئین کا لفظ آیا ہے۔ اور اس کے محل وقوع سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے آغاز پر ان لوگوں کی تعداد اچھی خاصی تھی۔ اور ان کی بستیاں اچھی رونق پر تھیں۔ قرآن ان لوگوں کو بت پرستوں سے علیحدہ بتاتا ہے۔ اور ان یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ اہل کتاب سمجھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صابئین جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ عیسائیوں کا کوئی فرقہ نہیں اگرچہ یحییٰ۔ اصطباغ دینے والا کہتا ہے وہ یہ لوگ کسی طرح بھی عیسائی نہیں ہیں مذہب اور زبان الگ ہونے کی وجہ سے صابئین تنہائی کو پسند کرتے ہیں۔ غیروں سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے۔ اور نہ ہی دوسرے مذہب والوں کو اپنے دین میں شامل کرتے ہیں۔ وہ الجزیرہ میں ایک طرح کی ہلکی کشتی بناتے ہیں۔ جسکو مشحوف کہتے ہیں ان میں سے سب سے زیادہ زرگروں کا کام کرتے ہیں۔ کوئی ایسا صناع نہیں

جو اون کے قبروں میں جائے۔ اور اون کی کاریگری کے نمونے نہ خریدے۔ وہ امن
پسند اور محنتی لوگ ہیں۔ مگر ترکوں کی جابرانہ حکومت کی بدولت افلاس میں مبتلا ہیں۔
مرد اور عورت دونوں جسم کے مضبوط ہیں۔ قد اون کے لمبے اور رنگ سانولے ہیں
خط و خال موزوں ہیں۔ لوگوں کی لمبی داڑھیاں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اون
میں سے بعض تو حضرت ابراہیم کیطرح معلوم ہوتے ہیں۔ عام طور پر تو وہ مسلمانوں اور
یہودیوں کا سا لباس پہنتے ہیں۔ مگر تہواروں کے دن صرف سفید پوشاک زیب تن
کرتے ہیں۔ اون کی عورتیں بے نقاب رہتی ہیں۔ مسلمانوں کی عورتوں کی نسبت
وہ زیادہ کشیدہ قامت اور مضبوط ہیں۔ دو چیزیں جو صابئین کو ممیز کرتی ہیں۔ اُن کی
زبان اور مذہب ہیں۔ اور دونوں ہی قابل التفات ہیں۔ زبان تو اس لئے کہ حالانکہ وہ
قوم جس کی یہ زبان ہے۔ دم توڑ رہی ہے۔ مگر اسی حالت میں چلی آ رہی ہے۔ اور مذہب اس لئے
کہ اس میں ایسی باتیں ہیں۔ جو بالکل مہمل اور لایعنی ہیں

وہ ملک جو دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے۔ اُس کی بازاری زبان عربی ہے۔ تمام
صابئین میں یہی زبان بولتے ہیں۔ اور اون میں سے اکثر اسکو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ مگر
اس کے علاوہ اُن کی اپنی زبان بھی ہے۔ جو وہ آپس میں گھروں میں بولتے ہیں۔ یہ
یہ سامی زبان سے ملتی جلتی ہے۔ اور قریباً ایک مقامی زبان ہے۔ مگر اس کے
حروف ابجد اور گرامر الگ ہے۔ صابئین کی تقریر اور تحریر مسلمان کے ہمسائے بھی اچھی طرح
نہیں سمجھ سکتے۔ رائٹ کہتا ہے۔ اون کا رسم خط نبطیین سے اور اُن کی زبان بابلی
یا تلمود سے ملتی ہے۔ بڑی خصوصیت اس زبان کی یہ ہے کہ اوس کے حروف کا نام
اسے ادا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے سولہویں صدی کے نوشتے پیرس اور آکسفورڈ کے
کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مگر ٹولی ڈیک کا قول ہے کہ ان کے لیٹریچر کا سنہری زمانہ وہ
تھا۔ جب اون کے مذہب نے اخیری اور موجودہ صورت اختیار کی۔ یعنی سنہ ۶۵ عیسوی
لغایت سنہ ۹۰۰ء تک۔ فی زمانہ چند اشخاص اس میں ایسے ہیں جو زبان کو لکھ یا پڑھ سکتے ہیں
اور وہ تمام اس میں گفتگو کر سکتے ہیں۔ وہ مذہبی خیال سے دوسروں کو یہ زبان بالکل
نہیں سکھاتے۔ ہاں چوری چھپے کسی کو سکھا دیں تو سکھا دیں۔ ورنہ ہرگز نہیں۔

اگرچہ دوران سفر میں میں سالوں تک صابئین سے ملتا جلتا رہا ہوں۔ اور اکثر اُن

مہمان بھی رہا ہوں۔ مگر انہوں نے میرے اس سوال کا کہ ان کا اصل مذہب کیا اور طریق عبادت کیا ہے کبھی بھی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ مسلمان اور عیسائی صرف اتنا ہی بتا سکے۔ کہ وہ قطبی ستارہ کیطرف اشارہ کر کے دعا مانگتے ہیں۔ اور ہر الوار کو ایک اصطباغ دیتے ہیں۔ مختلف سیاحوں کی جو کتابیں ہیں۔ وہ ان کے متعلق مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ وہ بت پرست تھے۔ بعض کہتے ہیں وہ عیسائی تھے۔ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ایک پرمعنی مضمون لندن کے اخبار اسٹینڈرڈ میں بعنوان ستارہ پرستوں کی دعائیہ مجلس شائع ہوا۔ مجھے یہ مضمون کیا ملا۔ ان کی خاموشی کے قفل کو کھولنے کی کنجی مل گئی۔ جس نے یہ مضمون لکھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے مذہب سے اچھی طرح آگاہی رکھتا تھا۔ کیونکہ آمارہ میں جب میں نے اس مضمون کا ترجمہ کر کے چند عیسائیوں کو سنایا۔ تو وہ حیران سے رہ گئے۔ انہوں نے اس خیال سے کہ ہمارے مذہب کے متعلق یہ کچھ جانتا ہے۔ انہوں نے مجھے اور بھی بتایا۔ سٹینڈرڈ کے مضمون کے بعض حصص ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ "عید دن ستارہ پرستوں کے تہوار کا دن تھا۔ جو سال کے آخری دن پر منایا کرتے ہیں۔ اس دن کو وہ کنشیو زاہو ([illegible]) کہتے ہیں۔ نئے سال کی شام کو جبکہ سالانہ دعائیہ مجلس منعقد ہوتی ہے۔ اور حضرت جمود دنیا کے زمانہ میں قتل کا سکی معصوم کے نام پر قربانی کیجاتی ہے۔ اور سفید پوش اشخاص دعا میں شامل ہوتے اور رسومات ادا کرنے کے لئے دریا کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔" پہلے وہ ایک عبادت خانہ بناتے ہیں۔ اور وہ بھی عین وقت پر نصیب ہوا اور سب تکیہ سلام کر گئے۔ وہ لوگ دریا سے چند گز کے فاصلے پر عبادت خانہ بنانے میں مصروف تھے۔ عبادت خانہ ستولی لمبی گھاس اور کائی جمع کر کے ان کو جلد جلد بنتے ہیں۔ سولہ گز لمبی اور ۱۲ گز چوڑی زمین کے ٹکڑے کے اردگرد دو دو گز نالیاں کھود کر کائی کا گٹھہ دیتا ہی ہے۔ اور اس کو رسیوں سے جکڑ دیا جاتا ہے۔ ان بٹے ہوئے گھاس کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ طرفوں کی دیواریں شمالاً جنوباً بنائی جاتی ہیں۔ اور سات فٹ سے زیادہ بلند ہوتی ہیں۔ مشرق اور مغرب کیطرف دو کھڑکیاں رکھی جاتی ہیں۔ جنوب کیطرف ایک دروازہ بنایا جاتا ہے۔ تاکہ پادری جب اندر داخل ہو۔ اس کا

منہ قطب ستارہ کیطرف ہو۔ اس احاطہ کے درمیان مٹی کی ایک قربان گاہ بنائی جاتی ہے۔ اور دیوار کی سڑکیوں میں جو دراڑیں ہوتی ہیں۔ اون پر مٹی لیپ دیتے ہیں۔ قربان گاہ کی ایک طرف مٹی کا ایک چولھا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک چکی۔ چند لکڑیاں جنوبی دیوار کے پاس ۸ فٹ قطر کا ایک گول حوض بناتے ہیں۔ اور دریا سے ایک نالی لاکر اس میں گراتے ہیں۔ حوض تھوڑی ہی دیر میں کناروں تک بھر جاتا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں جو گھاس پھوس کی بنی ہوتی ہیں۔ ایک حوض کے کنارے پر اور دوسری جنوبی دیوار کے اسطرف دروازے کے پاس رکھی جاتی ہے دوسری جھونپڑی صرف پادری اعظم کے لئے ہوتی ہے۔ دوسرا شخص جب کہ یہ اپنے ٹھکانے پر رکھ لی جائے۔ تو اس کو ہاتھ تک بھی نہیں لگا سکتا۔ اب دروازہ کے دو کھڑکیوں پر سفید پردے ڈال دئے جاتے ہیں۔ اور نیم شب سے پہلے تماشہ ختم ہو جاتی ہے۔ آدھی رات کے قریب ستارہ پرست مرد عورتیں دریا کے کنارے کنارے آہستہ آہستہ عبادت خانہ کی طرف آتے ہیں۔ جوں جوں آتے ہیں۔ جنوبی دروازہ سے عبادت خانہ کے اندر داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اپنے کپڑے اُتار دیتے ہیں۔ اور حوض میں نہاتے ہیں۔ پادری پاس کھڑا ہوا یہ کلمات کہتا جاتا ہے " زندہ اور حیات خدا کا نام۔ زندہ لفظ کا نام تجھے یاد رہے " پانی سے نکلکر وہ سفید پوشاک پہنتے ہیں یعنی ایک لمبی قمیص جو زمین سے رگڑتی ہے۔ اور ایک لمبی قبا جو گھٹنوں تک پہونچتی ہے۔ ایک اونی دوپٹہ۔ مربع ٹوپی جو ابرووں تک ہوتی ہے۔ ایک سفید چادر۔ ایک پگڑی جو ٹوپی پر باندھی جاتی ہے۔ اور جس کا ایک سرا کندھوں پر لٹکا رہتا ہے۔ یہ پوشاک متبرک سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ ایک ستارہ پرست کو دفناتے وقت اس کا ہی کفن ڈالتے ہیں اور خیال کرتے ہیں۔ جزا کے دن انسان اسی لباس میں خدا کے حضور پیش ہوگا۔ جب ایک شخص کپڑے پہن چکتا ہے۔ اندر احاطہ میں داخل ہوکر اُسی پر بیٹھ جاتا ہے اور جو پہلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُسے سلام کرتا ہے۔ اور وہ بھی سلام کے جواب میں سلام کرتے ہیں۔

جوں جوں رسومات کا وقت نزدیک آتا جاتا ہے۔ تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے اور نیم شب کے قریب ان سفید پوشوں کی بیس کے قریب قطاریں ہو جاتی ہیں۔

جو باترتیب اور باقاعدہ ہوتی ہیں۔ یہ لوگ چپ چاپ بیٹھے پادریوں کی آمد کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور پادری ہاتھ میں چراغ لئے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ستاروں کے حساب سے وقت کا شمار کرتے رہتے ہیں۔ جب آدھی رات گذر جاتی ہے۔ وہ اپنے چراغوں کو ہلاتے ہیں۔ ہلانا گویا نشان دیتا ہے۔ چند ہی لمحوں بعد پادری آجاتے ہیں سامنے کیطرف چار پادری ہوتے ہیں۔ لباس ان کا بھی سفید ہوتا ہے۔ مگر ٹوپی سیتو ہوتی ہے ان چار کے بعد دوسرے چار پادری ہوتے ہیں۔ ان کے دائیں ہاتھ کے چھوٹی انگشت میں سونے کی انگشتری ہوتی ہے۔ ایک لکڑی کی صلیب پکڑی ہوتی ہے۔ ان پادریوں کے پیچھے بڑا پادری آتا ہے۔ وہ گناہوں سے پاک اور مردوں میں سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ چار پادری ہوتے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں لکڑی کی صلیب۔ دوسرے کے ہاتھ میں ستارہ پرستوں کی متبرک کتاب۔ تیسرے کے ہاتھ میں ایک پنجرہ جس میں دو کبوتر ہوتے ہیں۔ اور چوتھے کے ہاتھ میں شتشم کی ٹہنیوں سلے والے ہوتے ہیں۔ یہ جلوس قطاروں کے بیچ میں سے گذرتا ہے۔ اور جب بڑا پادری گذرتا ہے۔ لوگ سر جھکا کر اس کے کپڑوں کو بوسہ دیتے ہیں۔ وہ پادری جو دروازہ پر کھڑے ہوتے ہیں۔ واپس آجاتے ہیں۔ اور سب پادری بڑے پادری کے دائیں بائیں ہو قربان گاہ کے مقابل قطب ستارہ کیطرف منہ کئے بیچ میں کھڑا رہتا ہے۔ قطاروں میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ متبرک کتاب سندہ رباہ قربان گاہ پر رکھ دیجاتی ہے بڑے پادری کو چھوٹا پادری ایک کبوتر پکڑاتا ہے۔ وہ قطب کیطرف ٹکٹکی باندھے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر وہ کبوتر چھوڑ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے "اس کے نام پر جو زندہ ہے۔ پہلی روشنی پرانی روشنی اور اپنے آپ میں پیدا ہوتی ہوئی متبرک روشنی کے نام پر" اور یہ لفظ اتنے اونچے کہے جاتے ہیں کہ باہر جو فدائی بیٹھے ہیں۔ وہ سن سکتے ہیں۔ پھر یہ سفید پوش ایک ہی دفعتاً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور قطب ستارہ کی طرف جھک کر سجدہ کرتے ہیں۔

پھر چپ چاپ یہ لوگ اپنی جگہ جا بیٹھتے ہیں۔ عبادت خانہ کے اندر بڑا پادری ایک طرف ہو جاتا ہے۔ دوسرا پادری اس کی جگہ کھڑا سندرہ رباہ کو کھول کر پڑھتا ہے پڑھتے وقت وہ اپنی نیچی سُروں میں گاتا ہے۔ درمیان میں ذرا ذرا ٹھہر کر

بآواز بلند پکارتا ہے "اور تیری زندگی کے سرچشمہ تیرے نام کی ستائش ہو" ناظرین اس فقرہ کو دہراتے ہیں، سر جھکاتے اور آنکھیں ہاتھوں سے بند کئے ہوتے ہیں۔

جب وہ پادری کتاب پڑھتا رہتا ہے۔ دو اور پادری دعا کی تیاری کرتے ہیں ایک چولہے میں لکڑیاں جلاتا ہے۔ اور دوسرا چکی میں جو پیستا ہے۔ پھر وہ اون سے تیل نکالتا ہے۔ جو کہ آٹا اور تیل کو ملاتا ہے۔ پھر آٹے کو گوندھ کر دو شلنگ کے برابر ٹکیاں پکاتا ہے۔ چوتھا پادری اب دوسرے کبوتر کو پکڑتا ہے۔ اور بڑے پادری کے پاس کھڑا ہو کر تیز چاقو سے اس کی گردن کاٹتا ہے۔ پھر اس کا ہمعصر اس کے پاس ٹکیاں لاتا ہے۔ وہ کبوتر کا خون چار ٹکیوں پر اسطرح ٹپکاتا ہے کہ صلیب کی شکل بن جاتی ہے۔ وہ پادری جس نے ٹکیاں تیار کی تھیں۔ ان کو باہر قطاروں میں لے جا کر خود اپنے ہاتھ سے نمازیوں کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ دوسرے چار پادری عبادت خانہ کے اندر پھرتے رہتے ہیں۔ اور قربان گاہ کے پیچھے کیطرف ایک سوراخ نکالتے ہیں جس میں کبوتر کی لاش دبا دیتے ہیں۔ پھر بڑا پادری اپنی جگہ پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ اور دعا مانگتا ہے۔ اثنائے دعا میں سب سفید پوش قطب ستارہ کیطرف ٹکٹکی باندھے رکھتے ہیں۔ یہ ستارہ ان لوگوں کے خیال میں نور کا سرچشمہ اور نیک آدمیوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ بڑا پادری تین گھنٹوں تک دعا مانگتا ہے بیچ میں کبھی کبھی یہ کہتا ہے "تیرے نام کی ستائش ہو" آخر صبح کی سفید دھاریں آسمان پر نمودار ہوتی ہیں۔ اور پادری بآواز بلند پکارتا ہے "او مجھ میں تجھی یاد کرتا ہوں۔ تو مجھے یاد کر" یہ صدا دعا کے ختم ہونے کی علامت ہے۔

جب قطب ستارہ صبح کی روشنی کے سامنے ماند پڑنے لگتا ہے۔ تو چار پادری ایک بھیڑ لاتے ہیں۔ اور قربان گاہ پر لا کر اور یمنئل کے نام پر قربان کرتے ہیں۔ یہ ایک خاص موقع ہے کہ بھیڑ ذبح کیجاتی ہے۔ ورنہ ستارہ پرست نہ ہی بھیڑ کو مارتے اور نہ ہی اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ جانور کا سر مشرق کیطرف اور دم مغرب کیطرف کیجاتی ہے پادری اس کے پیچھے ستارہ کیطرف ٹکٹکی باندھے دیکھا کرتا ہے۔ ایک پادری پانی لاتا ہے۔ پہلے تو وہ اپنے ہاتھوں پر ڈالتا ہے۔ پھر پاؤں پر۔ ایک پادری بڑے پادری کے پاس کھڑا ہو کر اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر کہتا ہے۔ "میں شہادت دیتا ہوں" بڑا پادری ستارہ کیطرف جھکتا ہے۔ اپنے بائیں پہلو سے تیز چاقو نکالتا ہے

اور کہتا ہے دد اللہ کے نام پر ہبل نے تجکو پیدا کیا۔ خبل سود د نے تیری حفاظت کی۔ اور میں تجھ کو قتل کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بھیڑ کا گلا کاٹتا ہے۔ خون چپاتی پر گرتا ہے چار پادری باہر چلے جاتے ہیں۔ اپنے ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں۔ بھیڑ کی کھال اتارتے ہیں۔ اور جتنے لوگ ہوتے ہیں۔ اتنے ہی اس کے حصے ہوتے ہیں۔

یہ حصے ستارہ پرستوں میں تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ پادری جس طرح آئے ہیں اسی طرح نکل جاتے ہیں۔ نماز ختم ہو جاتی ہے۔ اور ستارہ پرست جلدی جلدی اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔"

کیسی عجیب و غریب یہ رسومات اور کیسی مخلوط یہ عبادت ہے۔ آنادہ کے حسائیوں نے مجھے بتایا۔ کہ اس مضمون کی یہ ہر بات درست ہے۔ مگر وہ ان کے وجوہات نہیں بتا سکے یہودیت۔ عیسائیت۔ اسلام اور بت پرستی کی باتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ کبوتر کا ذبح کرنا موسوی قانون کے مطابق ہے۔ صلیب کا بنانا عیسائیت کی نشانی ہے۔

حسائین کا مذہب کتابی ہے۔ اور ان کا مذہبی لٹریچر اتنا وسیع ہے کہ لوگوں نے اس کا ایک حصہ بھی مکمل نہ دیکھا ہوگا۔ جو کتاب میں نے دیکھی اس کے پانسو بڑے صفحے تھے۔ اور دو حصوں میں تقسیم تھی۔ اس کتاب کو گنترہ کہتے ہیں۔

اور اس کتاب سے ہی ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش عالم کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ اور ان کے دیوتا کیسے ہیں۔ سب سے پہلے پیرا ربا ہے۔ اس سے منار با پیدا ہوا ہے۔ منار با نور کا بادشاہ ہے۔ اور اس کا نائب نیجروان ربا ہے۔ منار با نے پہلے زندگی کو پیدا کیا۔ اور یہ حسائیوں کا بڑا دیوتا ہے۔ اور ان کی ساری دعائیں پہلے اس کے نام سے شروع ہوتی ہیں۔ اس کے بعد لیتاسیم۔ منڈا سے ہین پینڈا ہے۔ ان کا سسٹم کا رکن ہے۔ اور اس کے نام پر وہ اپنے آپ کو منڈ ہی کہتے ہیں۔ لیتاسیم نے منار با سے برتری حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لہذا اسکو سزا دیگئی۔ اور وہ روشنی کا مالک بنایا گیا۔

منڈا ابھی تک منار با کے سایہ حفاظت میں ہے۔ اور جبیل کے ساتھ کئی چوٹے بادل چکا ہے۔

ان کے علاوہ ایک تیسرا نور ہے۔ جس کو عنیکا کہتے ہیں۔ اور جس نے آدم
اور حوا کو پیدا کیا۔ مگر اُن میں روح نہ پھونک سکا۔ حسانیوں کے نزدیک دنیا کے
کئی دیوتا ہیں۔ جن میں ممتاز یہ ہیں۔ نیرتے۔ زرتانے۔ بگ۔ بگ۔ گاف۔ گفن۔ ایاتن
اور کین۔ جنبیل چوتھے آسمان سے اُتر کر کین کی بیٹی روحہ کو لیجاتا ہے۔ اپنے بیٹے اُرطہ
کے ساتھ روحہ تمام سیاروں کی ماں ہوگئی ہے۔ یہ دنیا کی تمام خرابیوں کی جڑ ہیں
لہذا ان کو برائی سے باز رکھنا چاہیئے۔ مگر آسمان اور ساکن ستارے صاف اور پاک
ہیں۔ اور روشنی کے مسکن ہیں۔ مرکزی آفتاب قطب ستارہ ہے۔ جو ہیروں کا تاج
بر سر کئے ابا نُمر کے سامنے کھڑا ہے۔ ربا نُسر خدا کے پہلے مظہر ہیں۔ اور تعداد میں تین سو
ساٹھ ہیں۔ ان کے نام آتش پرستوں سے نقل کرکے رکھے گئے ہیں۔ منڈین توریت
کے پیغمبروں کو سوائے دیل اور سمتھ کے برگزیدہ مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں سچا
مذہب قدیم مصریوں کا تھا۔ جو اُن کے ابا و اجداد ہیں۔ بقول ان کے دوسرا جھوٹا نبی
یسوع مسیح تھا۔ جو دراصل مشتری کا اوتار تھا۔ یحییٰ مسیح سے بیالیس سال پہلے ہوا
ہے۔ اور وہ جنبیل کی طرح منڈا کا اوتار تھا۔ اس نے جوردن میں اصطباغ دیا اور غلطی
سے مسیح کو بھی دیدیا۔

وہ کہتے ہیں سنہ ۲ء کے قریب اس دنیا میں ۶۰۰۰ بزرگ آئے۔ اور اُن [illegible]
کی جگہ آباد ہوئے۔ جو جل بسے تھے۔ وہ کہتے ہیں۔ اُسوقت اُن کا بڑا پادری دمشق
میں رہتا تھا۔ اُن کا مذہبی مرکز اسکندریہ اور اٹلی کے درمیان تھا۔

بقول ان کے محمدؐ سب سے پچھلا جھوٹا نبی تھا۔ مگر اُس نے اُن کو ایذا دی۔ اور
اسکی اُمت کے عروج کے وقت وہ ایسے پھلے اور پھولے کہ عہد عباسیہ میں بابل میں
اُن کے چار سو معبد تھے۔ منڈینوں کے پادریوں کے تین درجے ہیں۔ ترمیدہ
یا لعبیدہ۔ سکندہ اور گن زیورا۔ پچھلا گن زیورا شیخ عیدا تھا۔ جو ان کے لٹریچر میں
اچھا ماہر تھا۔ اور مدت تک سوق الشیخ میں رہا۔ اُن کا موجودہ لاٹ پادری شیخ
ساہت ہے۔ وہ ایک دفعہ اس جرم میں کہ عربوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا تھا۔ قید رہا
صبغہ وار پرستش کے علاوہ حسانیوں چھ تہوار مناتے ہیں۔ ایک تہوار تاریکی
کی دنیا پر جبریل کی فتح ہیں۔ دوسرا فرعون کا لشکر ڈوبنے میں منایا جاتا ہے۔ گو [illegible]

بڑا ننشنا ہے۔ یہ موسم گرما میں ہوتا ہے۔ سارے صابئین پانچ دن تک دن میں تین بار پانی چھڑکا کے سے اصطباغ لیتے ہیں۔ اتوار کے دن بے تحاشا پانی گرایا جاتا ہے۔ صابئیوں کا اخلاقی ضابطہ بالکل توریت کے موافق ہے۔ اُن کو ایک ہی وقت میں پانچ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ مگر وہ کثیر الازدواجی کے بہت کم مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ ختنہ نہیں کرتے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عربوں کی نسل میں سے نہیں ہیں۔ وہ کوئی عبادت خانہ نہیں بناتے ہیں۔ ہاں ایک رات کے لئے عارضی سا معبد بنا لیتے ہیں۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ یہ بات کہ وہ ستاروں کا حج کرتے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ لوگ عیسائیوں سے محبت کرتے ہیں اور یہودیوں اور مسلمانوں کی نسبت عیسائیوں سے زیادہ نزدیک ہیں۔ البتہ وہ مسیح کو سچا نہیں مانتے۔ اُن کے متعلق ہم نے بھی تحقیقات کی ہے۔ کہ جس مذہب کو وہ مانتے ہیں اُسکی اصل سے ناواقف ہیں۔

اُنتیسواں باب

عرب میں ابتدائی عیسائیت

نبیوں کے اعمال نامہ میں لکھا ہے۔ کہ یہودی بتوار کی ضیافت میں عرب بھی شامل تھے۔ پس عرب میں عیسائیت کی ابتدا معلوم کرنے کے لئے ہم کو نبیوں کے زمانہ کیطرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یہ عرب جزیرہ نما کے شمالی حصہ سے آئے ہوئے تھے یا وہ یہودی تھے جو یمن میں رہتے تھے۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگانا ناممکن ہے۔ خواہ وہ کوئی تھے اس میں شک نہیں۔ خدائی پیغام کو وہ اپنے ساتھ واپس لے گئے۔

انجیل میں عرب کیطرف جو اشارے ہیں۔ وہ بے تعلق اور بالواسطہ نہیں ہیں۔ بلکہ اسماعیل اور اُس کی اولاد کے متعلق جو کچھ توریت میں ہے وہی کچھ اس میں ہے۔ پال اپنے خط بنام گلاتین میں لکھتا ہے "میں یروشلم میں نہیں گیا

جہاں مجھ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں۔ بلکہ میں عرب کی طرف گیا۔ اور پھر دمشق کی طرف واپس آیا۔ اس بڑے نبی نے عرب میں کیا کیا؟ اس سوال پر غور کرنے سے ہم کو نہ صرف شمالی عرب میں ہی بلکہ نجران اور یمن میں عیسائیت کی ترقی کا پتہ لگ جائیگا۔ لائٹ فوٹ لکھتا ہے "سینٹ پال کی سیاحت عرب پر تاریکی کا پردہ چھایا ہوا ہے۔۔ وہ عرب کے کونسے حصہ میں گیا۔ کتنا عرصہ قیام کیا۔ کیوں گیا۔ کس راستے سے گیا۔ اور وہاں کیا کیا۔ ان باتوں کے متعلق ہم کو کچھ نہیں بتایا گیا۔ ہم نقشہ کھینچ کر ساری سرگذشت کی کیفیت بتا سکتے ہیں۔ مگر نبی کے پہلے سفر کے حالات بتانا آسان کام نہیں۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ نبی کا پہلا سفر بغیر کسی مقصد اعظم کے نہ ہوگا۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ وہ عرب میں چھ ماہ ٹھہرا۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے دو سال قیام کیا۔ اور اس لمبے قیام سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ضروری مشن پر گیا تھا۔

یہ خیال کرنا کہ وہ صحرا میں رویا اور الہامات کی خاطر گیا تھا بمشکل باور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایسے نازک وقت میں اس کام کیلئے اتنا وقت صرف کرنا مناسب نہ تھا لہذا قرین قیاس یہ ہے کہ پال عرب میں مشنری کام پر گیا تھا۔ جری سوسٹم لکھتا ہے "دیکھو اُس کی روح کیسی بیتاب تھی۔ وہ اُن ملکوں پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ جو ابھی تک غیر مزروعہ تھے۔ اُس نے جاہل اور وحشی قوم پر حملہ کیا۔ مصیبت اور جد و جہد کی زندگی اختیار کی"۔ یہ خیال کہ وہ تبدیل مذہب کے ساتھ ہی منادی کرنے روانہ ہو گیا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اور اُس کا فرض تھا کہ اُس قوم کو جا کر خوشخبری سناتا۔ جو ابراہیم کی اولاد تھی۔ اور جس سے توریت میں وعدے کئے تھے۔ اور جو یہودیوں کے تہواروں میں شامل تھے۔ مگر اگر پال عرب کی طرف گیا۔ اور انجیل کی منادی کی۔ تو سوال ہے۔ وہ کہاں اور کس کے پاس گیا۔ چونکہ اس کے متعلق کچھ پتہ نہیں بتایا گیا۔ ان سوالوں کا جواب دینا آسان نہیں۔ مگر قرین قیاس ہے۔ وہ جگہ جہاں وہ گیا جزیرہ نما سینا یا اُس کا مشرقی حصہ تھا۔ جیروم اور دیگر مورخین سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ کہ وہ اُس قبیلہ کی طرف گیا۔ جہاں اُس کی مشن چند وجوہات کے باعث کامیاب نہ ہوئی۔ اُس وقت بھی اب کی طرح صحرا کے رہنے والے بدو [illegible] لوگ تھے۔ اور یہ قیاس کہ پال ان لوگوں کی معاشرت اور رسومات کو جانتا تھا۔

رابرٹسن سمتھ نے گلیشن کی تشبیہ سے اسکی تصدیق کی ہے۔ پال کے دنوں میں دمشق کے جنوب و مغرب میں ایک عرب قبیلہ تھا۔ اُن کی طرف ایک مشنری ایک نیا اور عجیب پیغام لیکر آیا۔ مگر اُنہوں نے پیغام کے سننے سے انکار کر دیا۔ اور کس کا پیغام ہے۔ جو یہ عرب فراموش نہیں کر دیتے؟

اس سوال کا جواب ہم کو ایک حد تک محمدؐ کے تذکرۃ الاولیا سے مل سکتا ہے۔ نبی صالح تھا ثمود کی قوم کے پاس آیا۔ مگر کیا پیغام لایا۔ اس بات سے مسلمان ایسے ہی بے خبر ہیں جیسے کہ عیسائی پال کی سیاحت عرب کے اغراض و مقاصد سے۔ پالمر صاحب کا یہ قول ہے۔ کہ نبی صالح سے مراد حضرت موسےٰ سے ہے۔ مگر اگر اسکو ٹھیک مان لیا جاوے۔ تو جس واقعہ پر ہم کو روشنی ڈالنی ہے۔ وہ ہمارے زمانہ تاریخ سے بہت پیچھے جا پڑتا ہے۔ یہ امر قرین قیاس نہیں ہے۔ کہ تھا مود لوگ پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بنا لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت موسےٰ کے وقت میں دستور تھا۔ توریت نے یہ بھی نہیں بتایا کہ موسےٰ پیغام الہی لیکر کس وقت عرب میں آیا۔ مزید برآں محمدؐ کی واقفیت مقامی تھی۔ اور یہ بات اُس کو اچھی طرح معلوم تھی کہ نبی صالح کون ہے۔ اور اگر نبی صالح کوئی مقامی نبی تھا۔ تو ظاہر ہے کہ یہ موسےٰ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن میں موسےٰ کا ذکر بیشتر دفعہ ہوا ہے۔ اور عرب میں اُس کے حالات یمن کی انتہائی حدود تک لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھے۔

قرآن میں نبی صالح کے متعلق کیا لکھا ہے؟ نبی صالح بھائی بن کر آیا۔ اور کہا۔ اے میری قوم۔ خدا کی پرستش کر۔ اُس کے سوا کوئی تمہارا رب نہیں ہے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کھلے کھلے نشان ظاہر ہو گئے ہیں۔ اور یاد کرو۔ اُس نے تم کو عاد کے بعد زمین پر قائم کیا۔ اور خدا کے احسان یاد کرو۔ اُس کی قوم کے سردار جو مغرور اور خود سر تھے۔ اُن کو جو ایمان نہ لائے کہنے لگے کیا تم جانتے ہو کہ صالح کو اُس کے خدا نے بھیجا ہے۔ (مطلب یہ کہ اسکا خدا تمہارا خدا نہیں) اُنہوں نے جواب دیا۔ ہم اُس پر یقین رکھتے ہیں۔ جس نے اُس کو بھیجا ہے۔ (انجیل) وہ جو خود سر تھے کہنے لگے۔ کیا تم اُس کو مانتے ہو جس کو ہم نہیں مانتے۔ وہ اُن میں سے جدا کیا۔ اور کہا۔ اے میری قوم میں نے تم کو خدا کا پیغام سنایا۔ اور نصیحت کی۔ مگر تم ناصحوں سے

صحبت نہیں کرتے۔ کیا اس شخص کے تجربات بال سے لگا نہیں کہا لیے؟

اس بات سے کہ الوتیہ میں بنی صالح کا مزار ہے۔ اس بات پر کوئی بُرا یا بھلا اثر نہیں پڑ سکتا۔ عرب میں بالائی فرات پر جابپ حلہ فرکی جبدہ میں حوا کی عدن میں کین کی قبریں ہیں۔ مگر بقول ایک عالم شخص کے بنی صالح کے حالات بدو لوگ بالکل نہیں جانتے۔ مگر حضرت موسےٰ کی نسبت اسکا ادب زیادہ کرتے ہیں۔ جب بنی صالح کی تعظیم تکریم موسےٰ سے زیادہ ہوتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ موسےٰ کے بعد نہ ہوا ہو۔

عرب میں ابتدائی عیسائیت کے دو مرکز تھے۔ پس اوس کی ابتدائی نشوونما اور ترقی کا حال معلوم کرنے کے لئے پہلے ہم کو ان قبایل کیطرف متوجہ ہونا چاہئیے جو حیرہ اور غسان کی سلطنتوں میں رہتے تھے۔ ان کے بعد ان قبایل پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ جو یمن اور نجران میں آباد تھے۔

بمبئی کی شان و شوکت کے دنوں میں رومن امپایر حالانکہ مشرق کیطرف حیرت انگیز وسعت حاصل کر رہی تھی۔ مگر شام اور پالمیرا کے عربوں نے اپنی آزادی قایم رکھی۔ اور ہر حملہ کا مردانہ وار جواب دیا۔ اوڈےنتس کے عہد میں پالمیرا کی سلطنت نے عروج حاصل کیا۔ اور اس کی بیوی زینوبیا کے عہد حکومت میں یہ سلطنت بام اوج پر پہنچ گئی۔ اورلین نے اسکو شکست دی۔ اور پالمیرا مع علاقجات متعلقہ رومن امپایر کا ایک صوبہ بن گیا۔ پس یہ ضروری امر ہے کہ اس علاقہ میں ابتدائی میں عیسائیت کی اشاعت ہوگئی ہو۔ اور در اصل ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ رگ بیرس جو اس زمانہ کا مشہور مذہبی پہلوان تھا۔ الکلیسہ کا شہزادہ تھا۔ اور آفن پوٹس کے وقت میں صحرا میں عیسائیت کا کچھ کچھ چرچا ہوگیا تھا۔ شمالی مغربی علاقہ میں جو ستر کے لاٹ پادری عرب سے دیگر پانچ لاٹ پادریوں کے ساتھ ۳۲۵؁ء میں نسین کی کونسل میں شریک ہوئے تھے۔

عرب مورخ ارقام کرتے ہیں کہ غسان کا قبیلہ ہجرا سے پہلے عیسائی ہوگیا تھا اس قبیلہ کے متعلق یہی یہ ضرب المثل مشہور ہے کہ زمانہ جہالت میں وہ مالک تھے۔ اور بعد میں اسلام کے چمکتے ہوئے ستارے بنے۔" وہ فلسطین اور جنوبی شام کے

مشرق میں جو صحرا ہے اُس پر قابض تھے۔ مذہبی عالم کہتے ہیں۔ موریہ یا سعادیہ عربی ملکہ تھی۔ اُس نے ۳۷۲ء میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ رومیوں سے عرب جوں جوں مانوس ہوتے گئے۔ توں توں عیسائی مذہب اختیار کرتے گئے۔ شمالی عرب میں عیسائیت کی ترقی میں یہ بات بڑی حارج نہیں کہ وہ دو رقیب سلطنتوں روم اور ایران کے درمیان واقعہ تھا۔ جو ایک قسم کی بفر سٹیٹ تھی (دو سلطنتیں جو علاقہ اپنی حدود کے درمیان آزاد چھوڑ دیتی ہیں اسکو بفر سٹیٹ کہتے ہیں) دونوں سلطنتیں اُس پر دست درازی کیا کرتی تھیں۔ ایرانی بادشاہ عیسائی عربوں کو سخت تنگ کرتے تھے۔ اور اکثر اون کا قتل عام کیا کرتے تھے۔ ان کے عرب ہوا خواہوں میں سے ایک بت پرست نعمان نام نے اپنی رعایا کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ عیسائیوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں۔

خانہ بدوش قبائل میں جو راہب پہلے آیا۔ وہ اوتہیمس تھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ ڈاکٹر تھا۔ کہ جاہل عربوں کو تندرست کر کے معجزے دکھاتا تھا۔ ایک عیسائی شدہ عرب نے اپنے مبلغ نے اپنا نام پطرس رکھا۔ اُس کو یروشلم کے پیٹریاک نے تقدیس دی اور وہ جنوبی فلسطین کے مضافات میں پہلا لاٹ پادری مقرر ہوا۔ حیرہ کے علاقہ میں عیسائیت کی اشاعت ہوئی۔ یا نہ اُس کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یہ علاقہ شاہان ایران کے رحم پر تھا۔ حیرہ اور کوفہ کے بعض عرب ۳۸۰ء میں تو عیسائی تھے۔ ان عربوں میں جو پہلے پہل عیسائی ہوگئے۔ اون میں ایک نعمان ابو قاموس تھا۔ اُس نے اپنی دین داری کا ثبوت یہ دیا کہ جس سونے کے بت کو اُس کا پوجا تھا۔ اُس کو توڑ کر غربا میں تقسیم کر دیا۔ اُس کے قبیلے کے بہت سے آدمیوں نے اُس کی تقلید کی۔ اور اصطباغ لیا۔ شمالی عرب میں عیسائیت کی اشاعت کی اہمیت اس بات سے معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ زمانہ قافلوں کا تھا۔ جہازرانی کو کوئی جانتا بھی نہ تھا پالمیرا جو خلیج فارس کی تجارت کا مرکز تھا اس کی رونق کا انحصار قافلوں پر تھا۔ جو ایران اور مشرق سے آتے تھے۔ اس زمانہ میں عراق اور جزیرہ عرب کے حصے تھے۔ اور اون پر عرب خاندان حکمران تھے۔

جنوب مغربی عرب میں عیسائیت کے احیا اور شکست اور فتوحات کا سلسلہ بھی

قایم کیا۔ اس ابتدائی عیسائیت کو کس طرح کامیابی ہوئی کس کس آزمائیش میں اسکو مبتلا ہونا پڑا۔ اور آخر وہ کس طرح نیست و نابود ہوئی۔ اس کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر ابتدائی عیسائیت خالص ہوتی اور اس میں کھاوٹ کی جھلک دیکھ نہ ہوتی تو وہ اسلام کے طوفان کے سامنے اتنی جلدی ماند نہ پڑجاتی۔ اس زمانہ کی عیسائیت کا جو خاکہ عالموں نے کھینچا ہے۔ وہ واقعی عیسائیت پر ایک بد نما دھبا ہے۔ جوں جوں عیسائیت کی ترقی ہوتی تھی۔ اُس کی چولیں ڈھیلی ہوتی جاتی تھیں۔ اور اُس کی اخلاقی حالت بدتر ہوتی جاتی تھی۔ پادریوں کی باہمی عداوت دیکھکر لوگوں میں دہریت شروع ہوگئی۔ دربار کی بدچلنی اور عیاشی سے لوگوں میں وہ برائیاں اور بداخلاقیاں پیدا ہوگئیں کہ توبہ بھلی۔ اس زمانہ میں اگرچہ برائیاں بے حد و حساب تھیں۔ مگر نیکیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ ایثار نفس۔ رحمدلی۔ پرہیزگاری کی کئی قیمتی مثالیں ملتی ہیں۔ اُس زمانہ میں عیسوی دُنیا میں صرف مذہبی خرابیاں ہی نہیں پائی جاتی تھیں۔ بلکہ بدعت والحاد کا وہ زور تھا۔ کہ دنیا نمونہ جہنم بنی ہوئی تھی۔ عرب کو کسی زمانہ میں الحاد کی ماں کہہ کے پکارتے تھے۔ چوتھی صدی میں کویدرڈ بن عیسائی تو بت پرستوں سے بھی بدتر ہو گئے تھے۔

(اسی برتے پہ تتا پانی۔ کیوں پادری صاحب جس مذہب پر آپ کو اتنا گھمنڈ ہے۔ جب اُس کی یہ حالت تھی۔ تو بتایئے۔ دُنیا کو راہ ضلالت سے نکالنے کے لئے کسی نبی کی ضرورت تھی یا نہیں۔ اور اب خدا لگتی کہئے۔ اگر آں حضرت سرورِ کائنات مبعوث نہ ہوتے تو کیا عیسائیت میں اتنا دم خم تھا کہ دُنیا کو صراط المستقیم پر لے آتی۔ اے غافلو۔ خواب غفلت سے بیدار ہوکر دیکھو اور سوچو۔ مترجم)

یمن میں عیسائیت کی ابتدائی اشاعت کا مقررہ وقت بتانا سخت مشکل ہے۔ ایلیس کیلس کی مہم تک عرب کا یہ حصہ رومیوں سے بالکل بے تعلق تھا۔ عیسائی ہونے سے پہلے یمن بالآرت پرست تھے یا صابئین۔

یمن میں یہودیوں کی کثرت نے بھی عیسائیت کا کام خراب کیا۔ یہ لوگ عیسائی مذہب کے سخت دشمن تھے۔ اور پادریوں سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ ہندوستان جاتے ہوئے سینٹ بیرتھالومیو نے یمن میں منادی کردی۔ اور فرمنٹیس مبارک کا

پہلا لاٹ پادری مقرر ہوا۔
قسطنطیس تھیوفیلس کو قیصر نے دربار حمیار کیطرف ایک سفیر بنا کر بھیجا
اور کہتے ہیں اس سفیر نے عربی بادشاہ کو قائل کر کے عیسائی مذہب میں داخل کر لیا۔ اور
یمن کے مختلف حصوں میں ظفر، عدن، اور صنعا میں گرجے بنوائے۔ اور ایک
گرجا خلیج فارس کے ساحل پر مقام ہرمز بنوایا۔ چار لاٹ پادری یمن کے علاقے بنائے گئے
اور رحبہ، عمان اور گرد کے قبائل عیسائی ہو گئے۔ ابن خلدون عرب
مورخ لکھتا ہے۔ حیرہ، تنوخ اور تغلب کے قبائل عیسائی تھے۔ صنعا کے متعلق سمجھو
اور نجیر میں بھی عیسائی تھے۔

زمانہ بت پرستی میں تیسری اور چوتھی صدی میں آتش پرستوں، یہودیوں اور
عیسائیوں پر کوئی سختی نہ کی جاتی تھی۔ حمیار کے بادشاہ بھی بت پرست تھے۔ مگر انہوں نے
دیگر مذاہب کو کامل آزادی دے رکھی تھی۔ مگر جب یہودیوں نے زور پکڑا تب
آزادی الیاسیٹ ہو گئی۔ ۵۲۳ء میں ذونواس حمیار کے حکمران نے شاہ ابی سینا
کے برخلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور یہودیوں کی انگیخت میں آکر عیسائیوں کا قتل
عام شروع کر دیا جنہوں نے مذہب ترک کرنے سے انکار کیا۔ ان کا سر تن سے
جدا کیا گیا۔ اور نجران کے قصبہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ بڑے بڑے گرجے
کھود کر ان میں آگ جلائی گئی۔ اور ہزاروں راہب اور راہبات ان میں پھینک کر جلائی
گئیں۔ مگر جلدی ابی سینا والوں نے حملہ کر کے ذونواس کی اچھی گوشمالی کر دی۔
عیسائی فاتحوں نے یہودیوں سے کھول کھول کر انتقام لیا۔ سارا سرسبز و شاداب ملک
قتل و غارت کا نمونہ بن گیا۔ ذونواس سے پہلے جو گرجے بنے ہوئے تھے۔ ان کو پھر
تعمیر کرایا گیا۔ اور مقتول پادریوں کی جگہ نئے پادری مقرر کئے گئے۔ ایک مختصر سی
قطعی خانہ جنگی کے بعد ابرہہ یمن کا بادشاہ بنا۔ مگر عیسائیت کی ترقی میں کوئی فرق
نہ پڑا۔ وہ شاہ ابی سینا کو خراج دیتا۔ عرب قبائل سے بصلح و دوستی رہتا۔ اس کی رعایا
اس سے بڑی خوش تھی۔ اور عیسائی تو اس پہ جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ یہودیوں
اور عیسائیوں میں ایک مناظرہ ہوا۔ یہودیوں کو شکست ہوئی۔ اور وہ بتعداد
کثیر عیسائی ہو گئے۔

بہت سے بت پرستوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا۔ صنعا میں ایک بڑے گرجا کا
سنگ بنیاد رکھا گیا۔ غرضیکہ ۵۶۰ء یمن کے عیسائیوں کے لئے ایک سنہرا سال تھا۔
مگر ابرہا کی طاقت کس طرح خاک میں ملی؟ مسلمان اور عیسائی مورخوں نے اس کے
اسباب بتائے ہیں۔ اور اس کی تباہی ابتدائی عیسائیت کے زوال کا آخری باب اور
اسلام کی فتح کی تمہید تھی۔ اس کی تباہی مسلمانوں کے لئے رحمت الٰہی ثابت ہوئی اور
اسکا ذکر قرآن میں بھی ہے۔

۵۶۰ء کے آغاز پر ایک قافلہ جو جدہ سے آیا۔ صنعا کے دروازہ پر ایک انبوہ
کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ انبوہ ایک شاہی اعلان سن رہا تھا۔ جو یہ تھا "میں ابرہا۔
خدا اور خداوند یسوع مسیح کے فضل و برکت سے یمن کا بادشاہ ہوں۔ میں نے
آخر کے لاٹ پادری کے مشورہ سے خدا کی عبادت کرنے اور بت پرستوں پر فتح پانے
کی یادگار میں ایک گرجا بنوایا ہے۔ اور حکم دیتا ہوں کہ تمام عرب قبائل جو مکہ میں جا کر تیرتھ
کو پوجتے ہیں۔ آئندہ وہاں نہ جائیں۔ بلکہ صنعا کے گرجے میں آکر خدا کی پرستش کریں۔ جو اس
حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ سزا کا مستوجب ہوگا۔

اور قریش کے تمام قبائل پر واضح رہے × × × × × × × × × جو شخص اس اعلان کو
پڑھ رہا تھا۔ اس کو بدوؤں کی ایک جماعت نے روک دیا۔ اور اپنی سانڈنیاں شہر کے
اندر داخل کر کے ایسی بے باکی سے دوڑائیں کہ بعض آدمی بمشکل روندے جانے سے
بچ سکے۔

ابن عوزا نے اپنے ساتھی سے کہا "یہ وہی لعنتی ہیں۔ کہ بالکل گدھے کے موافق
ہیں۔ تہذیب و شائستگی نے ان کو لمس سے مس تک نہیں کیا" ساتھی نے جواب
دیا "بالکل ٹھیک ہے۔ اور جو ہمارے بادشاہ کو الاشرم کے بُرے نام سے بولائے گا
ہم اس کی ناک کاٹ دیں گے۔ تاکہ لعنت کا نشان اس کے چہرے پر رہے" "اگر یہ لوگ
ہمارے عیسائی بادشاہ کا یہ آخری حکم نہ مانیں گے۔ تو ہم اپنے شمشیروں کے جوہر دکھلائینگے
اُن کے قافلے لوٹ لیں گے۔ اور ان بت پرستوں کو کعبہ کے تین سو دیوتا بھی ابرہا کے قہر
غضب سے نہ بچا سکیں گے"

یہ نیا گرجا جس کے کھنڈرات اس کی قدیم عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔ چند پہلو

تیار ہو گیا۔ اور اگلے دن دھافر کے لاٹ پادری اس میں وعظ کرنے کو تھا۔ اس سال
اگلے سالوں کی نسبت باہر سے زیادہ لوگ آئے۔ اور ابھی بہت سے آنے والے تھے کیونکہ
بادشاہ کا حکم تھا کہ تمام قبایل مکہ کی بجائے یہاں آیا کریں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا
تھا۔ اور جبل نہکم کی طرف سے جو ہوا آتی تھی وہ ان لوگوں کے سروں [illegible] جو
پہلی ہی دفعہ گرم علاقوں سے آئے تھے۔

صنعا کے محلوں اور برجوں پر رات نے اندھیری کا پردہ ڈالا۔ ان ستاروں
کی روشنی کے سوا جو کبھی کبھی بادلوں میں سے دکھائی دیتی تھی۔ شہر میں کوئی روشنی
نہ تھی۔ نیم شب سے کچھ پہلے ایک عرب جلد جلد ایک تنگ گلی سے گرجے کی طرف بڑھ
رہا تھا۔ اس کا چہرہ اور جسم پوستین میں چھپا ہوا تھا۔ مگر اس کا لمبا قد مضبوط اندام
خمیدہ خنجر جو لفافے کے قریب نمودار تھا۔ بتا رہا تھا کہ وہ کنبہ قبیلہ کا کوئی شخص ہے
اپنے ارد گرد جھانکتا ہوا۔ وہ ایک گرجے کی کھڑکی کی طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ پھلانگ کر
کھڑکی پر چڑھ گیا۔ اپنے خنجر سے کواڑوں کو کاٹ کر اندر داخل ہو گیا۔ چند منٹوں تک
اندر رہ کر وہ باہر نکل آیا۔ اور جلد جلد شمالی دروازہ کی طرف روانہ ہوا۔ اگلے دن صنعا
کے عیسائیوں میں شور مچ گیا۔ اور آناً فاناً سارے شہر میں مشہور ہو گیا کہ ابرہا
کا گرجا ناپاک ہو گیا ہے۔ منبر پر گوبر اور مقدس صلیب پر غلاظت پڑی ہے۔ یہ فعل
کنبہ والوں کا کام ہے۔ اور شمال کے بت پرستوں کی شرارت کی علامت ہے۔ صنعا
میں ایک شور مچ گیا۔ گرجے کے پادری نے اپنی فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو خاموش
کرنے کی کوشش کی۔ مگر کیا ہوتا تھا۔ اس خبر نے کہ سفیریوں کو شکست [illegible]
اور دین عیسوی ناپاک ہو گیا ہے۔ جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ ابرہا کا غضب حد سے
بڑھ گیا۔ اس نے بڑی قسم کھائی کہ میں بت پرست قریشیوں کو [illegible]
کروں گا۔ اور مکہ کے مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔

رات سے پہلے پہلے ابرہا کی قسم کا چرچا ہو گیا۔ اور صنعا میں حبشیوں کے
شراب خانوں میں جام صحت کے دور چلنے لگے۔ جھٹ پٹ ایک [illegible]
آگے ابرہا خود تھا۔ کہ سفید ہاتھی پر سوار تھا جس پر زرنگار [illegible]
اور پاکھر پڑی تھی۔ اس کے سر پر مخمل کی ٹوپی تھی جس پر [illegible]

چاندی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ کمخواب کا لباس زیب بر تھا۔ اور عقیق کی انگوٹھی انگشت میں تھی۔ گلے میں سونے کے کنٹھے تھے۔ جن کے باعث اُس کی چھوٹی سی گردن نظر نہیں آتی تھی۔ بازو اُس کے مضبوط اور ڈیل اور تیروں سے مسلح تھا۔ اس کے لمبے بال جو نواز تھے۔ اور ان کے پیچھے افسر و سپاہی پرے کے پرے باندھے چلے آتے تھے۔ اُن کی سرداری پر بہادر نفیس مامور تھا۔ اس کی نسبت بہتر سردار کا ملنا محال تھا۔ اور ابرہہ کے تیر سے اپنے بھائی ذین عوزا کی بیوقت وفات پر وہ ذاتی انتقام لینے کے لئے بھی تلملا رہا تھا۔ اور مذہبی جوش اُس کے غضب کو اور بھی تیز کر رہا تھا۔ اور وہ اس بات پر تلا ہوا تھا۔ کہ جلتے ہی خون کی جھڑی باندھ دے۔ راستے میں جو قبیلے آئے وہاں کے لوگ بطور والنٹیر ساتھ شامل ہوتے گئے۔ یہ سارا لشکر ڈبل کوچ کرتا ہوا جبل اور یا پر پہنچ گیا۔ یہ سفر شمال کے بدوؤں کے لئے معمولی بات تھی۔ مگر یمن کے سپاہیوں کے لئے یہ منزل ہفت خواں سے کم نہ تھی۔ کہاں وہ گلزار و سبزہ زار اور پہاڑوں کی قدرتی بہار۔ کہاں یہ لق و دق صحرا کہ سوائے گھاس کے تنکے تک کا پتہ نہ تھا۔ پانی کے نہ ملنے سے بہادروں کا جگر پانی پانی ہو رہا تھا۔ انسان تو بھلا انسان تھے۔ حیوانوں کی یہ حالت تھی کہ تڑپ رہے تھے۔ اور پانی تو بیتاب ہو ہو پڑتے تھے۔ جتنا آگے بڑھتے تھے اُتنی ہی مشکلات زیادہ ہوتی تھیں۔ دوسری طرف قریش بھی غافل نہ تھے۔ جتنی جلدی صحرا میں افواہ پھیلتی ہے۔ کہیں بھی نہیں پھیلتی۔ وہ تمام لوگ جو مکہ کا ادب کرتے تھے۔ قریش کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ ایک صلیب کے مقابلہ پر کعبہ کے بتوں سا ساتھ بت تھے۔ جب ابرہا کی آمد کی خبر پہنچی۔ عرب قبائل ابن جنیب اور دیگر سرداروں کے ماتحت جنگ کا ڈھنگ ڈالنے کے لئے آگے بڑھے۔ دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ اور بغیر حیل و حجت کے جھڑپ کنارہ ہو گئے۔ سخت گھمسان کا رن پڑا۔ ہاتھیوں کو دیکھ کر اونٹ ڈر کر بھاگ گئے۔ عرب بھی قلت تعداد کے باعث اپنی جگہ قایم نہ رہ سکے۔ شکست کی خبر نے قریش میں سخت جوش پیدا کر دیا۔ اور ہونے والے پیغمبر کے دادا عبدالمطلب جو کعبہ کا محافظ تھا۔ سرداروں کی ایک کونسل بلائی۔ ایک قاصد ابرہہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ کہ حجاز کی دولت کا تیسرا حصہ لے لے۔ مگر بیت اللہ کو نقصان نہ پہنچائے۔ بادشاہ نے اس پیغام پر کان نہ دھرا۔ اور اُس کے ہمراہی چلائے ہم صلیب

کو ناپاک کرنے کا بدلہ لئے بغیر چھوڑیں گے۔ بہت بت پرستوں سے تاوان بھی لیں گے۔
پھر کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے آخر عبد المطلب خود آیا۔ ابرہا نے اُسے شرف
ملاقات بخشا اور اپنے پاس جگہ دی۔ مگر عربوں کی روایت ہے کہ عبد المطلب صرف
اتنا کہنے آیا تھا کہ کوئی ڈر نہیں۔ کعبہ کا مالک خود اُس کو بچائے گا۔ دوسرے دن تنگ
وادی میں سے ہو کر حبشی شہر کی طرف بڑھا۔ یہاں ابرہا کی قسمت نے پلٹا کھایا۔ صبح
سے پہلے پہلے عرب گھاٹیوں میں بیٹھ گئے۔ جب عیسائی وادی میں داخل ہوئے ان پر
پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔

ہاتھی پتھروں کی مار سے ایسے ڈرے کہ حواس باختہ ہو کر بھاگے۔ ہزاروں کو
زخمی کیا۔ جو زخمی تھے اُن کو ایسا لتاڑا کہ جان سے ہی مارا۔ اگرچہ مقابلہ برابر کا نہ تھا
مگر پھر بھی غروب آفتاب تک میدان کارزار گرم رہا۔ یہ وادی عربوں کی تھرماپلی تھی
اور اس فتح کی ایسی دھوم ہوئی کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا۔ ایک لڑائی کو مسلمانوں
نے ایک معجزہ بنا لیا ہے۔ کہ ابابیلوں نے کنکریاں گرا کر حبشیوں کو ہلاک کر دیا۔ اس فتح کے
دو مہینے بعد پیغمبر (صلعم) پیدا ہوئے۔ اور اُس کے [illegible] نے عرب میں عیسائیت کی
قسمت پر مہر لگا دی۔ اصل میں تو بڑی وقت لگ گئی تھی۔ جب ابرہا انتقام لینے کی
غرض سے ہاتھی پر سوار ہو کر صنعا سے روانہ ہوا تھا۔ شمالی قبائل کے ایرانیوں ارمنوں
کے درمیان تقسیم ہو جانے اور حمیریوں کی شکست پانے سے سارے وسطی عرب
میں بدامنی پھیل گئی تھی۔ حیرہ اور غسان کے بت پرستوں نے جنوب کی طرف تاخت و
تاراج جاری رکھی۔ ابرہا کا بیٹا یکسوم عیسائیت کو ڈوبنے سے نہ بچا سکا۔ اسلام کی اچانک
ترقی اُس کے پولیٹیکل اور سوشل عروج نے عیسائیت کو بالکل فنا کر دیا۔ رائٹ کہتا ہے
"محمد کی وفات کے ساتھ ہی عرب میں عیسائیوں کا کوئی نقارہ نہ رہ گیا۔ اور جزیرہ نما
میں ایک عیسائی بھی نہ رہا۔"

۱۸۸۸ء میں ایڈورڈ گلیسر نے یمن کا [illegible] دیکھا۔ اور کتبے معلوم
کئے۔ حبشیوں کے قدم دار الخلافہ [illegible] سے [illegible] جمع کئے
ان میں سے ایک ۵۴۳ء کا تھا۔ اور یہ [illegible] حبشیوں کا اثر [illegible] خیال
کرتا ہے۔ اس میں ایک سو ساٹھ سطریں ہیں۔ شروع میں یہ الفاظ ہیں۔ بنام خدا

عز و جل اور خداوند یسوع مسیح۔" تعنیا کے گرجا کی یادگاریں بھی کھنڈر سا ور سے کھنچے دیئے گئے ہیں۔

تیسواں باب

صبح اُمید

اسلام کی پیدائش ۶۲۲ء کی ہے۔ مگر پہلا عیسائی مشنری جو مسلمانوں کی طرف گیا۔ اسے ریمنڈ لل تھا۔ اس کو بتاریخ ۳۰ جون ۱۳۱۵ء شمالی افریقہ میں بمقام بگیا سنگسار کیا گیا۔ وہ پہلا عیسائی تھا جس نے مسلمانوں کو عیسائیت کی دعوت دینے کی ضرورت محسوس کی۔ وہ ہمیشہ مسلمان علماؤں کو کہا کرتا تھا۔ "اسلام جھوٹا مذہب ہے۔ اور ایک دن نابود ہونے والا ہے"۔ (جب تک یہی زمین و آسمان ہیں۔ اسلام ہمیشہ زندہ جاوید مذہب رہیگا۔ دُنیا میں جس وقت علمی شعاعیں پھیلیں تو بس سمجھ لو۔ اسلام نے سب کے دل میں گھر کر لیا۔ وہ مذہب جو عین فطرت کے مطابق ہے کبھی نابود نہیں ہو سکتا۔ موجودہ یورپ والوں نے جتنا فیض پایا ہے۔ اسی اسلام سے۔ لیکن چونکہ ابھی ان کو علم نہیں ہوا۔ کہ انہوں نے یہ باتیں اسلام سے حاصل کی ہیں۔ وہ پادریوں کے جھانسے میں آکر اسلام سے دور رہتے ہیں۔ عیسائیت کے تو پرخچے اُڑ چکے۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ چکا۔ بزم عیش کی صبح نمودار ہونے کو ہے۔ قضا و قدر کے کارندے دنیا میں اسلامی نقارہ بجانے کو ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں۔ جب ہم ساری دُنیا کو اسلام کے رشتے میں منسلک دیکھیں گے۔ مترجم)

اپنی صداقت اور نورایمان سے اس نے بہت سے مسلمان عیسائی کئے۔ مگر وہ اس کوشش میں کہ اسلام کے دلیلوں سے پرخچے اُڑا دے کامیاب نہ ہوا۔ اُس نے اسلام پر دو کتابیں لکھیں۔ مگر اون کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑے گا جو چودہویں صدی میں ایسی کتابوں کا پڑھتا تھا۔ اس کی زندگی جفاکشی اور مستعدی کا نمونہ تھی۔ اور اون مشنریوں کے لئے ایک عمدہ مثال ہے۔ جو اسلامی دُنیا میں اپنے

فرائض ادا کرنے کے خواہاں ہیں۔ مگر وہ ایسے زمانہ میں ہوا۔ جو کہ اوس کے قابل نہ تھا۔

ائے منڈلل کے وقت سے لیکر موجودہ مشنری شہر سے مارٹن تک عرب میں یا مسلمانوں میں انجیل کی اشاعت کی کوشش نہیں کی گئی۔ ان دونوں مشنریوں کی تاریخ گویا کہ ۱۲۷۳ء سے لے کر ۱۸۱۲ء تک عیسائی مشن کی تاریخ ہے بڑے افسوس کی بات ہے کہ کروڑہا بندگان خدا کو جو ایک کاذب نبی کا دامن پکڑ کر جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔ سچے مذہب کیطرف بلانے کی بہت کم کوشش کیگئی ہے (اجی پہلے وہ جو آپ کا سچا مذہب ہے۔ اوسکو بچا ئیے۔ وہ مدت سے اس نبی کا دامن پکڑ کر اسلام کی صورت اختیار کرتا جاتا ہے۔ وحدانیت کے نور کے سامنے تثلیث کی تاریکی دور ہو رہی ہے۔ عالم اور واقف کار یورپین اسلام کے گرویدہ ہو رہے ہیں۔ مترجم)

اٹھارہویں صدی کے پروٹسٹنٹ چرچ کیطرف عرب اور لیوانٹ نے بہت کم توجہ کی ہے۔ ترک جو اسلامی دنیا کے تمام مقاصوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اون کیطرف ۱۸۱۵ء میں توجہ مبذول کیگئی۔ (اجی نہیں۔ صرف ان کی طرف ہی نہیں۔ بلکہ ساری اسلامی دنیا کی طرف عیسائی مہربانوں کی توجہ مبذول رہی ہے اور ہے۔ اگرچہ پولیٹیکل مقابلہ میں مسلمان عیسائیوں سے شکست کھا گئے ہیں۔ مگر اصل مقابلہ میں مسلمان برابر فتحیاب ہوتے آئے ہیں۔ اور خدا نے چاہا تو رہیں گے۔ آخر اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اور ان نصرانیوں کا منہ کالا ہوگا۔ مترجم)

مگر ترکوں میں اون کی سلطنت میں انجیل کی اشاعت کا انتظام نہ کیا گیا کیری نے جو پروگرام تیار کیا تھا۔ اس میں بھی اسلامی ممالک کے نام نہ تھے۔ پہلے پہل کلاڈیس بچنن نے اسلامی دنیا کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ ہندوستان سے واپس آکر ۲۶ فروری ۱۸۰۹ء کو اس نے برسٹل میں دو مسلمانوں کی سرگذشت سنائی جو عیسائی ہوگئے تھے۔ اور جن میں سے ایک عبداللہ نے یسوع مسیح کے نام پر شہید ہوگیا تھا۔ اس نے عیسائی مذہب کی اشاعت کے لئے تجویز کیا کہ لیوانٹ کو عیسائی کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ چرچ مشنری سوسائٹی نے مشنری روانہ کئے۔ اور ۱۸۱۹ء

میں امریکن بورڈ نے پلنی فسک اور لیوی پرسن کو شام کیطرف مشنری کر کے بھیجا
ایشیائے کوچک میں مشنری کام کے شروع ہو جانے سے آئندہ کے لئے عرب کا پھاٹک
کھل گیا۔ اور نورانیت کی شعاعیں اسلامی دُنیا پر پڑنی شروع ہو گئیں پلنی سمتھ اور
ایچ۔ جی۔ او ڈواسٹ کے سفروں کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ امریکن چرچ کی توجہ اوس طرف
ہو گئی۔ سنہ ۱۸۲۲ء میں شام کی مشن نے مالٹا کے پریس کے ذریعہ اسلام کے قلعہ پر حملے کرنے
شروع کئے۔ سنہ ۱۸۳۳ء میں وہ پریس بیروت کیطرف منتقل کیا گیا۔ چنانچہ آجتک وہ عربی
داں دنیا میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کرتا ہے۔ سنہ ۱۸۶۵ء میں ڈاکٹر وان ڈائک
نے انجیل کے عربی ترجمہ کی آخری کاپی کمپوزیٹر کے حوالہ کی۔ تو اُس نے شام۔ ایشیائے
کوچک اور عرب کے لئے نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔ اس انجیل سے عرب نے مشنری
کام میں سہولت پیدا ہو گئی۔ یہ ترجمہ سترہ سال کی محنت کا نتیجہ تھا۔ جزیرہ نما عرب
میں براہ راست مشنری کام کا آغاز سموئیل مارٹن سے شروع ہوتا ہے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس ملک میں جہاں محمدؐ اور اس کے جانشینوں نے
تلوار کے زور سے عیسائیت کو خارج کیا تھا۔ اور اُس کا نام تک مٹا دیا تھا۔ اب تیرہ
سو سال کے بعد عیسائیت نے پھر اوس ملک میں قدم جمانے شروع کر دئے ہیں۔ سموئیل
مارٹن عرب میں مشنریوں کا پائنیر تھا۔ پہلے پہل وہ عربی زبان کے ذریعہ عربوں سے ملاقی ہوا
اور ثبت کو اپنا منشی اور نائب بنایا۔

ثبت اور اُسکا دوست عبد اللہ اعلےٰ خاندان کے دو عرب تھے۔ مکہ کی سیاحت
کرنے کے بعد اونہوں نے دُنیا کا دورہ کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے وہ کابل گئے۔ جہاں عبد اللہ
امیر زماں خان کے پاس ملازم ہو گیا۔ ایک آرمن عیسائی کی کوشش سے وہ عیسائی ہو گیا
اور جان بچانے کے لئے بخارا کیطرف بھاگ گیا۔ ثبت اُس سے پہلے وہاں پہونچ چکا
تھا۔ اُس نے عبد اللہ کو بازار میں جاتے ہوئے فوراً پہچان لیا۔ ثبت نے بعد میں کہا
"مجھے اوسپر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ میں نے اُس کو مراد شاہ کے حوالہ کر دیا۔" اُس سے کہا گیا کہ
اگر تم عیسائیت کو چھوڑ کر پھر مشرف باسلام ہو جاؤ۔ تو تمہارے قصور سے درگذر کی
جائے گی۔ اُس نے عیسائیت کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اسپر اوسکا ایک ہاتھ کاٹا
گیا۔ اور اوس کو مجبور کیا گیا کہ عیسائیت کو چھوڑ دے۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

بلکہ پہلے عیسائی شہید سٹیفن کیطرح آسمان کیطرف دیکھا۔ اور اسکی آنکھوں سے
آنسو بہنے لگے۔ اُس نے میری طرف دیکھا۔ گو اُسکا چہرہ بتاتا تھا کہ ابھی یا اندیشہ نہیں
ہٹے گا۔ پھر اوس کا دوسرا ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہا۔ اور جب سختی
پر اُس نے اپنا چپ چاپ سر جھکا دیا تو سارا مجمع کہنے لگے۔ وہ یہ عجیب بات ہے۔ شکست
کہو مدتا کہا متا مدراس پہونچا۔ جہاں گورنمنٹ نے اُسکو مفتی کا عہدہ عطا کیا۔

وزنگا پٹم میں اُس نے انجیل کا عربی ترجمہ دیکھا۔ اُس نے اسکا قرآن سے مقابلہ
کیا۔ بس پھر کیا تھا صداقت آ گئی۔ کذب اُڑ گیا۔ مدراس میں ریورنڈ ڈاکٹر کیر نے اسکو
اصطباغ دیا۔ اور اُس کا نام نتھنیل رکھا۔ اُسوقت اس کی عمر ستائیس برس کی تھی۔
جب اُس کے عیسائی ہونے کی خبر اُس کے گھر پہونچی۔ اُس کا بھائی اسکو قتل کرنے کے
ارادہ سے عرب سے روانہ ہوا۔ اور جب نبت وزنگا پٹم میں اپنے گھر کے اندر بیٹھا ہوا
تھا۔ اُس کے بھائی نے الیتیائیوں کا سا بھیس بنا کر اوس کو خنجر سے زخمی کیا۔ زخمی بھائی
نے اپنے بھائی کو ماں کے لئے بہت سے تحائف اور خط دیکر عرب کیطرف واپس روانہ کیا
اور خود اُس مذہب کی اشاعت کا بیڑا اوٹھایا جس کے باعث اُس نے عبداللہ کو
برچھی سے مروایا تھا۔

یہ دو شخص موجودہ عرب کے پہلے عیسائی تھے۔ اسبات کا کریڈٹ نبت کو بھی حاصل
ہے کہ ہنری مارٹن کا عرب اور عربوں کیطرف خیال ہوا۔ سنہ ۱۸۱۰ء کے اخیر دن کو اُس نے
اپنے روزنامچہ میں لکھا۔ "اب میں ہندوستان سے عرب کیطرف جاتا ہوں۔ دیکھئے میری قسمت
میں وہاں کیا لکھا ہے"

ہندوستان کو چھوڑنے کی ایک یہی وجہ تھی۔ کہ اُس کی صحت خراب ہوگئی تھی
مگر بڑی وجہ یہ تھی۔ کہ وہ عربوں اور ایرانیوں کو اُن ہی زبانوں میں خدا کا کلام سنا کر انکو
صراط المستقیم پر لانا چاہتا تھا۔ کلکتہ سے بمبئی تک کے بحری سفر میں اُس نے عربی زبان
میں ٹریکٹ (چھوٹی چھوٹی کتابیں) تیار کئے۔ عرب ملاحوں سے بات چیت کی۔ قرآن
کا مطالعہ کیا۔ اور بشیر کا سفرنامہ عرب پڑھا۔ بمبئی سے وہ ایک جنگی جہاز پر خلیج فارس
کی گرداوری کو چلا تھا۔ ایران اور عرب کیطرف روانہ ہوا۔ ۲۰ اپریل سنہ ۱۸۱۱ء کو وہ مسقط
میں پہنچا۔ اور لیڈیا گرین فیل کو اپنے پہلے مشاہدہ کا حال لکھا۔ وہ اب میں آباد عرب

ہیں ہوں۔ مگر ملک کی حالت بتاتی ہے۔ کہ اس نام کا مستحق نہیں ہے۔ جابجا تحیلسی ہوئی اور ننگی پہاڑیاں ہیں۔ مگر وہ دن نزدیک ہے کہ اس ملک پر رحمت الہی نازل ہو۔ اور یہ روح القدس کی طفیل آباد ملکوں میں سے ہو جائے" اس نے ملک کو اندرونی حصّہ کیطرف جانے کی کوشش کی۔ مگر سلطان مسقط کے سپاہیوں نے اُس کو روک دیا عرب کے متعلق ہنری مارٹن کا ہر ایک لفظ ایک گوہر بے بہا ہے۔ مگر ہم یہاں صرف ایک فقرہ نقل کریں گے سن ۲۴ - اپریل۔ ایک انگریزی جماعت۔ دو ہندوستانی۔ اور ایک عرب کے ساتھ جو بطور راہبر تھا۔ شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر جو راہ ہے۔ اسکو اور ایک چھوٹے سے قریہ میں ایک ہندو نے باغ لگوا دیا ہے۔ اوس کو دیکھنے گئے۔ کوئی چیز دیکھنے کے قابل نہ تھی۔ ذرا سی سبزی کو بھی دیکھکر عرب نے اسکو ایک بڑی بات سمجھ لیا۔ میں نے اُس سے خاصکر اُس کے حبشی غلام سے جو مذہبی معاملات میں بڑا سیانا تھا۔ دیر تک گفتگو کی۔ موخر الذکر اپنے مذہب کے متعلق اتنا ہی جانتا تھا۔ جتنے کہ دوسرے پہاڑی لوگ علاوہ ازیں اس کو مذہب میں اتنا انٹرسٹ تھا کہ جب تک میں ساحل سے روانہ ہوا اُس نے اپنی بحث کو نہیں چھوڑا۔ مارٹن نے مسقط میں زیادہ قیام نہیں کیا۔ مگر یہہ تھوڑا سا قیام بھی صحرا میں نخلستان کی بہار دکھا گیا۔ اور اُس نے جو دعائیں وہاں مانگیں۔ آخر وہ قبول اور اُس کی مرادیں حصول ہوئیں۔ بوشہر تک وہ ترجمہ کے کام میں مصروف رہا۔ مگر اوس کا دل عربوں کیطرف ہی لگا ہوا تھا۔ چنانچہ اُس نے خود ظاہر کیا کہ وہ ایران کو گھوم کر عرب میں اؤں گا"

ہندوستان میں اوس کو خیال ہوا۔ کہ عربوں کو انجیل سے مستفیض کرے۔ چنانچہ اُس نے عبرانی سیکھنے میں از بس محنت اوٹھائی۔ اگر مارٹن کا مددگار نثنت ذرا اور عالم ہوتا۔ تو انجیل کا عربی ترجمہ نہایت ہی مفید اور کار آمد ثابت ہوتا۔ چونکہ نثنت زبان میں ماہر نہ تھا۔ ان کا عربی ترجمہ زیادہ عرصہ تک مروج نہ رہا۔ سنہ ۱۸۱۶ء میں پہلے پہل یہ ترجمہ کلکتہ میں چھپا اگرچہ پُرانے ترجموں کے ساتھ ملاکر یہ ترجمہ نہایت عمدہ تھا۔ مگر علی سمتھ اور وان ڈایک کے ترجمہ نے سب کو پس پشت ڈال دیا۔ تاہم اس میں مارٹن کا کوئی قصور نہ تھا۔ کہ سنہ ۱۸۱۶ء تک بائبل کا عمدہ عربی ترجمہ نہ ملا۔ وہ اپنے روزنامچہ میں ۸ - ۹ ستمبر سنہ ۱۸۱۰ء میں لکھتا ہے" اگر میری زندگی نے وفا کی۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ عرب میں عربی۔ ایران میں

۱۸۸۶ء میں عدن میں بائبل ڈیپو قائم کیا گیا۔ ابراہیم عبدالمسیح پہلے پہل اس ڈیپو کا مہتمم بنایا گیا۔ کیتھ فالکنر کے بعد جنوبی عرب میں وہ بڑا ہر دلعزیز ہوا۔ شہر اور عدن کی بائبل ڈیپو سے کئی ٹریکٹ بحرہ قلزم کے عربی بندرگاہوں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اور یمن دار الخلافہ صنعا تک پہونچ گئے ہیں۔

۱۸۸۸ء اور ۱۸۹۰ء کے درمیان عرب کی ضروریات کے متعلق کئی اپیلیں کیگئیں۔ امریکن یوپی مشن کا عمر رسیدہ پادری ڈاکٹر لینسنگ جو مصر میں کام کرتا تھا۔ اور تیس سال سے صبح امید کے آثار دیکھنے کا خواہاں تھا۔ اس نے جب ان اپیلوں کی بابت سنا۔ اس کی رگ حمیت و غیرت متحرک ہوئی۔ اور وہ یمن کیطرف روانہ ہوا۔ مغرب الاقصے کے ایک امریکن پادری نے ایک دفعہ لکھا "میں اور میرے آدمی عرب کے لئے دست بدعا ہیں"۔ وہابی ریفارمیشن کے زمانہ میں ان لوگوں کی جن کی نظریں پولیٹیکل افق کیطرف لگی ہوئی تھیں۔ توجہ اس طرف مبذول ہوئی۔ ۱۸۵۶ء میں جدہ کی گود پادری نے مکا اور حج کیطرف توجہ مبذول کرادی۔ ۱۸۳۹ء سے جب انگلستان عدن پر قابض ہوا ۱۸۸۵ء تک عرب کے تمام مغربی ساحل پر تجارت اور سیاحت کا زور رہا۔ اسی زمانہ میں انگلستان بحری افسروں۔ مواس بائی۔ تھنس۔ ایلون۔ سانڈرس۔ کارلیس۔ ولسٹیڈ اور کروٹن نے سارے عربی ساحل کی پیمائش کی۔ جو کچھ انہوں نے تجارت کے لئے کیا میجر جنرل ایف۔ ٹی۔ ہیگ نے عرب کی مشن کے لئے کیا۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے عرب کے سارے ساحلوں اور یمن کے وسطی علاقوں کی سیاحت کی۔ جزیرہ نما پر تسلط جمانے کے متعلق اس نے جو مضامین لکھے۔ وہ کیتھ فالکنر تک پہونچے آخر اس نے اسلامی دنیا میں جدوجہد کا میدان کھولنا چاہا۔ اسی برگزیدہ خدا کے تجربہ اور مشورہ سے ۱۸۹۰ء میں امریکن مشن متعلقہ عرب کے لئے جانے مقام کا فیصلہ ہوا۔

۱۸۸۶ء میں چرچ مشن سوسائٹی نے جنرل ہیگ سے بحرہ قلزم کے عربی سواحل اور شمالی لینڈ کی سیاحت کرنے کی درخواست دی۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ ان علاقوں میں جدوجہد کہاں تک کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ وہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۸۶ء کو لندن سے روانہ ہو کر ۱۹ اکتوبر کو اسکندریہ پہونچا۔ اور ایک مصری جہاز پر عدن کیطرف روانہ ہوا۔

راستے میں طور، ینبوع، جدہ، سوالم، مستورہ اور مدینہ میں ٹھہرا۔ ڈاکٹر اور مسٹر پیچ
پریس مشن سوسائٹی کے پہلے ہی سے عدن میں موجود تھے۔ اور مشنری کام شروع
کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ڈاکٹر پاریہ جنرل ہیگ کے ساتھ حدیدہ آیا۔ اور کچھ
عرصہ تک عرب میں میڈیکل مشنری کا کام انجام دیتا رہا۔ پھر جنرل ہیگ اس کے ساتھ
صنعا کی طرف اور وہاں سے عدن کی طرف آیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ مسقط آیا۔ اور خلیج فارس
کا دورہ کیا۔ اور بندرگاہ پر قیام کیا۔

بصرہ سے کنارے کنارے وہ بغداد آیا۔ اور وہاں سے صحرا میں سے ہوتا ہوا
دمشق پہنچا۔ اس لئے اور مشکل گذار سفر کے حالات دو مضمونوں میں ظاہر کئے گئے
بعنوان "On both sides of The Red Sea" (بحر قلزم کے
دونوں کناروں پر) اور دوسرا بعنوان "Arabia as a Mission field"
(عرب میں مشنری کام کی گنجایش) شایع ہوا۔

"جغرافیکل جرنل" میں جو مضمون درج ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب
کو عیسائی بنانے میں کہاں تک کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس مضمون کا اقتباس درج کیا
جاتا ہے۔ "عرب کا جنوب مغربی حصہ پہاڑی ہے۔ آب و ہوا یہاں کی معتدل ہے اور
باشندے بڑے جفاکش اور محنتی ہیں۔ یہ پہاڑی علاقہ اور اس کی قومیں شمال میں عسیر تک
شمال مشرق میں جوف تک پھیلی ہوئی ہیں۔

سب سے زیادہ جنگجو وہ لوگ ہیں۔ جو صنعا کے شمال اور شمال مشرق میں رہتے ہیں
یہ لوگ ترکی حکومت کے سامنے کبھی سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ اور ترکوں کی عملداری صنعا
سے چند میلوں پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جنوبی عرب کے روح القدس سے فیضیاب
کرنے کے لئے کیا یہ ضروری نہیں۔ کہ ان جنگجو قوموں میں بائبل کی اشاعت کی جائے؟
یہ زیادہ تر زیدی مذہب کے ہیں۔ مگر ان میں تعصب کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔
بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے۔ وہ صداقت کی طرف مائل ہیں۔ میرا مشاہدہ تو یہ بتاتا ہے
کہ وہ اسلام کی بہت سی باتوں کو نہیں مانتے۔ (ابھی اسی واسطے عیسائی ہو گئے
ہیں نہ۔ ارے بچے جس نے ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اپنی زبان سے
کہہ دیا ہے۔ وہ تو کبھی عیسائی ہونے کا نہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ عیسائیوں کو

مشرف با سلام کرنے کی کوشش کرے ۔ مترجم) یمن میں میں نے کسی شخص کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا ۔ صرف بڑے بڑے قریوں میں کوئی ایک دو مسجدیں ہیں ۔ وہیں عورتوں تک رسائی آسان ہے ۔ قریوں کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں ۔ اور جن عورتوں کو ہم خانوں یا سراؤں میں دیکھا ہے وہ اجنبیوں سے ملاقات کرنے میں سست نہیں ہیں ۔ کم سن لڑکیاں ہمارے کمرہ میں دوڑتی اور کھیلتی رہتی تھیں ۔ اور اگر ہم اون کو بلاتے ۔ تو ہمارے پاس بیٹھ جاتی تھیں ۔ ساری آبادی پر جہالت کا غلبہ زیادہ ہے وہ خود اپنے مذہب سے بے خبر ہیں ۔ اور صداقت سے بھی بہت دور ہیں ۔ مگر ایک پادری جو عربی زبان جانتا ہو قریہ بہ قریہ منادی کرے اور خدا کا کلام سنائے ۔ تو مجھے یقین ہے ۔ اچھی کامیابی ہو ۔"

یہ بیان بالکل ٹھیک ہے مگر ابھی تک کسی نے اس اپیل کا جواب نہیں دیا ۔ اور تمام اوس دن کی انتظاری کر رہے ہیں کہ وہاں بائبل داخل ہو ۔ یمن کے اخلاق کی نسبت ریورنڈ لکھتا ہے " قنفدا ایک اہم مقام ہے ۔ مشنری اغراض کے لحاظ سے اسکی اہمیت اور قدر و قیمت میں مبالغہ کی گنجائش ہی نہیں ۔ یہ جنوبی عرب کی بہادر قوموں کے مرکز میں واقعہ ہے ۔ اور اگر وہاں ایک مشن قایم ہو جاوے ۔ تو اوس کا اثر ہر طرف اور ہر قبیلے پر پڑے ۔

عرب کے اون حصص کا جہاں مشنری کام شروع ہو سکتا ہے ۔ اس کام میں جو جو مشکلات پر غالب آنے کی تدابیر بتلا کر وہ اپنی ریورٹ میں لکھتا ہے " میں خیال کرتا ہوں ۔ کم و بیش سارا عرب انجیل کی منادی کے لئے کھلا ہوا ہے ۔ یہ ایسا ہی کھلا ہے ۔ جیسا کہ نبیوں کے وقت دنیا کھلی تھی ۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہ ایک پادری بہت سے مختلف حصوں میں داخل ہو سکتا ہے ۔ جہاں وہ بہت سے ایسے مرد اور عورتیں دیکھے گا جو نجات ابدی کے خواہاں ہیں ۔ اُن میں سے بعض اُس کے پیغام کو دل لگا کر سنیں گے بعض اُس کے پیغام کو رد کر دیں گے ۔ اور اُس کے درپے ایذا ہو جائیں گے ۔ بہت سے حصوں میں گورنمنٹ اُس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرے گی ۔ بہت سے حصوں جیسے کہ ٹرکی عربی صوبجات ۔ وہ گرفتار ہو جاوے گا ۔ اور ممکن ہے جلا وطن بھی کر دیا جاوے ۔ پاجی متعصب بہت کم ہیں ۔ اور اگر خدا نخواستہ پادری کو کسی ایسی پادری

سابقہ بھی پڑجائے۔ تو پھر جان بچانا مشکل ہے۔ مگر وہ اس حالت میں کیا کرے۔ جب اسکو اپنی جان بچانے کے لئے رہ رہ بھاگنا پڑے اور کہیں پناہ نہ ملے ۔" اس پالیسی صفحے کی رپورٹ میں بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ یہ ہر ضروری معاملہ پر روشنی ڈالی ہے۔ جنرل ہیگ کی رپورٹ کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ چرچ مشنری سوسائٹی نے عدن اور شیخ عثمان کیتھ فالکنر اور سکاٹ لینڈ کے فری چرچ کے سپرد کر دیا۔ اور ڈاکٹر ہارپر اور اس کی بیوی حدیدہ میں چلے گئے۔ کہ وہاں جدوجہد کریں۔

حدیدہ میں ایک عیسائی ڈاکٹر عدن کی نسبت زیادہ کام کر سکتا تھا کیونکہ عدن میں پہلے ہی سے دو سرکاری شفاخانے تھے۔ شروع شروع میں تو کام بہت ہی امید افزا تھا۔ بہت سے لوگ شفاخانوں میں بغرض علاج آتے تھے۔ منادی کا کام جاری رہا۔ اور ڈاکٹر ہارپر نے لکھا۔ میں پیدائش موت اور مسیح کے کفارہ کے متعلق لوگوں کو سناتا رہتا ہوں" ایک دو عرب ان باتوں میں خاص طور پر انٹرسٹ لینے لگے۔ اور بائبل کا مطالعہ شروع کر دیا۔ مگر ترک گورنر نے اعتراض کیا۔ اور مشنری سے ترکی ڈپلومہ مانگا۔ اور حکم دیا۔ یا تو ترکی ڈپلومہ حاصل کرے۔ یا اپنے ڈپلومہ کی قسطنطنیہ سے تصدیق کرائے۔ ورنہ اس کام سے باز آئے۔ کام بند ہو گیا۔ ڈاکٹر ہارپر خرابی صحت کی وجہ سے انگلستان واپس آنے پر مجبور ہوا۔ اور حدیدہ میں پھر کوئی مشنری داخل نہ ہوا۔ چرچ مشنری انٹیلی جنس میں ۱۲ اپریل ۱۸۹۲ء کو اس کا ایک خط شائع ہوا۔ جو یہ ہے۔ "اگر اب یہ راستہ بند ہو گیا تو خدا اس کو پھر وقت پر کھول دیگا۔ وہ وقت کب آئے گا۔ اس کو وہی جانتا ہے۔ مگر میری دلی تمنا ہے۔ کہ اگر مجھ کو اجازت مل جائے۔ تو میں یمن کے لوگوں میں ہی مشنری کام کروں۔ ہم کہیں بھی کام کریں۔ خدا اس کو بھی طرح جانتا ہے۔ چونکہ اس بات کا یقین ہے کہ میرے ڈپلوموں کی تصدیق کی جائے گی۔ اور چونکہ آجکل یہاں کا کام بند پڑا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم عدن کو واپس چلے جائیں۔ وہاں ہم کمیٹی کی ہدایات کا انتظار کریں گے۔ اور اپنا وقت عربی زبان کے مطالعہ میں صرف کریں گے۔ جہاں تک خود لوگوں کا تعلق ہے اب دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ ہمیں اُن لوگوں کو نہیں چھوڑنا چاہیئے جنہوں نے بائبل کو رد نہیں کیا۔ اُن کے لئے خداوند کے حضور میں دُعا مانگنی چاہیئے۔ اسی وقت ایون کیتھ فالکنر کی وفات واقع ہوئی۔ اور جنوبی عرب کی چھوٹی جماعت میں ماتم بپا

ہوگیا۔ دعا کے لئے ایک دعوت اطراف و جوانب میں دو سال کی گئی۔ اور عرب کے متعلق دعا مانگنے کے لئے یہ پہلی دعوت تھی۔ "دو جنوبی عرب میں اشاعت بائبل کے لئے دعا۔"

ہم سچے دل سے خداوند کے حضور میں نہایت عجز و انکسار سے اس ملک کے لوگوں کے لئے دعا مانگتے ہیں۔ کہ وہ یہاں بائبل کی اشاعت کا دروازہ کھول دے۔ اور ہمارے دلوں کو اس کام کے لئے تیار کر دے۔ ہم یقین واثق رکھتے ہیں۔ کہ ہر عیسائی منگل کے دن اس غرض کے لئے دعا مانگا کرے گا۔" ہم ہیں آپ کے صادق۔ ایف آئی۔ بارپر۔ ایم بی۔ سٹیرن وغیرہ وغیرہ۔

جب چرچ مشنری سوسائٹی کا کام جدیدہ میں بند ہوگیا۔ اُس وقت عرب کے انتہائی شمال مشرقی کونہ میں خلفاء کے شہر بغداد میں زور شور سے جاری ہوگیا۔ ڈاکٹر بروس کی سفارش پر ۱۸۸۲ء میں بغداد اور ایرانی مشن کا کوارٹر مقرر کیا گیا۔ ریورنیڈ ٹی۔ آر۔ ہاجنس وہاں کا پہلا مشنری تھا۔ اور بعد ازاں وہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی ملازمت میں داخل ہوگیا۔ اور اس سوسائٹی کے کام کو خلیج فارس میں خوب چمکایا۔ اُس کے بعد ڈاکٹر ہنری مارٹن سٹن اور دوسرے آئے۔ مشن کے راستے میں ترکی حکام سخت مشکلات پیدا کر دیتے تھے۔ اور جو شخص عیسائی مذہب اختیار کرتے تھے۔ وہ بھاگنے پر مجبور ہوتے تھے۔ مشنری شفاخانہ کا مضافات میں خوب گہرا اثر پڑ رہا ہے۔ اور جو سکول ابھی ابھی جاری کیا گیا ہے۔ وہ روبہ ترقی ہے۔ موصل میں امریکن پریسبیٹرین مشن قائم ہے وہاں کا ایک مشنری کہتا تھا۔ "ہم اس تاک میں ہیں۔ کہ موقع ملے۔ تو وسط عرب میں داخل ہوں۔ جہاں نجد پر ایک خود مختار امیر حکمران ہے۔ اور اُس کے علاقہ میں سے ہو کر حاجیوں کا راستہ گذرتا ہے۔"

۱۸۵۶ء میں ریورنیڈ۔ اے۔ سٹرن نے صنعا۔ بغداد و عرب کے دوسرے حصص میں سفر کیا۔ اور یہودیوں میں انجیل کی اشاعت کی کوشش کی۔ یوسف ابن کا بیٹا جوسف ولف بھی پھرتا پھراتا یمن اور بغداد کے یہودیوں کے پاس گیا۔ اور انجیل کی منادی کی۔ ۱۸۸۶ء میں مسٹر ولیم لینتھ بالی اپنی صادق رفیق اور ہوا خواہ بیوی کے ساتھ انگلستان سے روانہ ہو کر اور مقاب کے پہاڑوں میں کراک عرب عیسائیوں

انجیل کی منادی کی چند سالوں کے بعد اس پایونیر کا کام چرچ مشنری سوسائٹی نے
اپنے ذمہ لیکر فلسطین مشن کے سپرد کر دیا۔ مسٹر لیتھ بالی نے مشرقی عرب کا سفر کرنے
کے بعد جزیرہ نما کو بحرین کیطرف سے عبور کرنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ اب
وہ لندن کی بائبل سوسائٹی کا مہتمم ہے ۱۸۸۶ء میں نارتھ افریقہ مشن نے شمالی
عرب کے بدو قبائل تک پہنچنے کی کوشش کی۔ ایک نوجوان ڈچ مسٹر سیموئل وان
ناسل ساکن نیو یارک اس مشن کی ہدایت کے مطابق روانہ ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں ایک بدو
سردار کے ساتھ دورہ کیا۔ اس نے خانہ بدوشوں میں بائبل کی اشاعت کرنے کے لئے
بہت سی آسانیاں دیکھیں۔ مگر ترکی حکام نے اس کے کام میں رخنہ ڈالا۔ اور اس کو کام
بند کرنا پڑا۔ تاہم خانہ بدوش عربوں کے متعلق جو تجربہ اس نے حاصل کر لیا۔ وہ آئندہ
زمانہ میں بڑے کام آئے گا۔ داخلے کا دروازہ خود عربوں نے نہیں بند کیا تھا۔ بلکہ ترکوں
نے۔ مسٹر وان ناسل نے عربوں کو بڑا موافق پایا۔ وہ بائبل سننے کے خواہشمند تھے۔
توریت کے تو پہلے ہی شایق تھے۔ اس نے شہریوں جیسا تعصب ان میں نہ دیکھا۔ بلکہ
ان کو ایسا فراخ حوصلہ پایا۔ کہ شیخوں کو یہ کہنے کی جرات کی۔ کہ اتوار کے دن قربانیوں کو لازم
دیا کرو۔ یہاں یہ بتانا دلچسپی کا موجب ہوگا۔ کہ نارتھ افریقہ مشن نے جنرل ہیگ کے کہنے
سے شمالی عرب کیطرف مشنری روانہ کیا تھا۔ اس وقت عرب میں ان کا کوئی مشنری
نہیں۔ مگر ان کی ہر ماہانہ رپورٹ میں یہ درد انگیز الفاظ درج ہوتے ہیں۔ شمالی
عرب میں اسماعیل کی نسل کے بدو آباد ہیں۔ وہ شامیوں کیطرح یا جیسے متعصب
مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صداقت کو حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ مگر افسوس اس
حصہ ملک میں کام کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ۱۸۹۸ء میں نیو یارک کی کرسچن اور مشنری
الائنس نے مسٹر فورڈر کی وساطت سے شمالی عرب کی ضروریات کی طرف توجہ مبذول
کرائی۔ اس نے وسطی ملک میں گھسنے کی کوشش کی۔ مگر ایک حادثہ ایسا واقعہ ہوا کہ
اس کو اپنے ارادہ سے باز رہنا پڑا۔ عرب کے دو پائینیر مشنریوں کی زندگی کا خاکہ کھینچنے سے
پہلے ہم کو اس اپیل پر توجہ کرنی چاہیئے۔ جو اس تاریک جزیرہ نما کے متعلق تاریک
براعظم کے وسط سے موصول ہوئی تھی۔

ہنری مارٹن نے ۱۸۱۱ء میں مسقط سے لکھا۔ وہ قحطان کے فرزندوں کے

لئے وعدہ ہو چکا ہے۔" الگزنڈر میکی نے ۱۸۸۸ء میں یوگنڈا سے لکھا در خدا کرے یہ بات جلد سننے میں آئے۔ کہ آج کے دن سے اس خاندان کی نجات ہو گئی۔ کیونکہ آخر وہ بھی تو ابراہیم کی نسل سے ہے"

میکی نے اپنی وفات سے دو سال پہلے یہ اپیل کی تھی۔ یہ دو وجوہات کے باعث مہتم بالشان منشری یادداشت ہے۔ ایک تو اس سے عیسائیت کی سپرٹ ٹپکتی ہے۔ کہ اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرنی چاہیئے۔ دوسرے اس میں تجارت غلامان کے انسداد کے قرار واقعی تدارک کی عملی تجویز پنہاں ہے۔

میکی نے اپنے مضمون کے ساتھ یہ خط بھی روانہ کیا۔" میں اس معاملہ کے متعلق جو میرے دل ودماغ پر مسلط ہو چکا ہے۔ چند سطور حوالۂ قلم کرتا ہوں۔ اگر آپ نے یہ مضمون ردی کی ٹوکری میں پھینکدیا۔ تو مجھے کوئی رنج نہ ہوگا۔ نسبتاً کوئی اور اسی شرح وبسط سے لکھے۔ اس معاملہ پر توجہ کرنی چاہیئے۔ اور غریب عربوں کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔ میں ان کا ادب کرتا ہوں۔ اگرچہ گذشتہ چند سالوں میں انہوں نے مجھے سخت تکلیف دی ہے۔ اُن کی مخالفت کو موالنست اور اُن کی بُرائی کو نیکی میں بدلنے کا بہترین طریقہ یہی ایک ہے۔ کہ ان کی نجات ابدی کے لئے سر توڑ کوشش کی جائے"

اس مضمون میں میکی افریقہ کی خاطر عرب کی سفارش کرتا ہے۔ اور درخواست کرتا ہے کہ مسقط میں جو در اصل وسطی افریقہ کی کنجی ہے۔ ایک زبردست مشن ضرور قایم ہونی چاہیئے۔

وہ لکھتا ہے" میں اسبات سے انکار نہیں کرتا۔ کہ کام مشکل ہے۔ اور جو لوگ مسقط میں کام کرنے کے لئے منتخب کئے جائیں۔ وہ ایسے ہوں کہ روح القدس کا ان پر فیض ہو۔ اور لیاقت میں بھی ایسے اعلےٰ ہوں کہ ان کی آواز صرف کانوں تک پہونچے بلکہ دل پر اثر کرے"۔ وہ درخواست کرتا ہے۔ کہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں سے نصف درجن آدمی انتخاب کرکے دین کی خدمت کے لئے مختص کر دیئے جائیں۔ وہ اس بات پر اتنا زور اس لئے دیتا ہے کہ اس عربی مشن کا اثر افریقہ پر پڑے گا۔ کیونکہ افریقہ پر عرب تجاروں کا اثر ہے۔ چنانچہ وہ خود اقرار کرتا ہے۔ مسقط میں مشن قایم ہو جانے سے افریقہ کی حالت میں انقلاب عظیم واقع ہو جائے گا۔ عربوں نے اکثر موقعوں پر ہم کو مدد

بھی دی ہے۔ اور عداوت بھی کی ہے۔ لہٰذا ہم اُن کے ڈبل مشکور ہیں۔ اور اس شکریہ کا اظہار اسی طرح کر سکتے ہیں کہ مسقط میں ایک مشن قائم کریں " میکی عرب اور مسلمانوں میں مشنری کام کی مشکلات سے بے خبر نہ تھا۔ وہ اس کام کو "عظیم الشان تجویز" اور عرب کو گہوارہ اسلام کرکے بلاتا ہے۔ مگر اُس کو اپنی بات پر ایسا یقین تھا۔ کہ اُس نے اپنے مضمون کے شروع میں وہ رزلیوشن نقل کیا۔ جو یکم مئی ۱۸۸۸ء کو چرچ مشنری سوسائٹی نے مسلمانوں پر مشنری بھیجنے کے متعلق پاس کیا تھا۔

میکی کی اپیل کا ایسا گہرا اثر پڑا۔ کہ تقدس مآب بشپ فرینچ نے اس کام کا بیڑا اوٹھایا۔ اور مسقط میں اپنی جان روح القدس پر تصدق کردی۔ اس کی زندگی کے حالات دل پر اثر کرنے والے ہیں۔

اکتیسواں باب

این کیتھ فالکنر اور عدن مشن

این کیتھ فالکنر اور ٹامس ویلپی فرینچ نے محنت و مشقت کے ایک زمانہ کے بعد مسیح کے نام پر اپنی جانیں اس ملک کے نذر کیں۔ جس کو وہ دل سے چاہتے تھے کیتھ فالکنر تیس سال کی عمر میں صرف دس سال عرب کی سرزمین پر رہنے کے بعد فوت ہوگیا بشپ فرینچ چھیاسٹھ سال کی عمر کا تھا جب وہ مسقط میں پہنچا۔ اور صرف تین ہفتے دن رہنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ مگر دونوں دنیا کے بہادروں میں اپنا نام چھوڑ گئے۔ اونہوں نے مسیح کے نام پر اپنی جانیں قربان کردیں۔ اور آنے والی نسلوں کے لئے ایک نظیر قائم کردی۔ این گرانٹ نیول کیتھ فالکنر ارل آف کنٹور کا تیسرا فرزند تھا۔ ۵ رجولائی ۱۸۵۶ء کو سکاٹ لینڈ میں بمقام ایڈن برگ پیدا ہوا تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں وہ ہارو کیطرف ایک وظیفہ کے لئے امتحان مقابلہ دینے کے لئے گیا۔ اور کامیاب ہوا۔ دل میں یہ ارمان کہ دوسروں پر سبقت حاصل کرے۔ اور طبیعت ایسی مہربان کہ جن پر سبقت حاصل کی اُن سے محبت پیدا کی۔ مردانہ اوصاف۔ بلند حوصلگی۔ رحم دلی۔ اور ایثار نفس یہ

کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ وہ کھیلوں کا بڑا شوقین تھا۔ ورزش کے میدان میں تعلیم کے
میدان کیطرح بازی لے جاتا۔ بیس سال کی عمر میں وہ لندن بائیسکل کلب کا پریذیڈنٹ
اور بائیس سال کی عمر میں برطانیہ اعظم کا جنگی پہلوان تھا۔ جب وہ سکول میں پڑھتا تھا
اُس زمانہ میں اُس نے ایک خط لکھا تھا۔ ہم یہاں اُس خط کا ایک فقرہ نقل کرتے ہیں۔
اس سے ثابت ہو جائے گا کہ لڑکپن میں وہ کونسا پروفیشن اختیار کرنے کا خیال رکھتا تھا
یہ خط ۱ جولائی ۱۸۷۶ء کا ہے "× × × × × × کارننگٹن نے مجھے کل ایک کتاب بھیجی اور جو
میں نے پڑھی × × × × × × اس میں ایک شخص کا حال مندرج ہے۔ جس نے لندن میں ہیضہ
کی بیماری میں اس قدر سخت کام کیا۔ کہ خود بیمار ہو گیا۔ اور آخر اس دنیا سے چل دیا۔ مگر ہر
صفحہ میں یسوع مسیح کا ذکر آتا ہے۔ اس لئے میں اس کو بڑا پسند کرتا ہوں۔ اور میں مشن
سے بہت خوش ہوں۔ کیونکہ اُس نے اپنی زندگی خداوند کے نام پر وقف کر دی ہے
اور سب کچھ اُس کے نام پر قربان کر دیا ہے۔ میں بھی ایسا ہی کروں گا۔ مگر کس طرح۔ ابھی
میں اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا" اسی سال وہ ہارو سے روانہ ہوا۔ اور پورے
ایک سال ایک اُستاد سے ریاضی کی تعلیم پا کر کیمبرج میں داخل ہوا۔ پہلے تو اس کا ارادہ
تھا کہ ریاضی میں مقابلہ کر کے شہرت حاصل کرے۔ مگر غور و خوض کرنے کے بعد اُس نے
یہ ارادہ ترک کر دیا۔ کالج کی زندگی میں اُس نے بائیسکل اور مختصر نویسی میں بڑا نام پایا۔ مختصر
نویسی پر اُس نے انسائیکلوپیڈیا برٹینکا میں مضمون لکھا۔ وہ بڑا ذہین اور باشعور نوجوان تھا
عبرانی زبان میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اُس نے اس زبان میں اپنے پروفیسر کو ہر مضمون
میں پوسٹ کارڈ لکھا۔ اُس نے سیمٹک زبانوں کے امتحان میں کیمبرج یونیورسٹی
سے اعزاز حاصل کئے۔ مگر اپنی تعلیم کے دوران میں وہ ایک راسخ الاعتقاد عیسائی
رہا۔ اور مشنری سپرٹ سے اُس کا دل معمور رہا۔ اُس نے اپنے دوست سٹالیف ہارنگ
کے ساتھ مل کر غریبوں اور مسکینوں کی حالت سنوارنے کی کوشش کی۔ لندن اور
مائل اینڈ روڈ کے مزدور ابھی تک اُس کو نیکی سے یاد کرتے ہیں۔ یہاں اُس کی توجہ دور
دور ممالک کیطرف مبذول رہی۔ سینٹی گرین سے اُس نے ایک خط مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۸۱ء
میں لکھا۔ "جب ہم بڑے نام عیسائیوں کی بے پروائی پر خیال کرتے ہیں۔ تو زیادہ جدوجہد
کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔"

وہ جو شخص اپنی ذات کا خیال رکھے۔ اور دوسروں کے لئے کچھ نہ کرے جب مرگ کے کنارے پر پہونچکر اپنی گذری ہوئی زندگی پر نظر ڈالے گا۔ تو اُسے دست تاسف ملنا ہوگا۔ عام مرکز خود غرضی و نفسانیت ہے۔ خاص مرکز خدا ہے۔ اور جو شخص خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زندگی بسر کرے گا۔ بڑی فائدہ میں رہیگا۔

کیمبرج یونیورسٹی میں اخیری امتحان دیکر اُس نے اپنی ساری توجہ عربی زبان کی تحصیل کیطرف مبذول کی۔ وہ خود عربی زبان بالکل نہیں جانتا تھا۔ مگر اس کے سیکھنے کا شائق تھا۔ اکتوبر ۱۸۸۱ء میں وہ لیپزگ کی طرف گیا۔ اور وہاں سے اسیوط کی طرف روانہ ہوا۔ یہ مشرقی زبانوں کا عالم ایک عرب کے ڈھانچ میں ڈھل رہا تھا۔ اور عرب لوگوں سے اُس کی محبت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ چند ماہ کے قیام کے بعد اُس نے اسیوط سے لکھا "میں صحرا میں شتر سواری کی فکر کر رہا ہوں۔ گدھے پر سوار ہو کر میں یہاں سے لکسر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اور لکسر سے سانڈنی پر سوار ہو کر سویز کیطرف جاؤں گا۔ میں اس سفر میں دو چیزیں یعنی عربی اور سائیکل سیکھوں گا۔"

تاہم فالکنر کو تپ چڑھ گیا۔ اور انگلستان کیطرف واپس لوٹ آیا۔ وہاں بھی وہ عربی زبان کے مطالعہ میں مصروف رہا۔ اور "مقامات" اور "حریری" سی مشکل کتابوں کو پڑھتا رہا۔ وہ کہا کرتا تھا "میں مرتے دم تک عربی پڑھتا رہوں گا۔"

ماہ مارچ ۱۸۸۴ء میں اُس نے مس گنڈلین بیول سے شادی کی۔ میاں بیوی اٹلی کی سیاحت کو گئے۔ اور پھر کیمبرج میں رہائش پذیر ہوئے۔ جہاں فالکنر لیکچر دیتا رہا اور اپنے مطالعہ میں مصروف رہا۔ ۱۸۸۵ء کی موسم بہار میں اُسنے کلیلہ دمنہ کا شامی زبان سے ترجمہ کیا۔ اور اپنی طرف سے ایسے حاشیے چڑھائے کہ اپنی علمیت اور قابلیت کا سکہ جما دیا۔

۱۸۸۴ء میں اُس نے پہلے پہل فارن مشن کا خیال کیا۔ مگر اپنی جد و جہد کے لئے کوئی خاص میدان انتخاب نہ کیا۔ جنرل ہیگ نے عرب کے متعلق جو مضامین لکھے تھے۔ وہ کچھ فالکنر کی نظر سے گذرے۔ پس اُس کو عرب کو عیسائی بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اور دل و جان سے اپنے اس خیال پر قائم ہو گیا۔ اُس نے جنرل ہیگ سے ملاقات کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ ۱۰ فروری ۱۸۸۵ء کو اُس نے جنرل ہیگ سے عدن اور عرب کے متعلق

گفتگو کی۔ اُس نے خود عدن جا کر صورت حال کا بچشم خود ملاحظہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اُس نے صرف دو باتوں پر غور کیا۔ ایک تو یہ کہ اُس جگہہ کی آب و ہوا کیسی ہے۔ دوسرے یہ کہ آیا اُسے بطور خود آزاد ہو کر جانا چاہیئے۔ یا کسی سوسائٹی سے متعلق ہو کر۔ وہ بچپن سے ہی فری چرچ آف سکاٹ لینڈ کا قائل تھا۔ وہ اس چرچ کی فارن مشن کمیٹی سے ملاقی ہوا۔ اور کمیٹی نے اُس کی تجاویز سے اتفاق کیا۔ ۷ اکتوبر کو بنی نوجوان بیوی کے ساتھ روانہ ہو کر وہ ۲۸ اکتوبر کو عدن پہونچ گیا۔ وہ ۱۵ اگلے موسم بہار کی مارچ تک وہاں رہے۔ جنوبی عرب کے متعلق اس پائونیر کی پہلی مشنری رپورٹ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس میدان کے متعلق اس کی کیا رائے تھی۔ اور اُس نے اپنی جدوجہد کا مرکز عدن کی بجائے شیخ عثمان کیوں بنایا۔ اس رپورٹ سے اون تجاویز کا علم بھی ہو جاتا ہے۔ جو اُس نے عرب کو عیسائی بنانے کے لئے سوچ رکھی تھیں۔ مندرجہ ذیل اقتباسات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

"عدن کی آبادی ان لوگوں پر مشتمل ہے۔ (۱) عرب۔ جو سب مسلمان ہیں اور شافعی فرقے کے سنی ہیں۔ (۲) افریقن۔ جو زیادہ تر سومالی اور شافعی فرقے کے ہیں۔ (۳) یہودی (۴) پارسی اور گوا کے چند پرتگیز ۱۸۳۹ء میں پانچ عربوں پیچھے تین سے کم سومالی تھے مگر بنتا ہے۔ اب وہ تعداد میں عربوں کے برابر ہیں۔ عرب اور سومالی کل آبادی [illegible] ہیں۔ ۱۸۳۹ء میں یہودی ۱۴۳۵ تھے۔ اب ۳۰۰۰ کے قریب ہیں۔ یورپین اور شاگرد پیشہ ۳۵۰۰ کے قریب ہیں۔ عدن کی آب و ہوا اچھی ہے۔ یہاں کا سرجن جسکو یہاں کا پانچ سال کا تجربہ ہے کہتا ہے۔ مشنریوں کو یہاں کی آب و ہوا سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ موسم گرما میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ مگر صحت کے لئے مضر نہیں۔ عدن بلحاظ انگریزی مقبوضہ اپنی جغرافی پوزیشن۔ اندرونی علاقوں سے اس کے پولیٹیکل تعلقات۔ یمن سے اس کی تجارت۔ اُس کی صحت بخش آب و ہوا۔ عرب اور سومالیوں کی آبادی کے عرب اور افریقہ کے مسلمانوں میں عیسائی مذہب کی اشاعت کرنے کے لئے بہترین مشنری مرکز ہو سکتا ہے۔" دوسرا سوال یہ ہے کہ کام کہاں اور کس طرح شروع کیا جائے میری اپنی رائے تو یہ ہے کہ شیخ عثمان میں ایک سکول۔ یتیموں کے لئے صنعت و حرفت کا مدرسہ۔ اور میڈیکل مشن قائم کیا جائے۔ جوانوں کی نسبت بچے بہت ہی

ہیں۔ شیخ عثمان میں میڈیکل مشن قایم کرنے کا بڑا فائدہ ہوا۔ اور اسکا اثر وسطی ملک تک
پہونچیگا۔ عدن میں کئی ایسے سومالی بچے ہیں کہ ان کے والدین اُن کو دو مہینوں
کے لئے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ یہ بچے اور یتیم بہ آسانی تمام عیسائی بنائے جا سکتے ہیں۔ ان
بچوں کو دستکاری سیکھانا ضروری ہوگا۔ اس غرض کے لئے ہم انگلستان یا ہندوستان
سے کاریگر منگا سکتے ہیں۔ مگر اس سکول کی بڑی غرض اُن کو ہاسپٹل کی تعلیم دینی اور ڈاکٹری
سکھانی ہوگی۔ معمولی جراحی اور ڈاکٹری کے علم سے وہ اپنی روزی کے کئی راستے نکال
لیں گے۔ سکول میں عربی زبان کی انجیل۔ اور دیگر عیسوی کتب۔ ریاضی۔ اور لکھنا سب کو سکھایا
جائے گا۔ مگر جو لڑکے ذہین اور ہوشیار ہوں گے اُن کو انگریزی۔ تاریخ جغرافیہ
الجبرا۔ اقلیدس اور نیچرل سائنس بھی پڑھائی جائے گی۔ شام یا مصر کا کوئی دیسی
ماسٹر بڑا کارآمد ہوگا۔ اور میرا خیال ہے کہ پہلا ماسٹر ضرور ان ملکوں کا ہی کوئی دیسی
ہونا چاہیئے۔ مگر اندرونی ملک میں بھی یہ خبر عام ہو جائے کہ شیخ عثمان میں ایک ڈاکٹر اور
جراح رہتا ہے۔ تو وہ سارے لوگ بغرض علاج جو عدن کیطرف آتے ہیں۔ ہمارے
ہسپتال میں آئیں گے۔ اسکا اثر صرف گردو نواح پر ہی نہیں پڑے گا۔ بلکہ افریقہ بھی
اس کے اثر میں آجائے گا۔ مشنری ڈاکٹر بڑا لائق اور تجربہ کار ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عرب
لوگ اُسی وقت ہسپتالوں کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ جب اُن کی بیماری خطرناک
درجہ پر پہنچ جائے۔ عدن کے سرجن نے یہ بات مجھے بہت دفعہ سمجھائی ہے یہاں
یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ جو بیمار شیخ عثمان میں دیسی اسسٹنٹ سرجن کے پاس
آتے ہیں۔ اگر ان کو اس کے ہاتھ سے شفا نہ ہو تو وہ عدن کیطرف نہیں آتے بلکہ
سیدھے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ مدرسہ کس باغ میں ہونا چاہیئے اس سے
ایک تو یہ خوش نما معلوم ہوگا۔ دوسرے بچوں کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔ اور یہ
بات شیخ عثمان میں حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں پانی کی کثرت ہے اور زمین بھی زرخیز
ہے۔ مگر عدن میں تو جدھر نظر کرو۔ ویرانی اور سنسانی برس رہی ہے۔ شیخ عثمان کو عدن
پر ترجیح دینے کے میرے پاس یہ دلائل ہیں (۱) ہم کو یہاں گورنمنٹ کے مدارس
سے مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ گورنمنٹ شیخ عثمان میں شفاخانہ بنانے سے سبکدوش
ہو جائے گی (۲) عدن کی نسبت آب و ہوا صحت بخش اور خوشگوار ہے (۳) پانی

کی کثرت ہے۔ اور زمین قابل کاشت ہے۔ چند پرائیویٹ باغات کے سوا یہاں کوئی سرکاری باغ نہیں۔ (۴) عدن میں موزوں جگہ کا ملنا مشکل ہے۔ مگر شیخ عثمان میں عام جگہ ہے۔ عمارتوں کے سوا وہ باغوں کے لئے بھی اچھی جگہ مل سکتی ہے۔ (۵) شیخ عثمان اندرونی سڑک سے بفاصلہ میل ہے۔ اور قبائل سے نزدیک ہے۔ اور یہاں اون ہزاروں یورپینوں کا وجود بھی نہیں۔ جو اپنی ہستی اور موجودگی سے عیسائیت کا نام بدنام کرتے ہیں۔ مگر عثمان کی آبادی بہت کم ہے۔ یعنی کل ۵۰۰۰ نفوس کی ہے اور یہ بھی مستقل ہیں۔ صرف ۱۵۰۰ آدمی مستقل رہائش رکھتے ہیں۔ مگر یہ اعتراض عدن پر بھی عاید ہو سکتا ہے۔

اس رپورٹ کے دوسرے حصہ میں اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ مشنری کام کا مرکز عدن ہونا چاہیئے۔ وہ لکھتا ہے "یمن کے تمام حصوں کی پیداوار لے کر اڑھائی لاکھ اونٹوں سے زیادہ ہر سال آتے اور جاتے ہیں۔ یہ اونٹ زیادہ تر شیخ عثمان کے راستہ گذرتے ہیں۔ اور وہاں چند گھنٹے قیام بھی کرتے ہیں۔" یہ شخص جو عدن اور اس کے مضافات سے واقف ہے۔ اور جس نے کیتھ فالکنر کے خطوط پڑھے ہیں۔ اس امر کی شہادت دے گا۔ کہ شروع ہی سے وہ اندرونی علاقہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس غرض کے لئے شیخ عثمان کو اس نے قاعدہ قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنی رپورٹ کے زمانہ میں ہی ایک خط جنرل ہیگ کے نام لکھا جو یہ ہے "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میرے لئے موزوں جگہ شیخ عثمان ہے نہ کہ عدن۔ عدن چرچ مشنری سوسائٹی کے لئے کھلا رہے گا۔ عدن میں شفاخانہ تو چنداں مفید ثابت نہ ہو گا۔ مگر بائبل سوسائٹی اور منادی کرنے کا ہال وہاں ہونا ضروری ہے۔ میں صنعا کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ مگر شاید صنعا تک نہ پہونچ سکوں۔ اب میں اس فکر میں ہوں کہ اپنی بیوی کو کہاں چھوڑوں۔ اگر مجھے کوئی ایسا ساتھی ملجائے۔ جس کی بیوی ہو۔ تو بڑا آرام ہو جائے جب ہم صنعا کی طرف روانہ ہوں تو ہماری بیویاں اکٹھی رہیں۔ اگر چرچ مشنری سوسائٹی کا کوئی مشنری اسبات پر حامی بھرے۔ تو ہم ایک دوسرے کو قابل قدر مدد دے سکیں گے"

ماہ فروری ۱۸۸۶ء میں کیتھ فالکنر ایک سکاچ نومی ڈاکٹر کے ساتھ شیخ کی طرف گیا۔ شیخ شیخ عثمان کے پرے اچھا قریہ ہے۔ نخلستان کے درمیان واقع اور اس وقت اوسیہ

ایک خود مختار سلطان حکمران تھا۔ مارچ میں فارغ ہو کر وہ انگلستان کی طرف آیا۔ آرام
نے کے لئے نہیں۔ بلکہ عرب کے متعلق آخری کوشش کی منادی کیلوا سکے۔ ماہ مئی
میں اس نے محمڈن ازم اور مسلمانوں کی طرف مشن بھیجنے کی ضرورت پر لیکچر دیا۔ عدن میں
کام شروع کرنے کے لئے ایک اور مشنری ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔ اگرچہ مطلوبہ آدمی
دستیاب نہ ہوا۔ مگر کیتھ فالکنر نے اس نئے مشنری کی تنخواہ کے لئے ۳۰۰ پونڈ سالانہ
چرچ کو دینے کا وعدہ کیا۔ اس نے اپنی اور اپنی بیوی کی خدمات مفت نذر کیں۔ اور مشن
ہوس کے اخراجات بھی اپنے ذمہ لئے۔ اس نے مسیح کے نام پر نہ صرف اپنا دل و دماغ بلکہ
دین دولت بھی قربان کر دی۔ اور در اصل ایک آنریری مشنری تھا۔ انگلستان سے عرب
کی طرف واپس جانے کے درمیانی زمانہ میں کئی واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ مگر یہاں چند کا بیان
کیا جاتا ہے۔ اس کو کیمبرج میں عربک پروفیسر کی جگہ آفر کی گئی۔ جس کو اس نے منظور
کر لیا۔ اس نے لیکچر دینے کے لئے تک کا حج کا مضمون انتخاب کیا۔ اس مضمون کو سمجھنے کے
لئے اس نے کئی زبانوں کی کتابیں مطالعہ کیں۔ ڈچ زبان کی ایک کتاب کو اچھی طرح سمجھو
کے لئے اس نے ڈچ گرامر کا بھی مطالعہ کیا۔ وہ عرب کی طرف ساتھ لیجانے کو ڈاکٹر کے
لئے ہسپتالوں میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس نے اپنی لائبریری اور سامان کو عدن لیجانے کا فیصلہ
کیا۔ اس نے کیمبرج میں ینگ مین کرسچین ایسوسی ایشن سا سنگ کلب کے مقابلہ
میں ناچ کا کام کیا۔ اور ڈاکٹر سٹیوارٹ کوزن کو ملنے گلاسگو کی طرف گیا۔ یہ ڈاکٹر اس کے
ساتھ جانے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

اس نے بائبل اینڈ کی مشن کے نام اپنی زندگی کا بیمہ کرانا چاہا۔ بیمہ کے دفتر نے اس کی
صحت کو اعلےٰ درجہ کی قرار دیا۔ مگر جب انہوں نے سنا کہ یہ فلاں جگہ پر سکونت اختیار
کرے گا۔ انہوں نے بیمہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اسکاٹ لینڈ میں پھر ایڈریس
دیئے۔ اور روانگی سے کچھ عرصہ پہلے کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچروں کا سلسلہ
شروع کیا۔

اس شخص نے جو ناممکن کو جانتا ہی نہ تھا اس سارے کام کو چھ ماہ میں ختم کیا
اس کے کام کی عمدگی کا پتہ اس کے لیکچروں اور انسائیکلوپیڈیا کے مضامین سے
بخوبی لگ سکتا ہے۔ اس کے گلاسگو کے ایڈریس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"ہمارا محکمہ جنگ تو بڑا وسیع ہے۔ مگر فوج بہت تھوڑی ہے۔ بڑے بڑے وسیع براعظم تاریکی کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں۔ کروڑہا بندگان خدا اسلام کی تعلیم سے ستیاناس ہو رہے ہیں۔ اسکا بار آپ پر ہے۔ کہ ان لوگوں کو جہنم کی آگ سے نکالیں۔ وگرنہ خدا کے سامنے شرمسار ہونا پڑے گا۔"

ڈاکٹر کوزن ۷ دسمبر ۱۸۸۶ء میں عدن پہونچ گیا کیتھ فالکنر ایک دن پیچھے پہونچا اُس نے ایک خط میں لکھا۔ "ہم جہاز پر بیٹھے۔ مگر قرنطینہ کے سبب ساحل پر نہ جا سکے ہیں اون پہاڑیوں کو جو مکہ کو ہماری نظروں سے چھپائے ہوئے تھیں۔ دیکھتا رہا۔"

کیتھ فالکنر کی بیوی پندرہ روز بعد پہونچی۔ مگر نئے مشنریوں کو شروع شروع میں مناسب مکان نہ ملنے سے سخت تکلیف ہوئی۔ اون کا خیال تھا کہ مشن ہوس کے مکمل ہونے تک ایک پتھر کا مکان کرایہ پر لے لیں گے۔ مگر نہ مل سکا۔ بہزار دقت اونہوں نے ایک بڑا جھونپڑا جو ۴۰ فٹ لمبا تھا۔ لیا۔ اور اُس میں کچھ ترمیمیں کر کے اُس کو اپنے ڈھنگ کا بنا لیا۔ کیتھ فالکنر نے ایک شیڈ بنایا جو شفاخانہ کا کام دیتا تھا۔ ۱۷ جنوری کو اُس نے لکھا۔ "ہمارے عارضی مکان اچھے آرام دہ ہیں۔ کتابیں اُن میں نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔" ایک مدت تک کام بخوبی سرانجام پاتا رہا۔ اور مشن ہوس کو شروع کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اردگرد کے علاقہ میں انجیل کی منادی کیگئی۔ مگر بعض متعلقہ آدمی بستر بیماری پر ہی لیٹے رہے۔

۱۸۸۷ء کے ماہ فروری کے آغاز میں جنرل ہیگ مین کے دورہ سے واپس آیا تو ان مشنریوں کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ مگر جلد ہی رنج واندوہ کا زمانہ آ گیا ۱۵۔ فروری کو اندرونی علاقہ کے دورہ سے واپس آکر کیتھ فالکنر کو سخت بخار چڑھ گیا۔ تین دن تک بخار کا زور رہا۔ اُس کے بعد کم ہو گیا۔ مگر بالکل نہ اترا۔ مسز کیتھ فالکنر بھی بخار میں مبتلا ہو گئی۔ اور یہ دونوں میاں بیوی تبدیل آب وہوا کے لئے تین ہفتوں کے لئے سٹیمر پا منٹ کیلنرٹ آ رہے۔ تین ہفتے گذرنے کے بعد وہ شیخ عثمان واپس چلے گئے۔ یکم مئی کو کیتھ فالکنر نے اپنی ماں کو لکھا "آپ کو یہ سنکر رنج ہو گا۔ کہ میں پھر بخار میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اور یہ ساتویں دفعہ ہے۔ کہ بخار نے

مجھ پر حملہ کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جس مکان میں ہم رہتے ہیں وہ بہت خراب ہے۔ امید ہے کہ نئے مکان یکم جون تک تیار ہو جائیں گے۔ اور ہم ان میں چلے جاویں گے۔" مگر یہ خط ابھی راستہ ہی میں تھا۔ کہ اُس کی ماں کو تار پہنچا کہ تمہارا بیٹا خداوند کے پاس چلا گیا ہے۔ ۱۵ مئی منگل کے دن وہ بیکلی کی راتوں کے بعد اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ وہ سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ اور اُس کی نصف آنکھیں کھلی تھیں۔ اُس کو دیکھکر گمان ہوتا تھا۔ کہ بڑے مزے سے گہری نیند سو رہا ہوا ہے۔ دوسرے دن کی شام کو اُسے عدن کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ انگریزی افسروں اور سپاہیوں نے اس مسیحی سپاہی کے جنازے کی بڑی عزت و تکریم کی۔ عدن کا شہید شہدا کے ابدا میں داخل ہو گیا۔ کیتھ فالکنر بہت عرصہ زندہ نہ رہا۔ مگر وہ اپنا ارادہ لے کو درجہ تکمیل پر پہونچا گیا۔ یعنی عرب کی طرف توجہ مبذول کرا گیا۔ کرنے والے مر گئے۔ مگر کام بند نہ ہوا۔ فری چرچ نے اُس کی جگہ والینٹر بالگا۔ نیو کالج کے ایک تھوڑے عرصہ کے کچھ طلبوں نے اپنے آپ کو آفر کیا۔ کیتھ فالکنر کے سپرٹ نے دس ہزار آدمیوں کو ممالک غیر کی طرف مشن بھیجنے پر متوجہ کر دیا ہے۔ عدن میں اُس کی قبر پر یہ کتبہ کندہ ہے۔ آنریبل کیتھ فالکنر نواب اور نواب بیگم کنتور کا تیسرے دلبند کی یادداشت میں جو ۱۰ مئی ۱۸۸۷ء کو تیس سال کی عمر میں شیخ عثمان میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔"

کیتھ فالکنر کی بزرگی اور تقدس کا اثر اُس کی وفات کے وقت پر لوگوں پر پڑا اور اب تک وہ اثر قائم ہے۔ اس کی سوانح عمری ایک مشنری کا کام ہو گیا ہے۔ اور اب تک اُس کے چھ ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ کافری کے سکاچ چرچ نے ۱۸۸۷ء اکتوبر میں یہ رزولیوشن پاس کیا۔ کہ دیسی لوگوں کو ایثار نفس کی زندہ مثال بنانے کے لیے مرحوم آنریبل این کیتھ فالکنر کے حالات زندگی کافری زبان میں چھاپ کر لوگوں میں تقسیم کئے جائیں۔ شیخ عثمان کی مشن بدستور قائم رہی۔ کیتھ فالکنر اور اُس کی بیوہ کی فیاضی سے دو مشنریوں کا وظیفہ مل گیا۔

ڈاکٹر کوون انگلستان کیطرف واپس آیا۔ مگر ریورنڈ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو۔ گاڈنر اور ڈاکٹر الکزنڈر پیٹرسن مرد میدان بن کر آگے ہوئے۔ مسٹر متھیو لوچ بینک کچھ عرصہ تک اُن کے ساتھ رہا۔ آزاد کئے ہوئے غلاموں کے لئے ایک سکول

جاری کیا گیا۔ اگر بچوں کی صحت خراب ہوجانے کیوجہ سے مدرسہ لیوویڈیل واقعہ افریقہ میں منتقل کردیا گیا۔

۱۸۹۳ء میں ریورینڈ جے۔ سی۔ ینگ۔ ایم۔ ڈی۔ ریورینڈ مسٹر گارڈنر کی مدد کے لئے بھیجا گیا۔ ڈاکٹر پیٹرسن اور مسٹر لوچ ہیڈ کے بوجہ خرابی صحت چلے آنے سے وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں ریورینڈ گارڈنر اور اُس کی بیوی کیطرف چلے گئے اگلے سال ڈاکٹر ڈبلیو ڈی ملر اور اُس کی بیوی ڈاکٹر ینگ کی مدد کو پہونچ گئے ۱۸۹۶ء میں مسٹر ملر فوت ہوگئی۔ اور مسٹر ملر انگلستان کیطرف واپس چلا آیا۔ اسوقت مشن سٹاف میں ریورینڈ ڈاکٹر ینگ اور ڈاکٹر ماسورس ہیں۔ موخرالذکر ۱۸۹۸ء میں آیا تھا۔

ان متواتر تبدیلیوں کے باوجود کیتھ فالکنر کی مشن بند نہیں ہوئی۔ اور ایک مشنری نے عرب کے مسلمانوں کا تعصب کم کرنے میں بیش از بیش جد و جہد کی ہے۔ عدن کے مضافات میں اندرونی علاقہ میں کئی دوست کئے گئے ہیں۔ شیخ عثمان کا مشنری ہسپتال سینکڑوں میلوں تک مشہور ہے۔ ہم اسبات کا نہایت افسوس کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ کہ کیتھ فالکنر کی سنعا جانے کی خواہش کو ابھی تک مشن کیطرف سے پورا نہیں کیا گیا۔ لڑکوں کے لئے ایک سکول قایم کیا گیا ہے اور ۱۸۹۹ء میں ۱۷۰۸۰ مریض مشن ہسپتال میں بغرض علاج آئے۔

بتیسواں باب
بشپ فرنچ

اگر کیتھ فالکنر کی زندگی اور موت نے عدن کی مشن سے محبت پیدا کردی تھی۔ تھامس ویلپی فرنچ کی موت نے مسقط کیطرف توجہ منعطف کرادی۔ بشپ فرنچ نے مشن کی چالیس سالہ خدمات کے بعد عمان میں اسلام کے ناقابل تسخیر قلعہ پر حملہ کرنے کی ٹھانی تھی۔ مہم بھاری تھی۔ اور وہ اکیلا تھا۔ اُن شاک اُس کے متعلق ہے "وہ مشنری سوسائٹی کے مشنریوں کا سرتاج تھا"۔

اس نے ابتدائی زمانہ مشن میں پہلے آگرہ کالج کی بنیاد رکھی۔ غدر کے دنوں میں دلیسی عیسائیوں کی مردانہ وار حفاظت کی۔ ڈیرہ جات میں کئی خدمات جلیلہ سرانجام دیں لاہور میں سینٹ جان ڈوینٹی سکول قائم کیا۔ مسلمانوں میں انجیل کی منادی کی۔ اور انکے کئی بحث مباحثے کئے۔ اور لاہور کے بشپ ہونے کی حیثیت میں وہ وہ کام کئے جنہوں نے اسکا نام چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔

مگر ہم یہاں صرف اس کی پچھلی عمر کے کارنامے حوالۂ قلم کریں گے۔ چالیس سال کی خدمات جلیلہ کے بعد اس نے بشپ کے عہدہ سے استعفا دیدیا تاکہ عربی بولنے والے ممالک میں سیاحت کرے۔ اور عربی زبان میں مہارت حاصل کرے۔ اس نے بیت المقدس۔ آرمینیا۔ بغداد اور بیروت کی سیاحت کی۔ عربی زبان کی لیاقت بڑھائی اور مسلمانوں پر مسیحیت کی صداقت ظاہر کی۔ وہ بقول شخصے ایک عیسائی فقیر تھا۔ کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے خداوند کی یاد میں محو رہتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ مسقط کی بشپ کی توجہ لوگنڈ کے پادری میکی نے مبذول کرائی تھی۔ ایسے بزرگ پادری کے الفاظ ایک بزرگ بشپ پر اثر ڈالے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔ مگر فرنچ تو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ اور ضعف و ناتوانی نے آن گھیرا ہے مگر اس نے ان باتوں کی کاہ بھر بھی پرواہ کی۔ اور اپنی زندگی مسلمانوں کی خاطر قربان کر دینے کی ٹھان لی۔ وہ عربوں میں منادی کرنے کا از بس خواہاں تھا۔ وہ بطور خود اس کام کا بیڑا اٹھانے پر تیار تھا۔ اور اس کا خیال تھا۔ اس کے کام جاری کر دینے سے اسکا ذمہ چرچ مشنری سوسائٹی اپنے اوپر لے گی۔ اس شیر دل بوڑھے کا کیرکٹر کس غضب کا تھا۔ کہ سفید بالوں کے ساتھ پادری میکی کی اپیل پر کہ انگریزی یونیورسٹی کے نصف درجن لائق آدمی درکار ہوں گے۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک شخص بوڑھے کا دوست کئی سال اس کے ساتھ رہا تھا۔ لکھتا ہے: "اس کے ساتھ رہنا گویا روح القدس کے فیض سے بہرہ ور ہونا تھا۔ اس کی صحبت میں بیٹھنا گویا تعلیم حاصل کرنا تھا۔ ہندوستان میں آکر صرف اس کی زیارت کرنے سے ہی سیاحت کا سارا حق ادا ہو جاتا تھا!"

پنجاب چرچ مشنری سوسائٹی کے پادری رابرٹ کلارک ارقام کرتا ہے کہ جب اس نے پہلے آگرہ میں کام کرنا شروع کیا تو سٹوڈنٹ فی یوم کرتا تھا۔ وہ مدرسے میں

تعلیم دیتا۔ بازاروں میں وعظ کرتا۔ طلبا کو اصطباغ کا سبق دیتا۔ وہ ایسے اشخاص کو جو مسلہ اصطباغ پر سوال و جواب کر سکیں تیار کرتا۔ کتابوں کی تصنیف میں مشغول رہتا اور ساتھ ہی اس کے منشیوں سے عربی۔ فارسی۔ اردو۔ سنسکرت۔ اور سندی سیکھتا بہت ہی تھوڑے آدمی اس اعلےٰ مرتبہ کو پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ بہت کم مثالیں نظر آتی ہیں۔ کہ اس لحاظ سے اُس کے قدم بقدم اچھی خوبی سے چل سکیں سب اشخاص کلارک جی آس مشقت کی جو وہ اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں اُٹھاتا تقلید کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی رخصت کے ایام سفر اور دیا میں وعظ کرنے میں گذار دیتا اور اس طرح ثابت کرتا کہ فرصت کا کس طرح نہایت کار آمد طریقہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

وہ معمولی سی معمولی سواری رکھنے سے انکار کر دیتا۔ کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ ہمیشہ پیدل ہی چلنا چاہیئے۔ سوائے نہایت معمولی اسباب کے وہ اپنے گھر میں رکھنے کے لئے ہر چیز سے انکار کرتا۔ اس طرح اُس نے ہمارے سامنے ایثار نفس کی ایک مثال قائم کی۔ اور ہمیں ظاہر کر دیا ہے۔ کہ اُس کی رائے میں ایک پادری کو دنیا میں کونسا انداز اختیار کرنا چاہیئے۔

صبح کا وقت وہ کا دعا میں صرف کرتا۔ عبرانی بائبل اور گریک ٹسٹامنٹ کو اپنے سامنے رکھتا۔ اور کسی ایک دوست کو مدعو کرتا۔ تاکہ وہ بھی ان پاکیزہ خیالات سے جو کلام خدا کی مشق سے دل میں پیدا ہوتے ہیں فائدہ اُٹھائے۔

یہی شخص تھا جس نے مہذ سپاہی میں بغیر کسی شخص کی مدد کے صلیب کے علم کو مرتے دم تک اُٹھائے رکھا۔ اور آسے ایسی جگہ گاڑا جہاں یہ کبھی بھی پہلے عمل میں نہ آیا تھا۔ سخت گرمی کے موسم میں جبکہ وہ دو ملازموں اور ایک چھوٹے خیمے کے ساتھ سمندر سے پار جانے کی تیاری میں تھا کہ موت سر پر آگئی۔ اور اُس پینسٹھ برس کے بوڑھے کو دائمی آرام ملا۔ ہم نادان اُس کی زندگی کو دیوانہ پن شمار کرتے تھے۔ مگر وہ خدا کے بالکوں میں سے گنا جاتا اور اُس کا درجہ بزرگوں کا سا ہے (دیکھو ۴۔ ۸ Wisdom of Solomon) اس نہایت قیمتی ٹوٹے ہوئے صندوق نے ساری دنیا کو معطر کر دیا۔

فرینچ بشپ کی اس کام کی سرگذشت جو اُس نے مسقط میں کیا۔ جو اُس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جب ہم دونوں بحرہ قلزم کو عبور کرکے عرب میں یہ دیکھنے کے لئے کہ خدا

ہمارے لئے وہاں کیا منظور ہے گئے۔ ذکر کرتے ہیں۔

بائیس جنوری ۱۹۱۵ء نزدیک عدن۔

"تند ہواؤں اور موجزن سمندروں نے میرے دماغ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئیے ہیں مجھے کبھی بھی اس قسم کے کاہی یا اتنی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مگر ہم اب آبنائے باب المندب کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ اور امید ہے کہ ہم عدن بارہ گھنٹہ تک پہنچ جائیں گے۔ مجھے جدہ سے روانگی پر بہت افسوس ہونا چاہئیے۔ وہاں میں نے ایک لمبا دن بسر کیا اور شام کے وقت اپنے جہاز کی طرف رخ کیا۔ میں اپنے دوستوں میٹ لینڈ اور ایک نوجوان امریکن پادری سے علیحدہ ہوا۔ اور شہر اور ملک کا راستہ جہاں کھجور کے درخت کے باغات ہیں اور جہاں تجار اور اعلیٰ افسروں کے چند خوبصورت مکانات ہیں لیا ایک چھاتے کے نیچے چند آدمی جمع ہو گئے جن میں سے بعض عالم تھے۔ اور بعض جاہل۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ میں ان کی طرف مخاطب رہا۔ اور ایک دو ملاؤں نے میری مخالفت کی۔

اس سفر میں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اپنی زبان کھولی۔ اور دل نکالا اور مسیح کے نام کی منادی کی۔ چند شخصوں کو میری تقریر کا اثر ہوا۔ اور وہ آپس میں دلچسپی لینے لگے۔ میں نے ایک یا دو مساجد میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر امام مسجد کی ملاقات سے ناکام رہا۔ میں بغیر کسی علم کے کہ کس شخص کی سیڑھی پر جا رہا ہوں ایک اعلیٰ ترکش افسر جو وردی پہنے ہوئے تھا اور جس کا عہدہ اس جگہ کے فوجی جرنیل کے برابر تھا۔ کے پرائیویٹ جائے رہائش کی بڑی سیڑھی کے نچلے حصے پر چلا گیا۔ وہ عمر رسیدہ آدمی نیچے اتر آیا۔ اور چند دیگر آدمیوں کے ساتھ اپنی دہلیز پر بیٹھ گیا میری تقریر کو کمال شکرگذاری اور انسانیت سے سنتا رہا۔ اور اس نے مجھ سے استدعا کی کہ میں اس کے منصب اور فرائض منصبی کی ادائیگی کی دعا کروں۔ جب میں پہلے وقت اس سے علیحدہ ہوا۔ اس نے مجھے (Lemon squash) لیمن ڈرنک کی ایک چھری بھیجی۔ جس میں مجبور تھا کہ میں سیڑھی پر چڑھوں اور اس کی مہربانی اور خوش خلقی کا شکریہ ادا کروں۔ اس کے بعد جدائی کا وقت آیا۔ اور بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ میں نے ایک دو مرتبہ اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ میٹ لینڈ اس عقیدت اور محبت کو دیکھ کر متعجب

ہو رہا تھا۔ کسی ترک افسر نے پہلے کبھی ایسی مہربانی نہیں کی تھی۔ میرا خیال ہے
پیغام نے اس کے کانوں سے اتر کر دل پر اثر کیا۔ اس نے بائبل کی ایک کاپی کو بھی خندہ
پیشانی سے منظور و قبول کیا۔ (مسقط ضلع عمان - ۱۳ فروری ۱۸۹۱ء) میں یہاں
پچھلے اتوار کو مسٹر میٹ لینڈ کے ساتھ پہنچا۔ یہ صاحب کیمبرج دہلی مشن سے متعلق
ہیں۔ مجھے مصر میں ملے تھے۔ اور محبت کی خاطر چند ہفتے میرے ساتھ رہیں گے۔ ہم نے
انگریزی قونصل کے ہاں مہمان رہنا پسند نہ کیا۔ مبادا وہ خیال کرے کہ پہلے بھی مشنری آئے
اور مجھے تکلیف دی۔ ہم کو پہلے دو تین روز معمولی مکان تک نہ ملا۔ اور سخت تکلیف
ہوئی۔ مگر اب پاس کے گاؤں میں ایک مکان مل گیا ہے۔ میں نے ہندوستان کی طرف
ایک خیمہ کے لئے لکھا ہے۔ تاکہ وقت پر کام آ سکے۔ اگر عربوں نے ایک مشنری کی موجودگی
کو برداشت کر لیا۔ تو یہ خیمہ پاس کی پہاڑیوں میں موسم گرما میں بڑا کام دے گا۔ اس امر کے
متعلق کچھ کہنا کہ مشنریوں کے لئے دروازہ کھلا ہے یا بند۔ ابھی قبل از وقت ہے۔ ہم
عربی زبان کا مطالعہ سرگرمی سے کر رہے ہیں۔ میں بفضل اللہ جلد ہی ایک عالم عرب کی مدد سے
عربی زبان میں ترجمہ شروع کر دوں گا۔

میں بہت خوش ہوں کہ مجھ میں ابھی تک دم خم ہے۔ انگریزی قونصل جو بڑا مہمان نواز
بلند حوصلہ اور با اصول کا آدمی ہے۔ اس کی رائے ہے کہ عمان کے عربوں میں مجھے کامیابی
نہیں ہو سکتی۔ اور وہ خود میرا ہاتھ نہیں بٹاتا۔

جب میٹ لینڈ چلا جائے گا۔ میں یکہ و تنہا رہ جاؤں گا۔ مگر یہ تنہائی میرے لئے کوئی
چیز نہیں۔ روح القدس کی برکت میرے شامل حال رہنی چاہیئے۔ میں اکیلا ہی
بہت خوش ہوں۔"

چرچ مشنری سوسائٹی کو اس نے ۱۴ اپریل ۱۸۹۱ء کو مسقط سے جو آخری خط
لکھا۔ اس کا حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"صبر و استقلال ہر جگہ کی طرح یہاں بھی درکار ہے۔ میں ابھی تک اکیلا [illegible] مکان
میں رہتا ہوں۔ یہ مکان امریکن قونصل خانے کے متعلق ہے۔ شہر کے وسط میں واقع
اور مشنری کے لئے خوب موزوں ہے۔ میرے مکان پر بہت سے آدمی خدا کی کلام سننے
نہیں آتے۔ لوگ اپنی دکانوں اور گھروں پر اکثر مجھے بٹھا لیا کرتے ہیں۔ اور بحث و مباحثہ

کرتے ہیں۔ یہ لوگ بلوچی اور زیادہ تر عرب ہیں میں عربوں کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ
اُن کے آثار ہونہار ہیں۔ بازاروں میں کچھ ہندو بھی ہیں۔ مگر میں اُن سے کم ملتا جلتا
ہوں۔ بعض ہندو عربی سمجھتے ہیں۔ یہاں مساجد کی بڑی کثرت ہے۔ تعلیم یافتہ مرد اور عورتیں
بھی ہیں۔ عورتیں مذہبی معاملات میں بڑا انٹرسٹ لیتی ہیں۔ اور بعض اوقات بائبل کی
سخت مخالفت کرتی ہیں۔

شہر کے پاس ہی ایک حبشیوں کا گاؤں ہے۔ میں آج صبح دوسری دفعہ اُس مشنیڈ
میں بیٹھا۔ جو اُن لوگوں نے میرے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ یہ بدقسمت مرد اور عورتیں
میرے اردگرد بیٹھکر کلام خدا کو سنتے ہیں۔ میں تعلیم یافتہ آدمیوں میں یا تو سر بازار یا مکان
میں یا مسجد میں منادی کرتا ہوں۔ یہ لوگ کبھی کلام خدا سُننے کو بہانا کہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی سخت
مخالفت کرتے ہیں۔ تاہم بعض آدمی مجھ سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ اور میں شکر
کرتا ہوں۔ کہ کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔

میں نے مسجدوں میں جاکر منادی کرنے کی کئی دفعہ کوشش کی ہے۔ مگر اکثر دفعہ
اونہوں نے مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ملا لوگ اور مسلمان ترجمہ میں مجھکو مدد
دیتے ہوئے کچھ جھجک جاتے ہیں۔ اس بات سے میری بڑی دل شکنی ہوئی ہے مگر
میں مایوس نہیں ہوا۔ کیونکہ روح القدس میرا مددگار ہے۔

دو اگر اندرونی علاقہ کی طرف جانے کے لئے مجھے کوئی حسب دلخواہ ملازم یا رہبر نہ ملا
تو میں بحرین۔ حدیدہ۔ یا صنعا کی طرف جانے کی کوشش کروں گا۔ اگر اس میں بھی کامیابی
نہ ہوئی۔ تو شمالی افریقہ کا چکر لگاؤں گا۔ مگر میں اندرونی علاقجات عرب میں جانے کا
خیال ترک نہ کروں گا۔ ہاں اگر کوئی بس نہ چلا تو [illegible] سکتی ہو"

وہ اندرونی علاقوں تک کبھی نہ پہونچا۔ کیونکہ جب وہ مسقط سے ایک چھوٹے
سے گاؤں ستر کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کو سرسام ہو گیا۔ اُس کو قونصل خانے
کی طرف لائے۔ ہر چند چارہ کیا گیا۔ مگر اُس کو ہوش نہ آیا۔ اُس نے صرف قونصل جنرل
مالکم سے اتنا کہا کہ "خدا کا فضل نہایت شامل حال ہے" ۱۴ مئی ۱۸۹۱ء کو اسکی
روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ بشپ فرنچ کی قبر مسقط کے جنوب میں ایک
تنگ مدارس میں ہے۔ یہاں انگریزی ملاحوں کی بھی قبریں ہیں۔ بعض امریکن مشنری

ریورینڈ جارج ڈی سٹون گہری نیند سویا ہوا ہے۔

تینتیسواں باب

امریکن عربی مشن

عربی مشن یکم اگست ۱۸۸۹ء کو قایم کی گئی۔ اور پہلا مشنری ریورینڈ جیمز کینٹاین اسی سال کی ۱۶ اکتوبر کو عرب کیطرف روانہ ہوا۔ اس مشن کے قیام کی وجوہات معلوم کرنے کے لئے ہم کو ایک سال پہلے کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہیئے ۱۸۸۸ء میں نیو برنسوک کے ریفارمڈ چرچ میں مشنری سپرٹ خاص طور پر چمکا ہوا تھا۔ یہ مشنری کچھ تو مشنری لیکچروں کے ذریعہ چمکا۔ اور کچھ خود طلبا کی توجہ اسطرف مبذول ہوگئی۔ اور وہ اس کام کو سرانجام دینے پر آمادہ ہوگئے۔ ان طلبا میں جیمز کینٹاین۔ فلپ ٹی فیلپ سینیر کلاس کے اور سیموئل۔ ایم زویمر مڈل کلاس کا تھا۔ ان طلبا نے بطور خود ممالک غیر میں جا کر مشنری کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جماعت کا پہلا اجلاس ۳۱۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ہوا۔ اور ممالک غیر کی مشن پر بحث کیگئی۔ اس کے بعد ہفتہ وار اجلاس ہوتا رہا۔ اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ جو ممالک ابھی تک مشنریوں سے خالی پڑے ہیں۔ اُن میں جا کر وہ اس کام کی بنیاد شروع کریں۔ تبت اور وسطی افریقہ کا ذکر بیچ میں آیا مگر ان کا خیال کسی ایسے ملک کی طرف تھا جس میں عربی زبان مروج ہو۔ اور نوبیہ اور بالائی وادی نیل کی طرف خاص توجہ تھی۔ ان ممالک کے متعلق آگاہی کامل طور پر حاصل کرنے کے لئے سیمنری کا سارا کتب خانہ چھان مارا۔ مگر اصلی مطلب حاصل نہ ہوا۔ نومبر کے خاتمہ پر اس چھوٹی جماعت نے فیصلہ کیا۔ کہ اس کے متعلق اپنے عربی اور عبرانی زبان کے پروفیسر ریورینڈ جے۔ جی۔ لینسنگ۔ ڈی۔ ڈی سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ پروفیسر بھی اس چھوٹی جماعت میں شامل ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ بات طے پائی۔ کہ خدا کی مرضی اسی میں ہے کہ اسلامی دنیا کے بعض حصص میں یعنی عرب اور اس کے ملحقہ ممالک میں مشنری کام کا سنگ بنیاد رکھا جائے۔ اس میں ایک بڑی مشکل یہ پیدا ہوئی کہ جس چرچ کے پیرو

یہ طلبا تھے۔ اس چرچ نے اسلامی دنیا کی مشن مقرر کی تھی۔ اس چرچ کا مشن بورڈ اگر
ہی ۵۰۰۰ ۳ شلنگ کا مقروض تھا۔ اور یہ بات ناممکن تھی کہ وہ اس حالت میں [illegible]
نیا کام اپنے ذمے لے۔ ان مشکلات کے باوجود ۱۱ فروری سنہ ۱۸۹۹ء کو فیصلہ کیا گیا کہ
بورڈ کے آگے درخواست تو پیش کی جائے۔ چنانچہ ۲۳۔ مئی کو درخواست پیش
کر دی گئی۔

یہ درخواست مرجون کو پہلے پہل بورڈ کے سامنے پیش ہوئی۔ بورڈ نے
اس کو اصولاً مان کر جنرل سائنوڈ کی طرف بھیجا۔ جنرل سائنوڈ (عام مجلس) نے [illegible]
چوڑی بحث کے بعد وہ درخواست بورڈ کو مزید غور کرنے کے لئے واپس بھیجا۔ [illegible]
کو بورڈ نے رزولیوشن پاس کیا۔ کہ درخواست میں جو تجاویز ہیں وہ معقول [illegible]
بورڈ پہلے ہی زیر بار ہے۔ وہ اپنے ذمہ یہ کام موجودہ حالت میں نہیں لے [illegible]
اگر مالی حالت سنبھل گئی۔ تو اس کام کو شروع کر دینے میں کوئی دریغ نہ کیا جائے گا۔ [illegible]
اثنا میں اسلامی دنیا میں مشن بھیجنے کی تجویز پر خوب سرگرمی سے بحث ہوئی۔ اور [illegible]
زور سے اس کی تائید کی گئی۔ کئی لوگوں نے قلمی اور مالی امداد دینے کا وعدہ کیا مگر عام
رائے اس تجویز کے برخلاف تھی۔

بورڈ کے فیصلہ سے مجوزہ دل شکستہ نہ ہوئے۔ بہت غور و خوض اور دعا و التجا کے
بعد انہوں نے اس کام کو شروع کرنے کے لئے ایک نئی تجویز سوچی۔ یکم اگست کو [illegible]
پائٹن ہل کالج میں اس تجویز کو چند دفعات میں تحریر کیا۔ چند دن بعد جب چھوٹی سی
جماعت سوون برج نیویارک میں [illegible] تھی۔ ڈاکٹر لینسنگ نے عربی مشن پر ایک نظم [illegible] اس
نظم کو جس درد بھرے دل سے ایک بالاخانہ پر بیٹھکر تین شخصوں نے گایا۔ [illegible]
جب تجویز شائع کی گئی۔ اس سے عام ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔ ایک مشن [illegible]
قسمتی یہ کہ مسٹر اینڈ مسز کرین نے پانچ ہزار ڈالر کا ایک عطیہ دیا۔ پچھلے سالوں
سے یہ سب سے بڑی رقم ہے۔ جو اس مشن کو موصول ہوئی۔ اس خلاف توقع فراخ
مدد سے مشن اپنا کام شروع کرنے کے قابل ہو گئی۔ ۲۶ اکتوبر کو جیمز کینٹائن کو [illegible]
ریفارمڈ چرچ نے مشن پر جانے کا حکم دیا۔ اور وہ ۱۹ اکتوبر کو مشرق کی جانب روانہ ہوا۔
راستے میں سکاٹ لینڈ کے فری چرچ سے مشورہ کرنے کے لئے اڈنبرا [illegible]

ٹھیرا۔ فری چرچ نے یہ بات منظور کی۔ کہ عدن میں اُن کی مشن اُس کے ساتھ ملکر کام کرے گی۔ شروع میں شیخ عثمان میں ایسا کیا گیا۔ مگر بعد میں یہ مناسب سمجہا گیا۔ کہ مشن الگ الگ کام کریں۔ اس چھوٹی جماعت کا دوسرا ممبر ۲۰ جون سنہ ۱۸۹۰ع کو روانہ ہوا۔

نومبر کے آخر میں یہ دونوں رہبر پادری شام سے قاہرہ کیطرف روانہ ہوئے۔ تاکہ پروفیسر لینگ سے ملاقات کریں۔ جو بغرض صحت مصر میں آیا ہوا تہا۔ ۸ دسمبر کو مسٹر کینٹائن عدن کیطرف روانہ ہوا۔ ۸ جنوری سنہ ۱۸۹۱ع کو اس کتاب کا مصنف بھی ایک مصری سٹیمر میں بیٹھکر روانہ ہوا۔ اور وہ یہ تہا۔ کہ راستہ میں جدہ۔ اور جدہ میں ٹھہرے اور جنرل ہیگ سے ملاقات کرے۔ جو اُس وقت سواکم میں تہا۔ اور جنگ کے بعد یتیموں کی دستگیری میں مصروف تہا۔ بحرہ قلزم میں میں اور بشپ فرینچ اکٹھے رہے۔ ہم پہلے ایک دوسرے کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ جب سویز سے گاڑی پر آئے تو ملاقات ہوئی۔ اُس وقت ہم دونوں کو ایک دوسرے کا حال معلوم ہوا۔ کہ ایک ہی مقصد لیکر آئے ہیں۔

امریکن مشنریوں نے یہ ارادہ کیا کہ عدن سے اُن مقاموں کو دیکھیں۔ جو جنرل ہیگ نے مشنری کاموں کے لئے مناسب بتائے ہیں۔ مسٹر کینٹائن شمال کی طرف سلطان لحج کے علاقہ کیطرف روانہ ہوا۔ دوسرا ایک شامی مسلمان کامل کے ساتھ جو عیسائی ہو گیا تہا۔ جنوبی ساحل کیطرف روانہ ہوا۔ یہ نوجوان شخص (کامل) بیروت میں مسٹر کینٹائن کا دوست ہو گیا تہا اور اُس نے عرب میں اُس کے ساتھ ملکر کام کرنے کی بڑی خواہش ظاہر کی۔ وہ بڑا دیندار عیسائی تہا اور مذہب کی خدمت میں مشکلات کی پرواہ نہ کرتا تہا۔ ڈاکٹر ہنری جیسپ نے اُس کی سوانح عمری لکھی ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ فنا فی المسیح تہا۔ اور عرب میں ایسا بیج بو گیا۔ جو ایک دن ضرور بار آور درخت ہو گا۔ ۲۹ مئی سنہ ۱۸۹۱ع کو مسٹر کینٹائن مسقط اور خلیج فارس کی طرف روانہ ہوا۔ اور اُس کا ہمراہی صنعا کیطرف۔ تاکہ یمن میں مشنری کام کی گنجائش دیکھ لے۔ بشپ فرینچ کی وفات کی خبر عدن میں پہلے ہی موصول ہو چکی تھی۔ مسٹر کینٹائن مسقط میں پندرہ دن ٹھیرا۔ بعد ازاں وہ بحرین اور خلیج فارس کے دوسرے بندرگاہوں

کیطرف گیا۔ پھر بصرہ اور بغداد کیطرف روانہ ہوا۔ بصرہ ایک عمدہ مشنری مرکز ہے۔
منتفا کی طرف میں دن تک سفر جاری رہا۔ اور اس سفر سے ثابت ہو گیا کہ منتفا اس
طرف مشنری مرکز کا عمدہ کام دیکھتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق اُن دنوں میں بھی تحریر
کیا گیا تھا۔ بصرہ میں مسٹر کینٹائن سے ملاقات ہوئی۔ اور یہ فیصلہ ہوا۔ کہ ابھی یمن کا
فکر نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ پہلے بصرہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کرنا چاہیئے۔ اسوقت یہ خیال تک بھی نہ تھا
کہ یمن دس سال کے بعد بھی مشنریوں کی موجودگی سے محروم ہوگا۔

ڈاکٹر ایم آر سٹیس اُس وقت بصرہ میں تھا۔ اور یورپین آبادی میں طبابت کا کام کرتا تھا
اُس نے مشنریوں کا تپاک سے خیر مقدم کیا۔ اور ان سے ملکر کام کرتا رہا۔ آخر وہ [illegible] کے
چرچ مشنری سوسائٹی ہسپتال میں تبدیل ہو کر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے پر مسلمانوں
میں ایک مشنری ہسپتال کھولنے کی ضرورت بے حد ازحد محسوس ہوئی۔ جنوری [illegible]
میں لورڈ آف ٹرسٹی نے ڈاکٹر سی۔ ڈی۔ رگیسی کو بھیجا۔ مگر وہ آتے ہی خدا وند یسوع مسیح
کی تقدیس سے برگشتہ ہو گیا۔ اور وہ امریکہ کیطرف واپس چلا گیا۔ مگر وہ پھر ڈی۔ ایل موڈی
کے لیکچر سے متاثر ہو کر ایمان لایا اور ایک سال بعد اپنے وطن مالوف بغداد اور لبنان میں
داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

ہم ترجمن کو بھی فنا فی المسیح کا نام جس کو عبد المسیح کہتے تھے۔ اس دنیا پر خار کو
کوچ کر گیا۔ اُس کی وفات ایسی اچانک واقع ہوئی کہ ہم کو یہ شک کرنے کی وجہ ہے کہ اسکو
زہر دیا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ بڑا تیز تھا۔ کیونکہ اس کا پڑھا پاکیزہ
اور اعلٰے درجہ کا تھا۔ ان دونوں موقعوں سے مشنریوں کو سخت صدمہ پہنچا۔ مگر وہ واقعات
ایسے گذرے کہ انہوں نے مردے پرور رستے کا کام کیا۔ یعنی جب مسلمان سے عیسائی
ہوا تھا۔ اور جس نے بصرہ میں اصطباغ لیا تھا۔ گرفتار ہو گیا۔ ایک لائبریرین جو مشن کا
ملازم تھا۔ امریکہ کیطرف چلا گیا۔ ڈاکٹر سینٹ کی بیماری اور علالت صورت حال کو اور بھی
نازک کر رہی تھی۔ مگر آزمائش سے ایمان پختہ ہوتا ہے۔

اسوقت ٹرکی کی مقامی گورنمنٹ کھلم کھلا مشن کی مخالفت کر رہی تھی۔ کتب فروش
گرفتار ہوا اور کتابیں ضبط کی گئیں۔ اور مشنریوں کے مکان کے دروازہ پر پہرہ متعین کر دیا گیا
مشن کو بالکل بند کرنے کے لئے باب عالی کو ایک درخواست بھیجی گئی۔ مگر مخالفت دلوں

میں ہی ناپید ہو گئی۔ اور وہ درخواست یونہی اُس کی ٹوکری میں پھینکدی گئی۔ دسمبر میں ریورینڈ پیٹر جے۔ زویمر بصرہ کی مشن میں شامل ہو گیا۔ شروع شروع میں مکان کی دقت ہوئی۔ بار بار تبدیل مکان سے کام میں بڑا حرج واقعہ ہوا۔ اگلے سال بحرین میں ایک سٹیشن قایم کیا گیا۔ اگر شروع شروع میں مکان لینے اور بائبل کی دوکان کھولنے میں سخت مشکلات پیش آئیں۔ مگر آخر مشنریوں کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ پہلے سال میں دو سو سے اوپر کتابیں فروخت ہوئیں۔ الاحسا میں سفر کیا گیا۔ اور یہ پہلی بار تھی۔ کہ ایک مشنری اس علاقہ میں سے گذرا۔ بصرہ میں بائبل کی منادی اور اشاعت میں تو اچھی ترقی ہوئی۔ مگر میڈیکل کام بالکل بند رہا۔ شہر میں ہیضہ کے نمودار ہونے سے کام میں بڑا حرج ہوا کیونکہ آدمی بصرہ سے بھاگ گئے۔ اور صرف بحرین میں پانچ ہزار آدمی اس موذی وبا کے بھینٹ چڑھے۔ اس وقت پیٹر زویمر اس جزیرہ میں اکیلا تھا۔ اُس کا قدیم خدمت گار ہیضہ سے فوت ہو گیا۔ اور چونکہ کوئی جہاز مسافروں کو نہیں بٹھاتا تھا۔ خود زویمر کہیں بھی نہیں آ جا سکتا تھا۔ ۱۸۹۳ء میں یہ خوشخبری موصول ہوئی کہ ڈاکٹر جیمز کی وائی کاٹ مشن میں مقرر ہو کر آتا ہے۔ اور جنوری کو روانہ ہو کر پہلے وہ قسطنطنیہ آیا۔ تاکہ ترکی ڈپلومہ حاصل کرے۔

مارچ کے مہینہ میں وہ بصرہ آیا۔ اور اُس کے آنے کی خوشی چند روزہ تھی۔ چونکہ وہ بحرین میں پیچش سے بیمار ہو گیا۔ پہلے کراچی پھر امریکہ کی طرف واپس چلا گیا۔ اگلے سال تک پھر کوئی میڈیکل مشنری نہ آیا۔ دسمبر ۱۸۹۳ء میں پیٹر زویمر مسقط آیا۔ اس کے متعلق اُس نے ایسی عمدہ رپورٹ ارسال کی کہ اُس کو وہیں سٹیشن بنا لینے کی اجازت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱۸۹۴ء کے موسم گرما میں مصنف کتاب ہائکڈ سے مشن کی درخواست اور اُس کے اخراجات پر صنعا کی طرف گیا۔ اور عبرانی زبان کی انجیلیں تقسیم کیں۔

اس نے وادی دوسر کے راستہ صنعا سے بحرین جانے کی کوشش کی۔ مگر صنعا پہونچنے سے پہلے اُس کا سارا روپیہ چوری ہو گیا۔ اور ترکوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ ۱۸۹۵ء میں مشن کے لئے ایک آزمائش کا سال تھا۔ مگر یہ سال اپنے ساتھ کئی برکتیں بھی لایا۔ عرب میں سات سال رہنے کے بعد ریورینڈ جیمز کینٹائن فرلو پر امریکہ گیا۔ مصنف کتاب بصرہ کی طرف تبدیل کیا گیا اور بحرین بالکل خالی رہ گیا۔ مسقط اور بحرین کے مشنریوں

اور لیسی مددگاروں کو بوجہ شدت گرمی سخت تکلیف ہوئی۔ اور سال کے زیادہ حصہ میں خانہ جنگیوں نے دورے کرنے ناممکن کر دئے۔ فروری میں بدوؤں نے مسقط میں حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا۔ اور دو سو جانیں تلف ہوئیں۔ مشن ہوس اور مشن کی دوکان لوٹ لی گئی۔ اور مسٹر زویمر نے انگریزی قونصل خانہ میں پناہ لی۔ اس قسم کا خطرہ بحرین میں رہا۔ مگر وہاں فساد برپا نہ ہوا۔ انگریزی آگبوٹوں نے فسادیوں کی قرار واقعی گوشمالی کر دی۔ بصرہ میں ترک حکام نے بائبل کی منادی کی مخالفت کر دی۔ دوکان کو بند کر دیا۔ اور کتب فروشوں کو گرفتار کر لیا۔ ۲۱ اپریل کو ڈاکٹر ایچ۔ آر۔ لیننگ خود داسل تک کی ڈیلوصے کر بصرہ میں پہونچے۔ اور لوگوں کے دلوں پر گھر کرنے کا مشن کو پھر موقع مل گیا۔ ڈاکٹر وارل نہایت عمدہ کام کر رہا ہے۔ ستمبر میں تو وہ اتنا سخت بیمار ہو گیا تھا کہ مایوسی تک نوبت پہونچ گئی تھی۔ مگر بہت خیر رہی۔

سال کے آخر پر سخت مخالفت کے باوجود عمارہ میں ایک اوٹ سٹیشن قائم کیا گیا۔ قوم عرب کی عورتوں کے لئے ۱۸۹۶ء میں ایمی الزبتھ ولکس زویمر نے کام شروع کیا۔ یہ خاتون ریورنڈ ایس۔ ایم زویمر کی بیوی تھی۔ پہلے بصرہ میں پھر بحرین اور خاطف میں اتنا کام کیا جتنا کہ ایک عورت کر سکتی ہے۔ کتب فروشوں اور زویمر نے بڑے لمبے لمبے دورے کئے۔ مندرجہ ذیل نقشہ سے معلوم ہو جائے گا۔ کس سال کتنی کتابیں فروخت ہوئیں۔ ۵/۶ کتابیں مسلمانوں نے خریدیں۔

-۱۸۹۴ -۱۸۹۵ -۱۸۴۶ -۱۸۳۹ -۱۸۹۹

-۱۷۷۹ -۳۰۱۰ -۲۶۴۴ -۱۸۹۲ -۱۱۹۳

-۶۳۰ -۸۳۵ -۱۷۶۰ -۳۳۱۳ -۳۸۰۵

احمد جی ایک سپاہی عیسائی ہوا۔ اُس پر کتنی ہی سختیاں کی گئیں۔ مگر وہ اپنے نئے مذہب پر قائم رہا۔ ایک متوسط العمر ایرانی نے بصرہ کے شفا خانہ میں دین عیسوی قبول کیا۔ اس کو تپ دق کی بیماری تھی۔ جب مسیح کے فضل سے اچھا ہو گیا۔ بصرہ سے شیراز کی طرف چلا گیا۔ موسم خزاں میں مسٹر کنٹائن واپس آ گیا۔ مگر فروری کے مہینہ میں مسٹر زویمر اور اُس کی بیوی فرلو پر چلے گئے۔ بحرین میں نہ صرف یہی کہ کام

بند ہوگیا۔ بلکہ دلیسی مددگار کی بے ایمانی سے بنا بنایا کام بھی بگڑ گیا۔ مسقط میں کام میں اچھی ترقی ہو رہی تھی۔

مسٹر پی۔ جے۔ زویمر کے حوالے جب ۱۸ آزاد شدہ افریقی لونڈے کیے گئے تو اُس نے ایک سکول کھولا مشن ہوس میں کاتھہ کا ایک دلیسی مطبع تھا۔ اُس میں ایک چھوٹی سی کتاب چھاپی گئی۔ اس کتاب میں مسیح اور محمدؐ کا مقابلہ کیا گیا۔ اس کتاب سے بعض تو راہ راست پر آ گئے۔ اور بہت سے مارے غصہ کے جامے سے باہر ہو گئے۔ یہ پہلی عیسائی مذہب کے متعلق کتاب تھی۔ جو عرب میں شائع ہوئی۔ اسکا نام تھا "کیا تم نجات کے لئے محمدؐ پر بھروسہ کر سکتے ہو یا مسیح پر؟"

بصرہ کے شفاخانہ کی بدولت کئی لوگ انجیل کی تعلیم سننے کے قابل ہو جاتے۔ ڈاکٹر وارل نے نصیریہ میں بھی ایک شفاخانہ کھولا۔ امارا میں بھی صداقت کا بیج بویا گیا ہے۔

۱۸۹۴ء کے آخر میں ریورینڈ ایف۔ جے۔ برن عرب کیطرف آیا۔ اور زبان سیکھنے میں مشغول ہوگیا۔

۱۸۹۵ء ان لوگوں کے لئے قابل یادگار سال ہے۔ جو عرب مشن میں انٹرسٹ رکھتے ہیں۔ اس سال چار نئے مشنری عرب کی طرف بھیجے گئے۔ ان میں سے دو تھی مارگریٹ والس۔ (اب مسز بارنی) اور ریورنڈ جارج۔ ای۔ سٹون۔ ماہ اگست میں مسٹر زویمر اور اس کی بیوی کے ساتھ دوسرے دو ڈاکٹر شیرون۔ جے تامس۔ اور ڈاکٹر ماریں ویلس تامس ماہ دسمبر ۱۸۹۹ء میں آئے۔ مسٹر سٹون بھی مسیح کے نام پر اپنی جان تصدق کر چکا ہے۔ اور یہ تیسرا مشنری ہے جسنے عرب کیخاطر اپنی جان گنوائی ہے۔

چوتیسواں باب

پیٹر جے زویمر اور الی سٹون

ایک ہنرمند اور با محبت ہاتھ نے کامل کی نامعلوم قبر پر غیر فانی ہار چڑھایا ہے۔ اُسکی

سوانح عمری ہمیشہ اُس کی یاد کو تازہ کرتی رہے گی۔

ہم یہاں عرب مشن کے متعلق دو اور اشخاص کا ذکر کرتے ہیں۔ جو خداوند یسوع مسیح کے نام پر اپنی جان قربان کرنا زندگی کی سرخروئی کا باعث جانتے تھے۔

پیٹر جان زویمر دوسری ستمبر ۱۸۷۶ء کو شکاگو کے نزدیک النوئس میں پیدا ہوا تھا۔ اُسکا بچپن ایسے آدمیوں میں گذرا۔ جو خداترس اور نیکوکار تھے۔ ۱۸۹۵ء میں وہ ہوپ کالج کے ابتدائی ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوا اور ۱۸۹۸ء میں اس کالج کا گریجویٹ بنا ۱۹۰۱ء میں اس نے مذہبی کالج کی سند حاصل کی۔ اور ۹۔ اکتوبر کو عرب کیطرف روانہ ہوا۔ عرب میں پہونچنے کے دن سے اپنی وفات کے دن تک وہ اس کوشش میں رہا کہ عرب میں بائبل کی اشاعت کرے۔ وہ عملی خیال کا آدمی تھا۔ دور کے خیالوں سے اپنے دل کو خوش نہ کیا کرتا تھا۔ اُسکا علم صرف کتابی نہ تھا۔ بلکہ عملی بھی تھا۔ وہ لوگوں کو تلقین کرنے سے خوش ہوتا تھا۔ کمزوروں اور محتاجوں سے ہمدردی کرتا تھا۔ ظالموں سے متنفر تھا۔ اُسنے اون لوگوں کے دلوں میں بھی گھر کر لیا تھا۔ جو اُس کے مخالف تھے۔ عرب اُس کے مذہبی جدوجہد کا میدان تھا۔ وہ خالص عیسائی سپرٹ رکھنے والا جوان تھا۔ مسٹر کینٹائن نے اُس کے متعلق لکھا تھا۔

"ہمارے تعلقات آپس میں بڑے دوستانہ تھے۔ ۱۸۹۷ء میں وہ بصرہ میں آیا۔ چند ماہ کے بعد وہ مسقط اور عمان کیطرف گیا۔ اور خداوند کی نام کی منادی کرتے ہوئے جان بحق ہوا۔ اُس کا کام ہماری نسبت مشکل تر تھا۔ وہ اُس زمانہ میں آیا جب نیا کام متزلزل ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو اُس ملک کے سانچے میں ڈھالا جس میں کہ وہ منادی کرنے آیا تھا۔ اُس میں احساس غیرت پہلے درجہ کا تھا۔ دوست یا دشمن کی بُری بات کو بُرا جانتا تھا۔ مگر اپنے فرائض منصبی میں کبھی بھی کوتاہی نہ کرتا تھا۔ جن واقعات کی اس میدان میں ضرورت تھی۔ اون میں سے اکثر اُس کی ذات میں موجود تھیں۔ اُس نے اپنی عقل خداداد سے عربوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ اگرچہ عربی زبان بخوبی نہ جانتا تھا۔ مگر پھر بھی گھنٹوں تک قہوہ خانوں میں جا کر بیٹھتا۔ اور شہر کے مجمعوں میں شریک ہوتا۔ باجہ بجانے میں اُستاد تھا۔ اور اس ڈھنگ سے کئی آدمی اپنی طرف متوجہ کر لیتا تھا۔ وہ غضب کا کام کرنے والا اور پہلے درجہ کا محنتی تھا۔ عرب میں اُس کی خدمات کا زمانہ کیتھ فالکنر اور

فسر پنج لنتپ سے زیادہ تھا اگرچہ وہ اُن جتنا اثر نہ ڈال سکا۔ مگر کام اُن سے زیادہ کر گیا۔ اسکی بیماری اور وفات کے متعلق رپورٹ مینڈ ایچ۔ این کوب۔ ڈی۔ ڈی نے لکھا۔ وہ ۱۸۹۳ء میں جب مسقط میں سٹیشن قائم ہوا۔ وہ وہاں متعین کیا گیا۔ وہ اُس وقت سے اُس سال کی ماہ مئی تک مسقط میں اُسکا گھر بنا رہا۔ اور وہاں زیادہ عرصہ یکہ و تنہا رہا۔ بخار نے اُس پر اکثر حملے کیئے۔ گرمی کی شدت اور شہر کی غلاظت نے اُس کی صحت پر بہت بُرا اثر کیا۔ مگر وہ اپنے کام میں مردانہ وار مصروف رہا۔ اور حرف شکایت کبھی بھی زبان پر نہ لایا۔ اُسکا استقلال دیکھکر تعجب ہوتا تھا۔ بار بار کے بخار اور گٹھیا کے مرض سے وہ اس قدر نحیف و زار ہو گیا کہ اُس کا امریکہ چلا جانا مناسب خیال کیا گیا۔ وہ ۱۸۹۹ء تک عرب میں ہی رہنا چاہتا تھا۔ مگر اس سال کے آغاز میں اس کی حالت ایسی دگرگوں ہوئی کہ اُسکا زیادہ رہنا محال ہو گیا۔ آخری مئی میں جب وہ عرب سے روانہ ہوا۔ وہ اس قدر کمزور ہو گیا تھا کہ اوٹھا کر جہاز پر لائے۔ سفر میں وہ اپنے عربی احباب کو بھی لکھتا۔ کہ اب اچھا ہوں مگر در اصل اُس کی حالت بدتر ہو رہی تھی۔ ۱۳ جولائی کی شام کو وہ ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ دوران بیماری میں وہ ایسا ہشاش بشاش رہتا کہ لوگ تعجب کرتے۔ خداوند کا نام زبان پر اور اس کی یاد دل میں ہمیشہ جاری تھی۔ جب ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوسی ظاہر کرتا۔ تو وہ مسکرا کر کہتا۔ ابھی میری زندگی مجھکو جواب نہ دیگی۔ ابھی مجھے خداوند کا بہت کام کرنا ہے۔ ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں۔ اور اس دفعہ عرب میں واپس گیا تو نئے جوش سے کام شروع کروں گا۔" مگر وہ موت سے نہ ڈرتا تھا۔ اس کا خیال عرب کی طرف سے کبھی بھی نہ ہٹا۔ وہ عمان کی پتھریلی زمین میں صداقت کا بیج بونا چاہتا تھا۔ اس نے بستر بیماری پر بھی ایک رپورٹ مرتب کر کے کمیٹی کو ارسال کی۔ کہ مسقط ہوس میں کیا کیا تبدیلی ہونی چاہئیے اس نے ۱۷۔ اکتوبر کو لکھا۔

وہ ڈیر فادر میں رو بصحت ہوں۔ اور امید ہے چند دنوں تک گھر آنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ بورڈ نے اب مجھے عمارتی فنڈ کو مکمل کرنے کا اختیار دیدیا ہے۔ مجھے ابھی ابھی ۱۰۰ ڈالر موصول ہوئے ہیں"

اس کے بعد جب وہ خود لکھنے کے بالکل ناقابل ہو گیا۔ وہ دوسروں سے خطوط لکھواتا۔ ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو وہ تیس سال چھ ہفتہ کی عمر میں داغ مفارقت دیکر

طرف سدھار گیا۔

جارج ای سٹون } ۲۲ جون ۱۸۹۹ء کو جارج ای سٹون مسقط سے بفاصلہ چند میل پا آذمیں شدت گرمی سودائی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

وہ ۲ ستمبر ۱۸۷۱ء کو سیسکو۔ اور سیکو کونٹی نیو یارک میں پیدا ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں گریجویٹ ہوا۔ ۱۸۹۸ء میں مذہبی ڈگری حاصل کی۔ اپنی تعلیم کا زمانہ ختم کرنے کے بعد وہ ممالک غیر کیطرف بطور ایلچی جانے کا خواہاں ہوا۔ وہ ماہ اگست ۱۸۹۸ء میں تین پارٹی کے ساتھ روانہ ہوا۔ جارج سٹون بڑا ہونہار نوجوان تھا۔ کیرکٹر اوس کا بڑا پاکیزہ اور بے عیب تھا۔ وہ سیدھا غریب المزاج اور دلی دیانت دار تھا۔ وہ بالکل سادہ مزاج تھا۔ اور کسی پر نیک اثر ڈالنے کی کوشش سے بے بہرہ تھا۔ وہ بے تصنع اور بچہ تھا۔ قدرتی چالاکی اور بیباکی (Kee sanae) عقل کے ساتھ ادائگی فرض کا گہرا خیال اور خیال و بیچارگی کی رغبت ملی جلی تھی۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ اسکا مدعا ایک بامذاق بننے کا نہ تھا۔ مگر تاہم محنت سے اُس نے عربی کے علم میں نمایاں ترقی حاصل کیا۔ وہ بہت جلد ہی واقفیت پیدا کر لیتا اور دوستی کے حقوق کو نہایت خیر خواہی اور خوبی سے سرانجام دیتا۔ ہر ایک شخص جو اُس کے ہمراہ ہوا کرتا۔ وہ جان لیتا کہ بنی نوع انسان کے لئے ایک ماہی گیر کا حکم رکھتا۔ تاہم وہ اُس کے طریقہ میں کبھی مداخلت نہ کرتا۔ وہ جسم کا مضبوط تھا اور عرب میں لمبی عمر گذارنے کا ارادہ رکھتا۔ مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ ۹ اکتوبر سے ۱۲ فروری تک وہ بحرین میں رہا۔ اس کے بعد پادری الف۔ جے بارنی کی جگہ جو مرض ثانی فوبیہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بیماری کی رخصت پر ہندوستان روانہ ہوا۔ مسقط میں مقرر ہوا۔ وہی ایک شخص تھا جس کی خدمات اُس وقت دستیاب ہو سکتی تھیں۔ ایک مبتدی کے لئے ایسی جگہ کا اہتمام جس کے متعلق سوائے اُس کے نام کے علم کے مزید واقفیت نہ ہو کچھ آسان کام نہیں ہے۔

وہ تین گھنٹوں کی نوٹس پر بلا تامل مسقط کیطرف روانہ ہوا۔ وہاں وہ تن تنہا رہا۔ اور تادم زیست ثابت قدم رہا۔ حتی کہ ماہ جون میں پادری جیمز کینٹائن وہاں اُسکو کام کا چارج لینے کے لئے پہنچا۔ اُس کے خطوط سے خوشی ٹپکتی تھی۔ اُس کے چند

کی مفصلہ ذیل سطور سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ کس قسم کا آدمی تھا۔ یہ سطور جو اسکی معمولی خط و کتابت میں درج ہیں کبھی اس خیال سے نہ لکھی گئی تھیں کہ کبھی بھی نقش کالحجر ہونگی

" یہ یقین کے حد تک پہنچا ہوا تھا کہ میں عنقریب کچھ دیر کے بعد بھیجا جاؤنگا۔ اس قدر جلدی جانے کا خیال تک نہ تھا۔ ہر ایک چیز خدا کی طرف سے ظہور میں آتی ہے۔ میں دو یا تین دفعہ بخار کا شکار ہوا۔ مگر یہ معمولی بات ہے۔ ایک دن بیمار اور دوسرے دن تندرست علاوہ اس کے اور کوئی خبر نہیں۔ گذشتہ دو ماہ کی کارگذاری کو رفع کرنے کے لئے میں اس سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہوں۔ میرے حق میں دعا کرو کہ خدا مجھے کام کو سر انجام دینے کی عقل اور قابلیت بخشے۔ میری دلی خواہش ہے کہ ایک کام بخیر انجام ہو"

اُس نے اپنے آیرن کے احباب کو ایک خط میں لکھا۔

"دو ایک کہ میں اپنے منصب پر ہوں۔ آپ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میرا اس کی بابت کیا خیال ہے۔ اول ضرورت کا مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا اور اسلام ایسا ہی بڑا ہے جیسا کہ اس کی بابت لکھا گیا ہے۔

دوم۔ عرب میں مقابلہ کا بہت ہی اعلیٰ جہاز ہے۔ اور ملک ایسا وسیع ہے کہ ہم اگر چاہیں تو دخل حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ایک شخص بحرین جزائر کی دوسری طرف نہ بھی جاوے۔ تو بھی ایک ملک جس کی آبادی ۵۰۰۰۰ اشخاص کی ہے اُس کے لئے کھلا ہے۔

سوم۔ اشخاص کی جہالت کی وجہ سے انہیں لقریرے سبق دینا چاہیئے۔ اس لئے اگر ہم سب وہاں پہنچ جاویں تو ہمیں بہت سے مددگار مل جائینگے۔ چہارم میں ایک بات پر نازاں ہوں کہ میں عرب میں آیا اور اس کشمکش میں مجھے حصہ ملا۔ میرا یقین واثق ہے کہ اسلام کی طاقت کا اندازہ اصل سے زیادہ لگایا گیا ہے۔ اور اگر چرچ اس کے مقابلہ پر اپنی پوری طاقت خرچ کرے تو ہم اس سے بھی زیادہ آسانی سے جیسا کہ ہم خیال کئے بیٹھے ہیں۔ اسلام پر غالب آ جائینگے۔ مگر بہت سی جانیں تلف ہونگی۔ اور ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔

مگر اس بات کا کہ پہلے کس شخص کی جان تلف ہوگی اور کیا اُس کی صدا سُنی جاویگی اور کیا چرچ اور آپ اسلام کے مخالف پوری طاقت خرچ کریں گے آپ سے کچھ

خیال نہ آیا۔

تینتیسواں باب

عرب میں جدوجہد کا میدان

عرب میں مشنری کام کے لئے دو مشکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسلام کی پیدائش حیثیت نے عرب کے تمام دیگر اسلامی ممالک سے تعلق کر رکھا ہے۔ دوسرے خود عرب مشکلات کا گھر ہے۔

اسلامی ممالک کی طرف مشن بھیجنے کا کام یونہی معمولی سا نہیں۔ بلکہ بڑا غور طلب اور اہم ہے۔ ڈاکٹر جارج سمتھ کہتا ہے "موجودہ مشن کی دوسری صدی میں خدا نے جو کام اس مشن کے حوالے کیا ہے۔ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہے" ڈاکٹر ایچ ایچ جیسپ صاحب جو اس کام کو اس قدر مشکل بیان کرتے ہیں کہ اس کے لئے ایک نئے پینٹیکوسٹ جیسی دانائی اور جانفشانی درکار ہو گی۔ اپنی کتاب میں ان مشکلات کو اس طرح شمار کرتے ہیں۔ (١) دنیاوی اور روحانی طاقت کا ایک جا جمع ہو جانا۔ (٢) اخلاق اور مذہب کا تباین۔ (٣) اسماعیلیوں کا تعصب۔ (٤) خانگی زندگی کا عدم (٥) عورتوں کی ذلت (٦) پرلے درجہ کی بداخلاقی۔ (٧) دروغگوئی (٨) عیسائی مذہب کی طرف سے غلط فہمی۔ (٩) اسلام میں حملہ آور ہونے کا جوش۔ پھر وہ ان اسباب کو بیان کرتے ہیں۔ جو اس مشنری کام کے لئے مفید ہوں گے۔ (١) خدا کی وحدانیت کا یقین (٢) توریت اور انجیل کی عظمت (٣) حضرت عیسیٰ کی عزت۔ (٤) بت پرستی سے نفرت۔ (٥) نشہ خوری سے اجتناب (٦) عیسائی قوموں کا روز افزوں اثر۔ (٧) مسلمانوں کا یہ عام یقین کہ آخری ایام میں اسلام کی طرف سے عام طور پر بے پروائی برتی جائے گی۔ جس وقت ڈاکٹر جیسپ نے کتاب لکھی تھی۔ اس وقت سے اب تک واقعات کی صورت اگرچہ بہت کچھ

بدل گئی ہے۔ مگر پھر بھی خاص پہلوؤں سے قریب وہی ہے۔
عرب میں مشن پہنچنے کے مسئلہ کو اس طرح ترتیب وار سمجھنا چاہیئے۔ ملک میں آمد و رفت کے ذرائع۔ آب و ہوا اور خاص خاص مشکلات۔ وہ طریقے جو اس جد وجہد میں اختیار کئے جائیں۔ اور اس کام کے لئے عمدہ آدمیوں کا بہم پہنچنا۔

اس ملک کے جغرافیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے صوبے ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں۔ مشنریوں کی یہ عمدہ پالیسی سمجھی جاتی ہے کہ کام شہروں سے شروع کیا جائے۔ کیونکہ شہر آبادی اور دیگر امور کے مرکز ہوتے ہیں۔ عرب میں خصوصاً یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہاں کی آبادی منتشر اور زیادہ تر خانہ بدوش چرواہے ہیں۔ یہ سب خانہ بدوش اکثر اپنی ضروریات کے لئے شہروں میں آتے رہتے ہیں۔ اور اگر کسی غیر ملک سے ان کا تعلق نہ ہو تو وہ اپنی پیداوار ان شہروں میں لاتے ہیں۔

عرب میں جو شخص مشنری کام کرنے کے لئے آئے اوسکو مضبوط اور قوی ہونا چاہیئے۔ اور عربی زبان جاننے کی قابلیت اور مصمم ارادہ بھی رکھتا ہو۔ اور کسی قسم کا علم بھی مفید ہے مگر ضروری نہیں۔ اور دوائی کے ساتھ برتاؤ لینے میں اوس طبیعت میں تحمل ہونا چاہیئے۔

جنرل ہیگ صاحب کہتے ہیں۔ وہ عرب میں مشنری کام کے لئے مناسب آدمی مل جائیں تو عرب بخوشی مذہب عیسوی قبول کر سکتا ہے۔ بڑے آدمیوں سے کچھ کامیابی نہیں ہوگی جب تک کہ مشنریوں میں اس قدر جوش نہ ہو کہ وہ اپنی جان قربان کرنے کی پرواہ نہ کریں۔ اس وقت تک اونکو میابی نصیب ہونے کی امید کم رکھنی چاہیئے۔ ہر قسم کا ایثار نفس کرنے میں اپنی عزت سمجھیں۔ اور دنیا کامیابی کی پرواہ نہ کرکے خدا تعالےٰ سے اعلےٰ چیزوں کی امید رکھیں۔ ایسے لوگ درحقیقت کامیابی کے ساتھ کام کرنے والے ثابت ہوں گے۔ اس قسم کے لوگ بنائے نہیں جاتے۔ بلکہ اون کو خدا خود بناتا ہے اور ایسے لوگ پائے نہیں جاتے۔ بلکہ اون کو خدا خود ڈھونڈھ کر لاتا ہے

کیونکہ خدا کے سامنے کوئی کام مشکل نہیں۔"

چھتیسواں باب

مسلمانوں کیطرف مشنری بھیجنے کی ظاہری نتائج

مسلمانوں کے عیسائی مذہب قبول کرنے کی نسبت دو مختلف رائیں ہیں۔ مگر اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے ملک میں عیسائی مذہب پھیلانے کی غرض سے جانا وقت اور کوشش کو ضائع کرنا ہے۔ تجربہ سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مسلمانوں اور اون کے مذہب میں مداخلت کرنا نہ صرف غیر مفید بلکہ خوفناک بھی ہے۔ اون کا مذہب اون کے لئے اچھا ہے اور ان کے طرز معاشرت کے مطابق ہے۔ بت پرستی نہیں کرتے اور اون کے پاس مشرقی کے مطابق اخلاق کا قانون موجود ہے۔ محمد صلعم ایک پیغمبر تھا۔ اور اس قسم کے لوگوں کے لئے اس نے اپنی طاقت کے موافق سب کچھ کیا۔ اون کو عیسائی بنانے کی کوشش کرنا فضول ہے۔

کینن ٹیلر اور ڈاکٹر بلائیڈن جیسے لوگ جو عیسائی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ مذہب اسلام عیسویت کی لونڈی ہے۔ اور [illegible] حبشی قوم کے لئے خاص طور پر مناسب ہے۔

تینگ صاحب کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کی اوس تعداد کی کمی کا خیال کیا جائے۔ جو عیسائی ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کی دلیل نہیں کہ عیسائی مذہب مسلمانوں تک نہیں پہونچ سکتا۔ بلکہ یہ عیسائیوں کی بے پروائی اور سستی کا ثبوت ہے۔

بشپ ٹیلر نے چند سال پہلے کہا تھا کہ میں اسلامی ممالک میں مشن بھیجنے کی نہایت حیرت ناک نتائج دیکھنے کی امید کرتا ہوں۔ کیونکہ اوس کام کے متعلق دشمن یہ کہتے ہیں کہ یہ بلا نتیجہ ہے۔ خدا اپنی عینی نہیں گرداتا۔

بہت سے اسلامی ممالک میں ہم موجودہ مشنری کے عمدہ نتائج دیکھتے

کی بہت قوی اُمید رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ خدا کرے کہ اس کا مذہب یعنی (عیسوی مذہب) اسلام پر فتح پائے۔ چھوٹے نہیں ہو سکتے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ مسلمانوں میں مذہب عیسوی نہیں پھیلا۔ صرف ہندوستان ہی میں سینکڑوں نے علانیہ مذہب اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ اور عیسویت قبول کرلی۔ سب سے پہلا شمال مشرق صوبے کا ہندوستانی پادری ایک مسلمان عیسائی تھا۔

آگرہ کے سید ولایت علی دہلی میں مذہب عیسوی پر شیدا ہوئے۔ مرزا غلام مسیح دہلی کے شاہی خاندان کے ممبر عیسائی ہو گئے۔ اور عبداللہ آتھم جو انبالہ کے رہنے والے تھے عیسائی ہوئے۔

شکاگو کی مذہبی کنفرنس میں ڈاکٹر عماد الدین نے جو کہ مسلمان سے عیسائی ہو گئے تھے۔ اور مذہبی مباحث پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں عیسائیوں کی تبلیغ کے مسلمانوں میں کوشش پر ایک مضمون پڑھا تھا۔ اور اس مضمون پر انہوں نے ایک سو سترہ ایسے ممتاز اشخاص کے نام بتائے تھے۔ جنہوں نے اسلام چھوڑ کر مذہب عیسوی قبول کیا تھا۔ اور اُس میں زیادہ تر پنجاب کے تھے۔ یہ سرکاری طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ مذہب عیسوی قبول کرنے والوں میں سے نصف پنجاب کے اعلیٰ خاندان کے مسلمان ہیں۔

ایران میں ابھی چند سال میں کئی شخص شہید ہوئے ہیں۔ اور چند نے بپتسمہ لیا ہے۔ سلطنت ترکی میں بیسیوں ایسے لوگ ہوئے ہیں جو اپنی جان بچا کر بھاگ گئے یا پوشیدہ طور پر عیسائی رہے۔ قسطنطنیہ میں ڈاکٹر کوچل نے عیسائیوں کو جمع کیا تھا۔ جو کہ پہلے مسلمان تھے۔ مگر یکے بعد دیگرے غائب ہو گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے مذہب کی وجہ سے مار ڈالے گئے۔

مصر میں بیسیوں عیسائی ہوئے۔ اون میں سے دار العلوم ازہر کا ایک طالب علم اور ایک شیخ کا بیٹا عیسائی رہے۔

شمالی افریقہ میں جہاں کام ابھی شروع ہوا ہے۔ بہت سے عیسائی ہو گئے ہیں۔ جاوا اور سماٹرا میں اہل ہالنڈ کی مشنری سوسائٹیوں کی کوششیں مسلمانوں

میں کامیاب ہوئی ہیں۔

ڈاکٹر حبیب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو عیسائی کرنا آسان کام نہیں ہے۔ مگر تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ جب مسلمان عیسائی ہو جاتا ہے۔ تو وہ نہایت پکا اور کٹّا عیسائی ہوتا ہے۔

اگرچہ عرب میں بہت کچھ امید کی جاتی ہے۔ مگر ایک عرصہ سے وہاں کامیابی نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں زیادہ مشکلات ہیں مگر استقلال سے کام کیا گیا تو سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ شمالی افریقہ کے مشنری نے ابھی ابھی لکھا ہے کہ ان لوگوں کے لئے ایسے جانبازوں کی ضرورت ہے جو مسیح کے نام پر اپنی جانیں دے دینا معمولی بات سمجھیں۔ عرب کی زندگی اپنے خداوند کی طرف سے آنی چاہیئے۔ اور ہمیں روح القدس پر پورا پورا بھروسہ اور یقین ہے کہ عرب پر ضرور بالضرور صداقت کا آفتاب طلوع ہوگا۔ اور خدا کے یہ الفاظ "اے اسماعیل۔ جب تک میں تیرا نام سنتا ہوں۔ تو قائم ہے" پورے ہو کر رہیں گے۔

شمالی عرب کے عربی قبایٔل کا نقشہ

(۱) عنائزہ	ولید علی	المشدکہ	
		المشلط	
		المحامدی	
		السجدالیم	
		الطلوع	
	الحسین	الحسین (اصلی)	
		مصالحہ	
	الدہلہ	الروالہ (اصلی)	
	یاحلبس	ام حلیفہ	
	البشیر	تانا مجید {	نیدان صباح
		سکگہ	سیدیاں
		مطرانی	
		اولاد سلیمان	
(۲) اہل الشمال	الموالی		
	الطوالطیت		
	الحدیدین		
	الصلیب		
	نیزم		
	حران کے عرب {	النعیلی	
		السیروی	
	بنی منجر		
	بنی خاتم		

	عراک کے عربی	الظاریت
(۳) اہل الکابلی	الشہرارت	المنجت
	بنی شمر	ابن فارسی
	الاکباوت	بیبز
	بنی سعید	التفسیانی
	الوولا۔ الکبو	
	الحرۃ	
	الجنیفیر	

عرب کا جغرافیہ (A)

انیڈریو (مسٹر ڈبلیو پی)۔ (دریائے فرات ویلی روٹ)۔ لندن ۱۸۸۳)
بارٹیما (لڈوویکو) ٹریولسنرر عرب سترجبہ بجز عدن ۱۵۷۶)
بیگم بہوپال (حج مکہ) لندن (۱۸۷۰)
بلنٹ اینڈی این) نجد کوحج۔ دو جلدیں۔
" " " دریائے فرات کے بدو (لندن ۱۸۷۹)
بوئیٹ (ڈاکٹر) دریائے قلزم کا فزیکل جغرافیہ) تاریخ کوئی نہیں)
برکہرٹ (جان لیوس) بدوؤں اور وہابیوں پر نوٹس دو جلدیں (لندن ۱۸۳۰)
جرمن جن۔ (دسمبر) (۱۸۳۱)
برکہرٹ (جان لیوس) ٹریولسنران عرب۔ دو جلدیں۔ (لندن ۱۸۳۰)
برٹن۔ (رچرڈ) المدینہ و مکہ کے حج کو پرسنل نیریٹو۔ (لندن ۱۸۵۵)
جیسنی۔ دریائے دجلہ و فرات کی پیمائش۔ چار جلدیں۔ (لندن ۱۸۵۰)
کاوپٹ۔ تانو گرافیج دیش۔ عربی ہیوارسی این (۱۸۹۸) پیرس (۱۸۱۰)
کنسٹیبل (کیپٹن سی۔ جی۔ ار لفٹننٹ اے۔ ڈبلیو سٹسٹ) خلیج فارس پیلٹ (لندن ۱۸۷۰ ۱۸۹۳)
کورشنڈن۔ (سی۔ جے) جنرل آف اکسپلوریشن دار الشفا مین (بمبئی) ۱۸۳۳)

ڈاٹی - (سی - ایم) عربیا ڈیزرٹ - دو جلدیں - کیمبرج - (۱۸۸۸)
فاگ - (ڈبلیو - پی) عربستان لنڈن ۱۸۷۵)
فارسٹر (جغرافیۂ عرب - دو جلدیں - لنڈن -
فرنیڈ (پی) لا ہیچے او کس پریس این پرس ایڈانے سیلین - (پیرس ۱۸۹۰)
فرسنل - لیٹرس ان جرنل ایشیاٹک سوم - جلد پانچم - ۵۲۱
گملنڈٹ - ریکوٹل دین ڈنیس ایٹ سرنیمویلیبر دو بیلر یچ دی لا مکانی - (امسٹرڈم ۱۶۵۲)
بیگ - (الیف - ٹی - یچ - جین) سفرمین - پروسٹینڈ سنگسر آف دی رائل جغرافیہ لنڈن سوسائٹی - جلد نہم - نمبر (۸)
ہیرس - (ڈبلیو - بی) سفرمین - (لنڈن ۱۸۹۳)
ہنٹر - (الیف - ایم) سٹیٹیکل اکاونٹ آف دی برٹستس سٹلمینٹ آف عدن لنڈن - (۱۸۷۷)
ہرگرونجی - (سناؤک) مکہ - بت بلڈر اٹلس دو جلدیں - ہیگ) ۱۸۸۸
ابرمن - (اٹیل) ایڈونیچرز ان دی وائیج آب بحر قلزم ان دی سواحل عرب وغیرہ وغیرہ - (۱۸۷۷) (لنڈن ۱۸۷۱)
جوبرٹ - (جغرافیہ دی ایڈراسی اعربی اور فرانسیسی میں - پیرس - (۱۸۳۶)
جومرڈ - الوؤ زجغرافیہ ہسٹری - سُر العرلی (تیسری جلد ہنگنسر تاریخ مصر)
کننگ (جے - ایس) جزیرہ بیرم کا حال - (بمبئی گورنمنٹ ریکارڈ سی نمبر ۴۹
لاراک - (اے - یچ - ٹو عرب - دی ہیسی - وغیرہ وغیرہ) لنڈن ۱۷۲۶)
مکرمہ - (ابو عبداللہ ابن احمد) اے ہیٹیوسکرپٹ ہسٹری آف عدن - (دیکھو ہنٹر اکاؤنٹ)
منٹرونی - الیمن - مری اینی بل عربیا فیلسی - (روم ۱۸۸۴)
مجالیس - رسوئیل دی کوشیچین پروبوزسی اے پون سوسائٹی دی سیونٹس کوئی پیرارڈ ہی دی ساسیجتی دیسوئنزی فانٹ لی وائیج دی عربیا - امسٹرڈم ۱۷۷۴)
نیبہر - دکارسٹن) ادرخیل ایڈیشن ان جرمن (کوپن ہگین - ۱۷۷۲)
ایضاً " " ان فیرنچ ایڈیشن اسٹرڈم (۱۷۷۴)
نیبہر - (کارسٹن) ٹریولسز تھرو عرب ٹرانس انٹو انگلش بائی رابرٹ ہیرن

دو جلدیں (ایڈنبرا ۱۷۹۲)
اوزلی۔ (سر ڈبلیو) اورینٹل جغرافیہ آف ابن حوقل
" " " ٹریول ان پرشیا اینڈ عرب۔ تین جلدیں) لندن ۱۸۰۰)
پالگریو۔ ٹریولز ان الیسٹرن عرب (لندن ۱۸۶۳)
پارسنز۔ ابراہیم۔ ٹریول ان ایشیا۔ انکلوڈنگ عرب اینڈ سویز۔ (لندن ۱۸۰۸)
فلپس۔ میپ آف عرب اینڈ مصر مع انڈکس۔ (لندن ۱۸۸۸)
پیریڈ انیکن۔ سم رلیٹیڈ ڈسکوریز ان ساؤتھ ویسٹ عرب) پروسیڈنگس سوسائٹی۔ بابل۔ آرکیالوجی لندن
سکاپیرا۔ ٹریول ان یمن (۱۸۷۷)
سیٹزن۔ ٹریول ان یمن (۱۸۱۰)
سپرنگر (A) ڈائی الٹے۔ جغرافی عربیسترلسن گرنڈبیچ دیر انٹیلوکلنگ کیپیٹی ویس سمسلٹس (برن ۱۸۷۵)
سپرنگر۔ A ڈی پوسٹ انٹ راسٹرن ویس اورینٹس (۱۸۶۳)
سٹینلے۔ (ڈین) صنعائی اینڈ پیلسٹائن۔
سٹرن۔ (ایچ۔ A) اے جرنی ٹو صنعا ان ۱۸۵۶) جیوش انٹیلیجینسر جلد ۲۳ پی پی ۱۰۱ (سیتو)
سٹیفنسن۔ یمن (۱۸۷۳)
ٹامبلر۔ ٹ ہیارڈ۔ ٹریول ان عرب۔ (نیویارک)
ٹک۔ ایسے آون سبائک انسکرپشنز ان دی جرنل اور جرمن اورینٹل سوسائٹی جلد چونتیس۔ پی پی ۹۰ ۱۲۹
وین ڈین برگ (ایل۔ ڈبلیو۔ سی) حضرموت اینڈ دی عربین کولونیز ان دی انڈین آرکیپیلوگے۔ ٹرانسلیٹڈ فرام دی ڈچ مائی سجر سیلی (ممبئی گورنمنٹ ریکارڈ سی نمبر ۲۱۲ نیو سیریز)
وین میلٹزن۔ (ایچ۔ آئی) ریس ان عربین) براؤ نیسچوگ ۱۸۷۳
ولسنٹس۔ ایپیرولیس آف دی آرتھیرین سی۔

وان ورینڈے ۔ (اڈالپ) رئیس اِن مدرموت ۔

ویلیٹیڈ ۔ (لفٹنٹ) ٹریو لز ان عرب ، لندن ۱۸۳۸)

" " نریٹو آف اے جرنی ٹو دی روکس ۔ آف نکیب ۔

جرنل رائے جغرافیکل سوسائٹی ۲۰۵)

وهِش ۔ سیماؤ رادن بحرین ۔ (۱۸۵۹)

ستمن فیلڈ ۔ (الف) بحرین اینڈ جامع ۔

عربین نائٹس ۔ دو پرلیس اینڈ نشینر ۔

بیلی ۔ (این ۔ بی ۔ ای ۔ دی محمڈن لا آف سیل ۔ لندن ۱۸۵۰)

" " " ۔ محمڈن لاحنفی کوڈ ۔ (لندن ۱۸۶۵)

" " " ۔ محمڈن لا امامیہ کوڈ ۔ (لندن ۱۸۶۹)

بائل ۔ اے ۔ بی ۔ ایس) سیٹول اینڈ محمڈن لا ۔ (لاہور ۱۸۷۳)

برجولس ۔ عربیک پراورسبیں ۔ (لندن)

نوٹس اون دی بدووئنس اینڈ وہابیز (لندن ۱۸۳۱)

گرینڈی ۔ (الیس ۔ جی) دی محمڈن لا آف انہیرٹینس (لندن ۱۸۶۹)

ہملٹن ۔ چارلس ۔ ہدیہ یا گائڈ ۔ مسلمانوں کے قانون کی شرح ۔ (لندن ۱۸۸۶)

جلیب ۔ (ایچ ایچ) ۔ عربوں کی مستورات (نیو یارک) ۱۸۷۴

گریمر ۔ (الفریڈوان) کلٹ کیسیچیٹی دیس اورینٹس ۔ جلدیں دو ۔ (وائی ۱۸۷۵ ۔ ۱۸۷۷)

لینس ۔ منیرز اینڈ کسٹمز اور ماڈرن ایجپشن ۔ جلدیں دو ۔ (لندن)

ایضاً ۔ عربین نائٹس بعد نوٹس ۔ چار جلدیں ۔ (لندن)

میر ۔ (سیر حسن علی) اوبزرویشنز اون دی مسلمان ۔ (لندن ۲

روسے ۔ (زلمارک) محمڈن لا آف انہیرٹینس (لندن ۔ ۱۸۸۶)

سمجھ ۔ (رابرٹسن) کنشپ اینڈ میرج ان ارلی عرب (کیمبرج

سید ۔ (امیر علی) پرسنل لا آف محمڈنز [illegible] (لندن ۱۸۸۰)

تارناؤ - واس سلیبی زکیشٹ - (۱۸۸۵)
ٹرمپیلس - (ایچ - سی -) دی بلڈ کونٹیشا) - (فلیڈلیفیا ۱۸۹۱)
ولن ہیر - (پرگستال) ثانی گشٹر لیبیری ڈیر سلبین - (لائن ۱۸۵۲)

۵ تاریخ عرب

ابو جعفر محمد جریت طبرانی - طریق الملوک - عربک انیڈیشن - ایڈیٹ کو سگارٹن لیپرنڈ ۱۸۵۴)

الوالفدا - انیز سیر سلیبی - عرب ایڈیشن - مختلف جلدیں۔

سیدگر - جارج پرسی - ہسٹری آف دی اما مسز اینڈ سیدز آف عمان بائی سیلل ابن رازق ۶۶۱ - ۱۸۵۶ (ترجمہ مع تنقید اور نوٹس ہالنڈن ۱۸۷۱)

بلو - ادلو - عربین ام نیکیشن جاہلیت - زیشیجفٹ ڈیس ڈو لوچ - مارگینلینڈ عزن ۱۸ B.

کلارک - (ای - ایل) عرب اور ترک (بوسٹن)

کرنیجٹین - ہسٹری آف عرب اور اس کے باشندے لندن ۱۸۴۳)

ڈی ہیلوٹ - بیلیتھوکی نیٹل ہیسٹریٹ - ۱۸۸۶

ڈاگلی بی - ڈاکیومنٹس اسیگرینیکی ہسوئیل دعفس لی ٹورڈدی - ایل عربیہ البوکرپریفیس ایٹ ٹریڈکشن ولیس النکریشن ٹیلیشیر دی نایین سلیح پرلای - ربیان) ۱۸۷۵ ببلیٹس چارٹو - (پیرس ۱۸۸۴)

ڈوزی - آر - ڈی ہسٹرائلشن ٹونک - لنڈن ۱۸۶۴)

ایضاً اسائی سور الشہلواٹر ڈیل اسلامیح - (پیرس ۱۸۶۹)

ایضاً - سونیو ستیا انتغیسما شہری ایبرج - گوتھا ۱۸۸۵

ایضاً - سینول ڈی الشیا پورچو گیز لسبن - ۱۸۸۷

فلوگل - گشتوگنشیجیتی دیر عربیرب آف دین ستورٹنر ادیس جیلیفانش دس لبغداد - دو جلدیں - لیبزگ ۱۸۶۴

نوشر - (ایوسی) دی ہسٹوریکل جغرافیہ آف عرب - لندن ۱۸۴۴)

فریمین - ہسٹری آف دی سارسنز۔
فریسیل - پیرس سے ہسٹڈز عربین ریولنٹ اسلامسے جنرل انسمیاتھق ۱۸۵۴ - ۱۸۳۸

گبنز - رومن امپائر کا عروج و زوال۔ (فصل پہلی۔ دوسری۔ وتیسری)
گلمین - (A)، دی سارسنز (اقوام کی کہانی) - (لندن ۱۸۹۱)
حاجی خلیفہ - ہسٹری آف دی میری ٹائم - وارس آف دی ترک۔ جیمز مچل نے ترکی سے ترجمہ کیا۔ (لندن ۱۸۳۱)
ہالم - کی ہسٹری آف دی مڈل ایجز (فصل چھٹی)
ہمیر پرگشتال۔ گیمیلڈیل ویر لیبنیچ بنجن کروسر موسلیمیسچر ہرشر۔ لنبرگ (۱۸۳۷)
حمزہ اصفہانی۔ تاریخ ثنائے ملوک الارض عرب۔ لٹین۔ ایڈٹ گوتوالڈت۔ (سینٹ پیٹرسبرگ ۱۸۴۴)
جرگس ایل میکن - ہسٹری سارسینیکا عرب۔ ایٹ لیٹن (لندن ۱۶۲۵)
خفراجی - علی بن حسین۔ ایل۔ تاریخ یمن (ایم ایس ایس ان ریکارڈس آف ریذیڈنسی ایٹ عدن)
ٹلمنٹ - لیٹن کرسچینٹی۔ جلد چوتھی۔ فصل پہلی۔ دوسری)
موئر - انیلز آف ارلی کیلیفیٹ (لندن ۱۸۸۳) (مذہب اندر دیکھو)
ایضاً - خلافت اس کا عروج۔ تنزل اور بربادی۔ (لندن ۱۸۹۱)
اوکلے - ایس۔ تاریخ سارسنز۔ (لندن) (۱۷۰۸)
سیر کیول - (اے۔ پی۔ کاسن ڈی۔ ایسے سور آئی ہسٹاوٹروسن عربیس ریونٹ اسلامیمی۔ پیرس۔ لندن)
پلیفیئر - آر۔ ایل۔ ہسٹری عرب فیلکس۔ بمبئی۔ (۱۸۵۹)
پوکاک - ایڈورڈ۔ سپین ہسٹری عرب ایکس ابوالفدا (اوکسفورڈ ۱۶۵۰)
کواٹرمیری مسیاؤ اسٹور تعیش نبھاتین۔
رسموسن - ایڈ ہیٹنا ایڈ ہسٹری عرب اینٹی اسلام
ریڈ ہاؤس - جے۔ ڈبلیو۔ اے ٹینٹیٹو کرانولوجیکل سناپسس آف دی ہسٹری آف

اینا نیمس ۔ دی ماریلیٹی آف دی الیسٹ ریزایکٹر فرام سی قرآن تیلیف ۔ (لندن ۱۷۶۶)

آرنلڈ ۔ تھیوریسی اون پرسٹین میڈیکل پلیسے ۔ (لندن ۱۸۷۱)

آرنلڈ ۔ ایڈون ۔ پرلس آف دی فیرو سٹن ۔ (۱۸۸۳)

آرنلڈ ۔ جے ۔ ایم ۔ اسمٰعیل یا نیچرل النیکیشن آف اسلام ۔ (لندن ۱۸۵۹)

آرنلڈ ۔ جے ۔ ایم ۔ اسلام اور عیسائیت ۔ لندن (۱۸۷۴)

آرنلڈ ۔ ٹی ۔ ڈبلیو ۔ دی پریچنگ آف اسلام ۔ اے ہسٹری آف دی پروپگنیشن آف دی مسلم فیتھ (لندن ۱۸۹۶)

بیٹ ۔ جے ۔ ڈی ۔ کلیمز آف اسمٰعیل ۔ (بنارس ۱۸۸۴)

بیڈویل ۔ ڈبلیو ۔ محمد کا امپوسٹر ۔ لندن (۱۶۱۵)

بیورے ۔ آر ۔ ایم ۔ اے ریڈیلائی گوسگین ۔ (اسپگنر دیکھو) ۱۸۲۹

بلوچمین ۔ ایچ ۔ آئین اکبری آف ابوالفضل (انگریزی ترجمہ) (کلکتہ ۱۸۶۸)

بلنٹ ڈبلیو ۔ الیس ۔ دی فیوچر آف اسلام ۔ لندن ۔ (۱۸۸۱)

بلائیڈن ۔ کرسچینٹی اینڈ نیگرو الیس

بولن ین ولیرز ۔ کونٹ ۔ لائف میں محمد ۔ ترجمہ (لندن ۱۷۳۱)

برنگمین ۔ اے) نوٹس اون اسلام (لندن ۱۸۶۸)

برایڈ جیس ۔ ایچ ۔ جے ۔ ہسٹری آف دی وہابیز ۔ لندن ۔ ۱۸۳۰)

عزیز و ۔ ڈاکٹر محمد سترم ۔ کرسچینس ایمپیریلنس)

کارلائل ۔ تھوس ۔ ہیروز اینڈ ہیرو شپ ۔ (لندن ۱۸۴۰)

برٹن ۔ آر ۔ الف ۔ دی جیو ۔ دی جپسی اینڈ اسلام (لندن ۱۸۹۸)

بش ۔ ریورینڈ ۔ جارج ۔ لائف آف محمد (نیویارک ۱۸۴۴)

ڈاھر ۔ جی ۔ الیف ۔ محمد اینڈ ہیاں ورک (ہمبرگ ۱۸۴۸)

ڈیون پورٹ ۔ جان ۔ ایلوجی فار محمد ۔ (لندن ۱۸۶۹)

ڈی گوجی ۔ میمائر سور لیس کرتھفس دی بحرین (لندن ۱۸۶۳)

ڈیوٹیچ ۔ ایمینول ۔ ایسے اون اسلام (لندن ۱۸۷۴)

دی ورڈ ۔ اے اسٹل ٹریٹائز آف دی ترکس ٹاک ۔ کالڈ القرآن ۔ (لندن)

ڈاوس ماکس ۔ محمد بدھ اینڈ کرائسٹ ۔ لندن ۱۸۷۸)

ہیگس ۔ ڈکشنری آف اسلام (نیویارک اینڈ لندن ۱۸۸۵)
ہرگرونجی ۔ سی ۔ سناوک ہیٹ سکینجے فیسٹ ۔ (لندن ۱۸۸۰)
ایضاً ،، مکہ لت بلڈر اطلاس ۔ (دی ہیگ ۱۸۸۰)
انچیلڈ ۔ ریورنڈ ۔ پی ۔ الیمنٹیہ ورشنز اون سیگنسز (دا نکاسٹرا ۱۸۳۰)
،، سپرنگ ۔ لائف آف محمدؐ (لندن ۱۸۵۰)
،، ،، ،، ،، سکسیز آف محمدؐ (لندن ۱۸۵۲)
جینفس ۔ ایچ وربرٹنگ دس اسلام ۔ یو ۔ زیڈ ۔ ڈبلیو ان ورچیڈرن لنڈرن
دیر اڈوی ۱۸۹۷ ۔ ۱۸۹۰ (برلن ۱۸۹۸)
جیسب ۔ ایچ ایچ ۔ دی محمڈن مشنری پرابلم (فلیو بلفیا ۔ ۱۸۸۹)
کیلیٹر اے) ڈیرکٹسٹیفکیمپ دیس کرسچینیم جیجن دین اسلام لس زوروزنیٹ دیر
کروزبی (لیپسگ ۱۸۹۷)
کوئیلی ۔ الیس ڈبلیو ۔ محمدؐ اینڈ محمدنزم ۔ کرٹیکلی کنسڈرڈ (لندن ۱۸۸۸)
کوئیلی ۔ الیس ڈبلیو ۔ فوڈ فار ریفلیکشن ۔ (لندن ۱۸۶۵)
قران ۔ (ڈیڈیشن اینڈ ٹرانسلیشن ۔ انگلش ورسین ۔ الیگزینڈر راس
فرام فرینچ ۱۶۴۹ ۔ ۱۶۸۸ سیل ۔ (۱۷۳۴) راڈویل (۱۸۶۱) پامر (۱۸۸۰)
فسٹ عربیک پرنٹڈ ٹیکسٹ ایٹ روم (۱۵۳۰) ہرکسینسز
عربیک ٹیکسٹ ہنکلمین (ہیمبرگ ۱۶۴۹)
عربیک اینڈ لیٹن ٹیکسٹ ۔ فراکی ۔ پاڈوا ۱۶۹۸
عربی ٹیکسٹ ۔ امپرس کیتھرائن دوم (سینٹ پیٹرزبرگ ۱۷۸۷)
ایضاً ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،، ۱۷۹۳ ۔ ۱۷۹۶)
۱۷۹۸، ۱۷۹۶

عربی ٹیکسٹ امپرس کیتھرائن دوم (کسان ۔ ۱۸۰۳ ۔ ۱۸۰۹ و ۱۸۳۵)
عربی (کریٹیکل ایڈیشن) (جی فلوگل) لیپزگ ۱۸۳۴ و ۱۸۴۲ و ۱۸۴۹
فرینچ سیوریسے (۱۷۸۳) اینڈ کیسمرسکی پیرس (۱۸۴۰ و ۱۸۴۱ و ۱۸۵۷)
فرینچ واسیئن ڈوراٹ ۔ (پیرس ۱۶۴۷)

میور سر ولیم ۔ دی محمڈن کنٹروواسی (ایڈنبرا ۔ ۱۸۹۷)
ملر الف ۔ اے ۔ دیا اسلام ۔ ام ماگن اینڈ اسینڈ لندن ۔
مرے ریورینڈ ڈبلیو ۔ لائف آف محمد بموجب ابوالفدا (ابجن تاریخ نامعلوم)
نیل الف ۔ اے ۔ اسلام ازم ۔ اس کا عروج و زوال ۔ لندن ۱۸۵۴)
ناٹمنس ۔ جی ۔ کے ۔ ان ۔ لیڈنگ ٹاٹ دی کیولسں دنیٹسن اسلام (ارڈم ۱۸۸۱)
نالڈیک ۔ ٹی گیسچیچی ڈس ۔ قرانس (گاسحسن ۱۸۶۰)
نالڈیک ۔ ٹی ۔ ڈاس ۔ لیبن محمدلنس (ہنبور ۔ ۱۸۶۳)
ادلسنر ۔ سی ۔ ای ۔ ڈس انفیلیس دی لاریلیجینس دی محمد ۔ پیرس ۱۸۱۰)
اوسبرن ہیجر ۔ اسلام اینڈر دی عربیس (لندن ۱۸۷۶)۔
ایضاً ر اسلام انڈر دی کیلفاس (لندن ۱۸۷۸)
پیفنڈر ۔ ڈاکٹر ۔ دی میزالتلیق (ترجمہ از فارسی ۔ لندن ۔ ۱۸۶۷)
نیبور ۔ ڈاکٹر ۔ مفتاح الاسرار ترجمہ) کلکتہ ۔ ۱۸۹۰)
پیفنڈر ۔ ڈاکٹر ۔ تارک الحیات ۔ فارسی ۔ کلکتہ ۱۸۴۰
پالگریو ۔ ڈبلیو ۔ جی ۔ ایسے اون ایسٹرن کویسچنز (لندن ۱۸۷۲)
پالگریو ۔ ڈبلیو ۔ جی ۔ ٹربلوکنسزان ایسٹرن اینڈ ایسٹرن عربیک ۔
پامر ای ۔ ایچ ۔ دی قرآن ٹرانسلیٹیڈ دو جلدیں (آکسفورڈ ۔ ۱۸۸۰)
پیلے اوس ۔ فرنکل پلے آف حسین اینڈ حسین ۔ (لندن ۱۸۷۹)
پیرن ۔ ایل اسلامزم لنس انسٹوس وغیرہ وغیرہ (پیرس ۱۸۷۷)
پیرن پیجر ۔ عربیس الونٹ ایٹ ڈیوٹیس آئی اسلامزم (پیرس ۱۸۵۸)
میٹس جوزف ۔ ریلیجنس اینڈ منیرز آف محمڈنز ۔ (آکسفورڈ ۱۷۰۴)
پرائی ڈاڈکی ۔ ایچ ۔ دی ٹرو نیچر آف دی امپوسٹر فلے انگلینڈ لندن ۱۷۱۸)
ربادان ۔ محمڈنزم (ہسپانی اور عربی)
ریلینڈ وغیرہ ۔ فور ٹریسنز اون اسلام (لندن ۱۷۱۲)
روڈویل ۔ جے ۔ ایم ۔ دی قرآن ٹرانسلیٹیڈ ۔ (لندن ۱۸۶۱)
روبا ۔ جے ۔ اے ۔ لائف آف محمد (۱۸۳۳)

راس الیگزینڈر۔ دی قرآن۔ (لندن ۱۶۴۲)
رسبی ۔ (اے) السراجیہ ترجمہ) لندن ۱۸۶۹)
رائر۔ انڈر ٹیڈ و لائف آف محمدؐ۔ (لندن ۱۷۱۸)
سیل۔ ٹرانسلیشن آف قرآن ڈ ڈیر سیمنیری ڈسکورس۔ لندن (۱۷۳۴)
سکول۔ جیولس۔ چارس۔ ایل۔ اسلام ایٹ سن انیڈ الس فانڈ لیسر امی
میٹوٹ۔ موریلنر (بیو جیٹل ۱۸۷۴)
سیل۔ ریورنیڈ۔ ای۔ دی فیتھ آف اسلام۔ مدراس (۱۸۸۰) اور لندن ۱۸۹۷
سیل۔ ریورنیڈ۔ ای۔ دی ہسٹوریکل ڈیولوپمنٹ ورڈ دی قرآن۔ مدراس ۱۸۹۸
سمتھ باسورتھ۔ محمدؐ اینڈ محمڈنزم۔ لندن ۱۸۷۶
سمتھ۔ ایچ۔ پی۔ دی بائبل اینڈ اسلام۔ نیویارک اینڈ لندن ۱۸۹۷
سٹیونز۔ ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو۔ کرسچینٹی اینڈ اسلام۔ لندن (۱۸۷۷)
سینٹ ہلیئر۔ ٹی بارتھالومیوڈی۔ محمد ایٹ لی قرآن۔ پیرس ۱۸۶۵
سٹوبرٹ۔ جے۔ ڈبلیو۔ ایچ۔ اسلام اینڈ اٹس فانڈر۔ لندن ۱۸۷۶
سعید احمد خان۔ ایسے ان دی لائف آف محمدؐ۔ لندن (۱۸۷۰)
سید امیر علی۔ اے کریٹیکل ایگزیمنیشن آف دی لائف اینڈ ٹیچنگ آف محمدؐ۔
تاسی۔ گارسن ڈی۔ ایل اسلامزم دی اسپرس لی قرآن پیرس (۱۸۷۴)
ٹیلر۔ ڈبلیو سی۔ دی ہسٹ آف محمڈنزم۔ لندن (۱۸۳۴)
تھاریسین۔ پی۔ ڈیہری۔ ڈی لے محمڈنزم ان چائنہ۔ (پیرس ۱۸۸۸)
ٹسٹرول۔ ڈبلیو۔ سینٹ کلیر۔ دی ریلیجنس آف دی کریسنٹ۔ لندن (۱۸۹۶)
ڈرپن۔ الف۔ ایچ۔ ہسٹ لی لا وائی دی محمدؐ۔ تین جلدیں۔ پیرس۔ (۱۸۷۳)
واتیح۔ جے۔ ریلیجو ترتیبا ایٹ محمڈنزم وانٹا۔
ویل گستاو۔ داس لیبن محمد۔ نیچ ابوال اسحاق سیرت وان ابن ہشام
دو جلدیں۔ سٹٹ گرٹ (۱۸۶۴)
ویری۔ ای۔ الف۔ کمنٹری اون دی قرآن ۵ جلدیں۔ لندن ۱۸۸۲
وہائٹ جے۔ باٹن لیکچرز اون اسلام اکسفورڈ اون اسلام۔ ۱۷۸۴

ولیشن۔ آرتھراین ہاف ہیوزر د و محمدؐ۔
ونسٹن فیلڈ۔ ایچ۔ الیف۔ ٹراس لیبل محمدؐ۔ تین جلدیں۔ (گانجن ۱۸۵۷)
زاٹنبرگ۔ تاریخ طبری۔ ٹرانسلیٹڈ۔

کرسچنٹی اینڈ مشنز

برکسہیرٹ۔ لائف اینڈ کسپانڈنس۔ (لندن ۱۸۹۵)
جلیپ۔ ایچ۔ ایچ۔ دی سٹینگ آف دی کریسینٹ اینڈ دی وائزنگ آف دی
کراس آر۔ کامل عبدالمسیح۔ فلیڈیلفیا۔ ۱۸۹۰
جلیپ۔ ایچ۔ ایچ۔ دی محمڈن مشنری پرابلم (فلا۔ ۱۸۹۹)
سنکرایرٹ۔ میمائرآف آیون کیتھ فیلکنر کیمبرج (۱۸۸۷)
عربیس مشن کوارٹرلی لٹیرز اینڈ اینول رپورٹس سپیشل پیپرز
اون مشنری جرمن۔ (۱۸۹۰) سے ۱۸۹۹ تک)

علم ادب اور زبان دانی

ایبکرس۔ انگلش عربیک ڈکشنری (بیروت ۱۸۸۲)
اہل ورڈٹ۔ ڈبلیو۔ دی دیوانس آف دی سکس عربیک پوئٹس
آرنلڈ۔ الیف۔ اے۔ عربیک کرسٹومیتھی۔ دو جلدیں۔ (ہیلس ۱۸۵۳)
ارنالڈ۔ الیف۔ اے۔ سیٹ معلقات (لپیزگ ۱۸۵۰)
بیجر۔ جی۔ پی۔ انگلش عربیک لیکسیکان (لندن ۱۸۸۱)
کیمپری۔ سی۔ پی۔ عرب اینڈ گریڈیک۔ (بینٹ ۱۸۸۶)
کلاڈس۔ جے۔ سی۔ گرمر عربیکا۔ لپیزگ ۱۸۸۹)
گلادسٹن۔ عربیک ڈکشنری فار انگلش سٹوڈنٹس (کلاسگو ۱۸۹۹)
ڈیلزنگ۔ ایچ۔ اینڈ سپیر جے۔ کرسٹومیتھی۔ (بیپرس ۱۸۸۸)
ڈوسینی۔ الیف۔ آر۔ ڈی۔ گریم عربیکا۔ عرب (ونڈس ۱۸۰۱)
ڈوزی۔ آر۔ پی۔ اے۔ جیا ینتا آکس ڈکشنری عربیہ۔ دو جلدیں (لندن ۱۸۸۹)

ریولنڈ ۔ جی ۔ ایچ ۔ اے کریم عرب ۔ دو جلدیں ۔ (لیس ۱۸۳۱)
فلیشر ۔ ایچ ۔ ایل ۔ ٹیکس اینڈ نوٹس ۱۲ جلدیں ۔ بریسلا انیوس)
فلوگل ۔ کتاب الفہرست ۔ جرمن نوٹس ۔ (لینبرگ سے ۱۸۷۱ ۔ ۱۸۷۲ تک)
فارڈ سنڈ کلسن ۔ عربیک گرامر
فرٹیگ ۔ لیکسن یکیعرب ۔ لاطینی چار جلدیں ۔ (سیلیس ۱۸۳۰)
گائنز ۔ ایچ ۔ ذورکنیس سیبن ۔ عربیشیر ۔ ورسٹن ۔ لینبرگ ۔ (۱۸۷۹)
جیبولی ۔ ڈی سی ۔ ایچ ۔ ایم ۔ جی ۔ عرب ان فرانسیسی (سپائک ۱۸۶۶)
گولیس ۔ جے ۔ لنیگئر کنعرب ۔ (لندن ۱۶۵۳)
گرین ۔ اے ۔ او ۔ اے پریکٹیکل عربیک گرامر
ہوریسے ۔ جے ۔ فرنچ عرب ۔ (بیروت ۱۸۸۱)
ہربٹ ۔ جے ۔ الف ۔ آر ۔ انخیتو لی عرب ۔ (جنیبی ۱۷۷۴)
جان ۔ جے ۔ عرب اسکی کسیٹو میتھی ۔ لینبرگ (۱۸۲۸)
کریمر ۔ اے وان ۔ لیگزیکوگرافی عرب (وائنا ۱۸۸۳)
لینزگ ۔ جے ۔ جی ۔ عربی گرامر ۔ نیویارک (۱۸۹۰)
سیکنائن ۔ ڈبلیو ۔ ایچ ۔ تھاؤ سنڈس اینڈ ون نائٹ ۔ چار جلدیں (کلکتہ ۱۸۳۹)
نیومین ۔ الف ۔ ڈبلیو ۔ ڈکشنری ۔ دو جلدیں ۔ (لندن ۱۸۹۰)
نیومین ۔ الف ۔ ڈبلیو ۔ ہینڈ بک آف ماڈرن عربیک (لندن ۱۸۹۰)
اوبرلیٹیر ۔ اے ۔ کرسٹو متھیا عرب ۔ (وائنا ۱۸۲۴)
پامر ۔ ای ۔ ایچ ۔ عربی گرامر ۔ وعربی مینول لندن ۱۸۹۰)
رچرڈسن عرب ۔ فارسی وانگریزی لغات اور عربی گرامر (لندن ۱۸۵۲ ۔ ۱۸۱۱)
روزنملر ۔ ای ۔ الف ۔ سی ۔ گرامر (لینبرگ ۱۸۱۸)
سوکن ۔ اے ۔ عربیکی گرمیٹک ۔ لندن ۱۸۹۰)
ثائن اے ۔ مینول آف کلو ایکہ عرب (لندن ۱۸۹۰)
ٹرسپ ۔ ای ۔ اینلی ٹنگ ۔ ان دلیس سسٹنڈیم ۔ ڈر عربیکن ۔ گرمیٹیکر ۔
مینونک (۱۸۷۶)

ٹیکسن - اے جی - ایلیمنٹل - زعرب بیکم ۱۹۴۲)
ڈ نیڈاک - سی - سی - اے سٹنٹس ٹو سٹرنزان دی سٹڈی آف
عربیک - ابیروت ۱۹۴۲)
والریٹس - مصروعرب - سپرنیشی (قاہرہ) (۱۸۹۰)
دڑسی موٹ - اے - ایل - گرڈیر - فرنیشیکر - ۱۸۳۳)
ویبر نیہد (اے) عرب سنٹڈ دالرٹیک - دو جلدیں - کیمبرج - ۱۸۸۷)
ویبر نیہد - (اے) سنٹڈ بک - ڈیر - عرب سپرلیشی - کمسن (۱۸۶۶)
ذلکلو جے - ایل - ڈبلیو - عرب - سٹر کچلیپر خنیٹ در عربیک - البیرگ ۱۸۶۲)
رائٹ - ڈبلیو - عربیک - ریڈنگ بک - (لنڈن ۱۸۷۰)

دوسری غرض اس کی اشاعت سے یہ جتانا مقصود ہے کہ ہماری سستی اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ دیگر ممالک کے حالات سے باخبر رہنا تو درکنار۔ خاص سرور کائنات کے مولد و مسکن کے حالات سے بھی ہم محض بے خبر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اب بھی لاکھہا زوار اور حجاج چار کھونٹ سے وہاں سالانہ جمع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ انمیں سے ہر ایک اپنی گناہ بخشوانے کی فکر میں رہتی ایسا غلطاں و پیچاں رہتے ہے۔ کہ اوسے اوس ملک اور وہاں کی قوم کی پولٹیکل اور معاشرتی موجودہ حالت پر غور کرنے۔ موجودہ تنزل و ادبار کے اسباب معلوم کرنے۔ اور انکو معلوم کرکے ان کے تدارک و انسداد کی تدابیر سوچنے کے لئے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی۔ ایک وقت تھا کہ ہم مسلمانوں نے ربع مسکون کے ہر حصہ و گوشہ کو اپنے قدموں سے روند ڈالا تھا۔ اور وہاں کی چپہ چپہ بھر زمین کے حالات پر ہزاروں مبسوط کتابیں تالیف کر ڈالی تھیں مگر آج فی لاکھہ غالبًا ایک مسلمان یہ بھی نہیں جانتا کہ نجد کس بلا کا نام ہے۔ حائل کیا شئے ہے۔ یمن و صنعا کس جانور کو کہتے ہیں۔ اور حضرموت و عمان۔ یا قصیم دریا میں کس درخت کا نام ہے۔ ہماری غفلت کا تو یہ عالم ہے۔ اور خوش نصیب اغیار کی مستعدی و جولانی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ بھیس بدل بدل کر عرب میں پہونچے۔ نہ صرف خود۔ بلکہ ان کی نازک شیر دل مستورات بھی۔ کوئی مسلمان بن کر گیا تو کوئی حکیم کی حیثیت میں اور جب یہ اطمینان کر لیا۔ کہ عربوں کو یوں ہی اب تک ہوا سمجھتے رہے تھے۔ وہ تو شیر قالین ہیں۔ نہ مذہبی غیرت یا قومی عصبیت کی داستانیں محض افسانہ تھیں۔ تو پھر کھلے بندوں مرتد یا اپنی اصلی حیثیت میں وہاں پہونچنے شروع ہوئے۔ بلکہ علانیہ دین اسلام کی توہین اور اپنے مذاہب کی علانیہ تبلیغ و منادی پر بھی کمربستہ ہو گئے۔ اور ساتھ ہی سیاسی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ بھی نہایت شد و مد جاری کر دیا۔ جن امور کی مفصل کیفیت ناظرین کو صفحات آئندہ سے منکشف ہو جائے گی۔

اسی غرض کے لئے یہ کتاب آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے کہ شاید اغیار کی روز افزوں مستعدی کے خطرناک نتائج دیکھ کر مسلمان بھی کچھ کروٹ بدلیں۔ اور جس طرح کبھی دوسری قومیں ہمارے اسلاف کی کارناموں سے استفادہ کرکے انکی تقلید کی۔ اور بڑھ گئے۔ اسی طرح اس زمانہ کی مسلمان بھی دوسروں کی ترک و تازہ سے متاثر ہو کر اس دنیا کی گھڑدوڑ

میں سرسبزی کی صلاحیت حاصل کرنے کے درپے ہوں۔ کچھ ہماری بھی رگ حمیت متحرک ہو۔ اور ہم
بھی ہاتھ پاؤں ہلانا سیکھیں۔ موجودہ جمود و اپاہج پن سے خلاصی پائیں اور قومی و شخصی فلاح
و رفاہ کے ان ذرائع سے کام لینے پر آمادہ ہو جائیں۔ جن کی طفیل ہی بموجب سنت اللہ ہر قوم
ابھرتی اور جن کو ہی نظر انداز کر دینے سے گرتی رہی ہے۔

کیا دنیا کے تیس کروڑ مسلمانوں کے لئے یہ کچھ کم شرم کا مقام ہے کہ چین میں مسلمانوں کی بے شمار
آبادی موجود ہونیکا ہمیں علم ہو تو انہی کی طفیل جو انگریزی میں ایسے صاحب اشاعت کر رہا ہے
ان کی کچھ خبر نہیں تو انہی کے ذریعہ مغربی افریقہ۔ وسط افریقہ اور مشرقی افریقہ میں بیسیوں نئی
اسلامی امارتوں کے وجود سے مطلع ہوں تو انہی کی وساطت سے اور اس وقت جبکہ الکا یکے بعد دیگرے
قتل پڑھا جاتا ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سرزمین عرب مہبط وحی و مسکن نبی۔ اور مہد و سرچشمہ اسلام
کی نسبت بھی جو حرمین اور خانہ خدا کی موجودگی سے بھی مستفیض ہے دنیا کی ناف اور اسلامی ممالک
کے عین وسط میں واقع ہے۔ ہم مسلمان گزشتہ چند صدیوں میں کوئی کتاب جو اس کے مفصل حالات پر مشتمل
ہو تالیف نہیں کر سکے۔ جس کے مقابل عیسائی سو سے زیادہ ضخیم کتابیں ذاتی مشاہدہ کی بنا پر
مرتب کر چکے ہیں۔ اور ہمیں اس وقت عرب کے اکثر حصص کے متعلق جو علم حاصل ہے محض انہی
کتابوں کی طفیل۔ مگر ایسا ہونا ایک ضروری امر تھا۔ اعضا اور دماغ پر سستی پیچھے طاری ہوتی
ہے پہلے دماغ کے قوا معطل ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے دماغ ہی صحیح سالم رہتے۔ تو ہم آج اس نکبت
و ادبار میں کیوں مبتلا دیکھے جاتے۔

خدا کرے۔ کہ اغیار کے چوکے ہی جو وہ اس قسم کی تالیفات کی شکل میں مسلمانوں کو شہ دے رہے ہیں
ہمارے سوئے دماغوں کو ہوشیار کرنیکا سبب بن جائیں۔ اور وہ اس مقولہ کے مصداق ثابت ہوں
کہ عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔ و الامر بید اللہ یفعل ما یشاء
و اللہ علی کل شئ قدیر۔

یکم شوال المبارک ۱۳۲۴ھ
۱۸ نومبر ۱۹۰۶ء

الملتمس۔ بندہ محمد انشاء اللہ عفی عنہ
(ایڈیٹر و مالک اخبار وطن لاہور)